# اسلام کا نظامِ تربیت

محمد قطب

اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی

# اسلام کا نظامِ تربیت

محمد قطب

ترجمہ

پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی

اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی

بار اول : ۱۹۹۴ء

طابع : ٹی صابرہ

قیمت : ۷۵/- روپے

مطبع : روبی پرنٹنگ پریس دہلی ۶

اسلامک بک فاؤنڈیشن

۱۷۸۱- حوض سوئی والان، نئی دہلی - ۱۱۰۰۰۲

فہرست


| | |
|---|---|
| مقدمہ | ۹ |
| باب اوّل | ۱۳ |
| تربیت کے ذرائع اور مقاصد | ۱۳ |
| اسلام کا جامع اور ہمہ گیر نظامِ تربیت | ۱۴ |
| دنیاوی نظامہائے تربیت کا مقصد "اچھا شہری" | ۱۵ |
| اسلام کے نظامِ تربیت کا مقصد "اچھا انسان" | ۱۶ |
| تقویٰ شعار، عبادت گذار انسان | ۱۷ |
| عبادت کا مفہوم | ۱۸ |
| خلافتِ الٰہیہ | ۱۸ |
| نظریۂ اسلامی کا محور، خالقِ کائنات کی جانب رجوع | ۱۹ |
| باب دوم | ۲۴ |
| اسلام کے نظامِ تربیت کی خصوصیات | ۲۴ |
| اسلام دینِ فطرت | ۲۴ |
| دنیاوی نظاموں کی جزئیت | ۲۵ |
| انسانی تاریخ کا حیرت انگیز لمحہ | ۲۹ |
| انسان کی مستقیم فطرت | ۳۲ |
| ہم آہنگی کے دو مقاصد | ۳۵ |
| توازن اور اعتدال: تمام کائنات کی خصوصیات | ۳۸ |
| مثبت اندازِ فکر | ۴۰ |
| مثالی واقعیت | ۴۳ |
| باب سوم | ۴۶ |
| منہاجِ عبادت | ۴۶ |
| فلاحِ انسان کی واقعی ضمانت | ۴۸ |
| باب چہارم | ۵۲ |
| روحانی تربیت | ۵۲ |

| | |
|---|---|
| روح کی حقیقت | ۵۴ |
| انسانی وجود کا مرکز : روح | ۵۶ |
| کائنات : عظیم قدرت کا مظہر | ۶۰ |
| روح کا احساس لطیف | ۶۳ |
| کائنات اور انفس میں غور وفکر | ۶۴ |
| طبیعی امور کی کارفرمائی کا احساس | ۷۶ |
| کائنات کا ہر امر اللہ کی قدرت میں ہے | ۷۹ |
| اللہ سبحانہ، کی مالکیت | ۸۷ |
| توجہ الی اللہ | ۹۰ |
| مظاہرِ قدرت اور خشیتِ الٰہی | ۹۱ |
| حبِ الٰہی | ۹۵ |
| ایمانِ حق | ۹۸ |
| عبادت، روحانی تربیت کا مؤثر ذریعہ | ۹۹ |
| اسلام میں عبادت کا مفہوم | ۱۰۵ |
| جمالِ تخلیق | ۱۰۹ |
| عبادتِ الٰہی کے فوائد | ۱۱۳ |
| **باب پنجم** | |
| عقل کی تربیت | ۱۱۷ |
| عقلی تفکر کے دائرہ کی تحدید | ۱۱۷ |
| نوامیس کائنات میں غور وفکر | ۱۱۹ |
| کائنات اور حق وعدل | ۱۲۲ |
| فکر اور یادِ الٰہی | ۱۲۴ |
| حکمتِ تشریع میں غور وفکر | ۱۲۸ |
| حکمتِ تشریع کا شعور | ۱۳۳ |
| دو اہم اصول، عدل اور شوریٰ | ۱۳۹ |
| قوتِ عقلیہ کی راہنمائی | ۱۴۱ |
| سنت اللہ میں غور وفکر | ۱۴۳ |
| | ۱۴۹ |

تاریخ کی مادی تعبیر ۱۵۷
سنت اللہ کے نتائج ۱۵۸
مادی قوتوں کا استعمال ۱۶۱
اسلام یورپ کی نشأۃ ثانیہ کی اساس ہے ۱۶۳
اہل مغرب کی خدا بیزاری کی اصل وجہ ۱۶۴
خدا بیزار سائنسی ترقیات کا انسانی نفسیات پر اثر ۱۶۵
علم عطیۂ الٰہی ہے ۱۶۸
باب ششم ۱۶۹
جسم کی تربیت ۱۶۹
دو امور کا بطور خاص لحاظ ۱۷۰
قوتِ حیات کی تربیت ۱۷۲
جسم انسانی کی حقارت کا تصور ۱۷۴
تحفظ ذات اور تحفظِ نوع ۱۷۵
جسمانی محرکات کی مسرفانہ تکمیل ۱۷۶
حیاتیاتی مطالبات اور جمالِ فطرت ۱۷۷
ارتقائے حیات کا تسلسل ۱۷۸
لاشعوری اخفاء اور شعوری انضباط ۱۸۰
مسئلہ جنس ۱۸۴
اسلام جملہ انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے ۱۸۸
اسلام کا منہاجِ تربیت ۱۹۰
یکسلے کا بیان ۱۹۲
خشیت الٰہی ۱۹۳
نفسیاتی قوت اور اعلیٰ ترین امور ۱۹۶
باب ہفتم ۲۰۱
انسانی وجود کے متوازی خطوط ۲۰۱
باب ہشتم ۲۰۳
بیم و رجاء ۲۰۳

موت کا خوف اور اسلام ۲۰۵

تنگ دستی کا خوف ۲۰۶

نقصان پہونچنے کا خوف ۲۰۸

اَن دیکھی نتائج کا خوف ۲۱۱

حقیقی خوف ۲۱۱

اسلام نے رجاء و امید کی کیفیت کو ابھارا ہے ۲۱۸

قرآن کریم اور رجاء ۲۲۱

ترغیب و ترہیب کی احادیث ۲۲۴

**باب نہم** ۲۳۲

محبت و نفرت ۲۳۲

اسلام کی نظر میں حب ذات کا مفہوم ۲۳۳

نفرت کا رُخ شر کی قوتوں کی جانب ۲۴۳

صراطِ مستقیم سے انحراف بھی قابلِ نفرت امر ہے ۲۴۶

**باب دہم** ۲۴۷

واقعیت اور خیال ۲۴۷

**باب یازدہم** ۲۵۱

حسیت اور معنویت ۲۵۱

اسلام میں حسی لذتوں کا حصول جائز ہے ۲۵۳

فضائلِ اخلاق کائنات کا ایک حصہ ہیں ۲۵۵

**باب دوازدہم** ۲۵۷

محسوس امور پر یقین اور مغیبات پر ایمان ۲۵۷

اسلام اور انسانی محسوسات ۲۵۸

جدید جاہلیت : گرفتار لعنت ۲۶۱

قرآن میں شیطان کا ذکر ۲۶۲

قرآن میں جنوں کا ذکر ۲۶۴

مغیبات پر ایمان انسانی فطرت ہے ۲۶۶

## باب سیزدہم ۲۶۹


انفرادیت اور اجتماعیت ۲۶۹
سرمایہ داری اور اشتراکیت ۲۶۹
اصل حقیقت ۲۷۱
انفرادیت اور اجتماعیت میں ہم آہنگی ۲۷۲
تعلق باللہ اور اسلامی اخوت ۲۷۵
پابندی و بے قیدی ۲۷۹
ان خصوصیات کا انحراف ۲۸۰
اسلام کا طریقۂ کار ۲۸۱
عمل خیر پر آمادہ کرنے کا ایک اور درجہ ۲۸۷
سلبیت اور ایجابیت ۲۹۱
ایجابیت کا انحراف ۲۹۲
اللہ سبحانہ کے بالمقابل سلبیت کاملہ ۲۹۳
کائنات کے بالمقابل ایجابیت کاملہ ۲۹۵
تربیت کے ذرائع ۲۹۸
شخصیت کا نمونہ بطورِ تربیت ۲۹۸
انسانیت کی تاریخ میں سب سے بڑی مثالی شخصیت ۳۰۲
مثالی افراد ۳۰۴
تربیت بذریعہ نصیحت ۳۰۶
سزا بطور ذریعہ تربیت ۳۱۲
تربیت کے لئے تخویف اور ترہیب کے وسائل ۳۱۴
قصص کے ذریعے تربیت ۳۱۸
قصۂ آدم علیہ السلام ۳۲۲
قصص قرآنی کی فنی نوعیت ۳۲۵
مغربی ادبیات کا انحراف ۳۳۰
تربیت بذریعہ عادت ۳۳۲
(زندہ درگور کرنے کی رسم بد اور دیگر معاشرتی برائیاں) ۳۳۲

عاداتِ صالح کا نشو ونما ۳۳۶
قوت کا استعمال ۳۳۸
مشغولیت ۳۴۰
واقعات ذریعہ تربیت ۳۴۱
مکہ مکرمہ میں پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں ہدایات ۳۴۳
شدائد اور مصیبتوں پر صبر ۳۴۵
مدینہ منورہ میں پیش آنیوالے واقعات پر ہدایات ۳۴۷
معرکۂ احُد ۳۴۹
معرکۂ بدر ۳۵۰
واقعۂ تبوک ۳۵۰
مذکورہ تنبیہات کا مقصد ۳۵۵
اسلامی معاشرہ ۳۵۷
اسلامی معاشرہ : اسلامی تربیت کا لازمہ ۳۵۹
اصلاحی احوال کا منطقی طریقہ ۳۶۰
تربیت کے فوائد ۳۶۴
انسانِ صالح کی خصوصیات ۳۶۴
مومن کی قوتِ کردار کا سرچشمہ ۳۷۵
نظافت اور پاکیزگی کی تعلیم ۳۷۸
واقعیت اور مثال ۳۸۱

# بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## مقدمہ

حالانکہ میں ایک طویل عرصے تک قرآن کریم کے مطالعے میں منہمک رہا، مگر پہلے پہل مجھے اس امر کا پوری طرح ادراک نہیں تھا کہ قرآن کریم میں "اسلام کا نظام تربیت" واضح اور مکمل طور پر موجود ہے۔ البتہ مجھے ابتدا ہی سے اس قدر احساس ضرور تھا کہ قرآن کریم میں امور تربیت سے متعلق ایسی متعدد واضح ہدایات موجود ہیں جو نفس انسانی پر اثر انداز ہو سکتی ہیں اور اگر کوئی شخص ان ہدایات پر غور و تأمل کرے تو اس کے سامنے عمل کی ایک واضح روش، فکر کا ایک منور راستہ اور شعور کا ایک ایسا متعین طریقہ جلوہ گر ہو سکتا ہے جو نیکی اور پارسائی سے قریب تر ہو اور انسان اس پر عمل پیرا ہو کر پاکیزگی اور انسانیت سے ہمکنار ہو سکے۔

مگر ظاہر ہے کہ ایک مبہم سے احساس اور ایک شعوری ادراک میں بڑا فرق ہے۔ اور اس وقت تک بہر حال مجھے یہ شعوری ادراک حاصل نہیں تھا کہ قرآن کریم میں تربیت انسانی سے متعلق متفرق اور جا بجا آیات ہی نہیں ہیں، بلکہ قرآن کریم ایک ایسا مکمل اور جامع نظام تربیت پیش کرتا ہے جس میں جملہ ضروری اور ناگزیر امور بالتفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔

بلاشبہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر انسان کو یہ شعوری ادراک حاصل ہو کہ قرآن کریم ایک مکمل اور جامع نظام تربیت کا حامل ہے۔ کیونکہ قرآن کریم اپنے قاری کے ذہن میں جو غیر واضح احساس ابھار دیتا ہے اسی سے نفس کی خیر کی جانب راہنمائی ہو جاتی ہے اور اس کی نیکوکاری کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ نزول قرآن سے لے کر اب تک لاتعداد مسلمان اسی براہ راست طریقے پر قرآن سے مستفاد ہوتے رہے ہیں، اور ہمیشہ قرآن کریم مومنین کے نفس کی گہرائیوں میں اتر کر انہیں سعادت ابدی کی شاہراہ پر گامزن کرتا رہا ہے۔

لیکن بہر حال قرآن کے نظام تربیت کے شعوری علم کی اپنی اہمیت ہے کیونکہ

اس طرح قرآنی ہدایات نفس انسانی میں زیادہ مضبوطی سے جاگزیں ہو سکتی ہیں، اور اس طرح محققین اور اہل علم کو بحث و تحقیق کا مفصل منہاج (Method) میسر آسکتا ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ آج مغرب سے آیا ہوا ہر علم وفن مرتب اور مفصل صورت میں موجود ہے، اور جس کی بنا پر ان علوم میں پوشیدہ مغرب کے انحرافات نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں اور ان کے اندر مضمر عیوب اور خامیوں تک عام نظر نہیں پہنچ پاتی۔ اگر اسلام کا نظامِ تربیت بھی جدید اسلوب کے مطابق بالتفصیل مرتب صورت میں بیان کر دیا جائے تو اس سے فکرِ مغرب (Occidental thinking) کی کجرویوں کی نشان دہی بآسانی ہو سکتی ہے۔

اس سے قبل میں "اَلاِنْسَانُ بَيْنَ الْمَادِيَةِ وَالاِسْلَامِ"[1] میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں کہ نفس انسانی کی ہدایت و راہنمائی کے بارے میں اسلام کا اپنا مخصوص طریقہ کار ہے جو جملہ مغربی افکار و تصورات سے یکسر مختلف ہے۔ اس کتاب کی تصنیف تک مجھے اسلام کے نظام تربیت کی جانب فکری رسائل حاصل نہیں ہوتی تھی۔ ہر چند کہ اس کتاب میں میں نے اسلام کے نظامِ تربیت کے بارے میں چند امور ضرور تعمیر کر دیئے تھے۔ اس کے بعد میں نے طریقہ تعلیم پر ایک کتاب لکھی تھی، اس میں بھی اسلامی تربیت کے موضوع پر ایک باب شامل تھا، مگر یہ کتاب شائع نہیں ہوئی۔

چند سال قبل مجھ پر ایک رات ایسی بھی گزری تھی جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا اس رات میں سخت نفسیاتی اضطراب سے دوچار تھا اور کسی جانب سے نور کی کوئی کرن نہیں پھوٹ رہی تھی، اس وقت تک میں تین یا چار مرتبہ قرآن کریم کا مطالعہ کر چکا تھا، اور شب و روز قرآن کے زیرِ سایہ گزار چکا تھا اور ہر ایک آیت اور ہر ایک مقام پر غور و فکر اور جملہ ہدایات پر سوچ بچار کر چکا تھا ... اچانک غیر معمولی طریقے پر میرا قلب و دماغ منور ہو گیا اور میں نے محسوس کیا کہ میرے ذہن پر خیالات کی یلغار ہو رہی ہے اور اسلام

---

[1] اس کتاب کا راقم الحروف کا ترجمہ "اسلام اور جدید مادی افکار" کے نام سے اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔
(س۔ صدیقی)

کے نظامِ تربیت کے بارے میں میرے افکار مرتب اور مفصل صورت میں میرے ذہن کی لوح پر اجاگر ہو رہے ہیں، اور مکمل منہاج میرے سامنے اس قدر روشن و منور ہو گیا کہ میں حیران رہ گیا کہ یہ منہاج اس قدر بدیہی اور واضح ہونے کے باوجود آج تک کیوں میرے دماغ سے اوجھل رہا۔

غرض اس شب کے بعد میرے قلب میں اسلام کا نظامِ تربیت بالکل واضح اور میری دنیائے شعور میں پوری طرح اجاگر ہو گیا اور میں اس قابل ہو گیا کہ اس سلسلے میں قرآنی آیات اور سنت نبویؐ سے شواہد اور دلائل اخذ کر سکوں۔

قرآن کریم کے ساتھ ساتھ سنت نبویؐ سے استنباط اس لیے ناگزیر ہے کہ نبی کریمؐ کی ذات مبارک قرآن کی واقعی اور عملی ترجمان تھی، چنانچہ جب حضرت عائشہؓ سے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ "آپؐ کا اخلاق قرآن تھا" یعنی ذات رسالت مآب اسلامی تربیت کا زندۂ جاوید نمونہ اور اسوۂ کاملہ تھی اور آپؐ کی عملی زندگی آپؐ کے اخلاق و اعمال اور آپؐ کے اقوال اور فرمودات اس منہاج تربیت کی وضاحت اور تفصیل تھے۔

میں نے اسی رات یہ تہیہ کر لیا کہ میں "اسلام کے نظامِ تربیت" کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کروں گا، اور اس میں بتاؤں گا کہ اسلام کا نظام تربیت دنیا کے تمام نظام ہائے تربیت سے منفرد، وقیع اور بے مثال ہے۔ اس نظامِ تربیت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا مکمل اور جامع نظام ہے جو نفس انسانی کے تمام افکار و شعور کو محیط ہے اور یہ نظام اس قدر گہری تاثیر کا حامل ہے کہ یہ نفس انسانی کی گہرائیوں اور عملی زندگی کی جملہ وسعتوں پر بڑی قوت سے اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام تربیت کے طفیل صحرائے عرب کے ریگزاروں سے ایک ایسی اُمت اٹھی جس نے اپنی بے مثال اور منفرد تہذیب و تمدن اپنے اخلاق فاضلہ اور اپنی جہانگشائی اور جہانبانی سے تمام دنیا میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیا، اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو از سر نو راہِ ہدایت دکھائی۔

اس ہمہ گیر انقلابی امت کے برپا ہونے اور اس کے اس قدر عظیم تاریخی کردار ادا کرنے کی واحد وجہ یہ تھی کہ یہ امت اسلامی اصولوں پر عمل پیرا تھی، دین کو مضبوطی سے تھامے ہوئی تھی اور اس کے افکار و شعائر اور اس کے اعمال و اطوار پوری طرح اسلام کے نظام تربیت پر استوار ہو گئے تھے۔

چونکہ گردش ایام نے امت مسلمہ کی تابانیوں کو بہت کچھ دھندلا دیا ہے اور چودہ سو برس کے طویل عرصے میں رفتہ رفتہ اس کی روشنیاں کجلا گئی ہیں۔ اور امت مسلمہ اسلام کے بتائے ہوئے نظامِ تربیت کی اصل روح سے ہٹ کر اس کے چند ظاہری مظاہر سے چمٹ کر رہ گئی ہے، اس لیے میں یہ کتاب تصنیف کر رہا ہوں کہ شاید میری اس کوشش سے مسلمانوں کے سامنے ان کی منہاج زندگی کی راہیں از سرِ نو کھل جائیں اور وہ ایمان اور اسلام کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہو کر نئے عزم اور روح جہاد کے ساتھ اس کو بروئے کار لانے میں ہمہ تن منہمک ہو جائیں۔

کتاب کا یہ حصہ اسلام کے نظامِ تربیت کی نظریاتی تشریح پر مشتمل ہے جس میں میں نے اس موضوع پر نفسیاتی نقطۂ نظر کے مطابق گفتگو کی ہے۔ دوسرے حصے میں میں تربیت کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کروں گا، اور بچپن، عہد شباب اور کہن سالی کے ادوار میں انسانی تربیت کے موضوع پر قدیم مسلمان مفکرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا جائزہ لوں گا۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنِیْ اِلٰی مَا فِیْہِ الْخَیْرَ اِنَّکَ سَمِیْعٌ مُّجِیْبُ الدُّعَاءِ۔

محمد قطب

# بابِ اوّل

## تربیت کے ذرائع اور مقاصد

ہر زمانے اور ہر قوم کے لحاظ سے تربیت کے مختلف ذرائع ہُوا کرتے ہیں، اور ہر ذریعہ کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لیے ہُوا کرتا ہے، یہ اور بات ہے کہ عملاً اس سے وہ مطلوبہ نتیجہ حاصل نہ ہو رہا ہو۔

مثلاً جسمانی ورزش بھی ایک ذریعہ تربیت ہے اگرچہ باقاعدہ نظام تربیت نہیں ہے چنانچہ نازی جرمنی میں ایک زمانے میں نوجوانوں کو سخت جسمانی تربیت دی گئی، تاکہ ان کے جسم مضبوط ہوں، ان میں نظم (Discipline) اور جذبۂ اطاعت شعاری پیدا ہو، وہ احکام کی پابندی کریں، ریاست کی خدمت کریں اور اپنے آپ کو عظیم ڈکٹیٹر کی پُرہیبت شخصیت کے احکام کا پابند بنالیں۔

انگلستان اور شمالی یورپ کے ممالک میں تربیت جسمانی کا مقصود باہمی تعاون اور جذبۂ اجتماعیت ہے۔

مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جسمانی تربیت سے یہ مذکورہ مقاصد حاصل نہ ہوں اور وہ محض علوِّ ذات (Self-Exaltation) میں بدل کر رہ جائے جیسا کہ بعض کھلاڑی صرف اپنی شخصیت کے نمایاں (Self-Assertion)[1] کرنے میں لگے رہتے ہیں، حتیٰ کہ فٹ بال جس کا مقصد ہی کھلاڑیوں میں باہمی تعاون کا اجتماعی جذبہ پیدا کرنا ہے، اس

---

[1] جذبۂ خود نمائی یا اظہارِ ذات۔ نفسیات کی اصطلاح میں دوسروں کی موجودگی میں اپنی اہمیت جتلانے کا میلان۔ (س۔ صدیقی)

کے کھلاڑی بھی ذات کے اظہار میں الجھ کر رہ جاتے ہیں، اور اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

رومیوں کے یہاں یہی جسمانی تربیت کا نظام، جسم کی پرستش، قوت وطاقت کے اظہار اور حسن پرستی میں بدل کر رہ گیا تھا۔

اسی جسمانی تربیت کے نتیجے میں پھولی ہوئی گردنوں والے اور اکڑے ہوئے اعصاب والے "دیوزاد" آدمی بھی پیدا ہوتے ہیں جن میں سرے سے اس تربیت کا کوئی مقصد موجود ہی نہیں ہوتا اور ان کی حیثیت ایک موٹے تازے پلے ہوئے جانور سے زیادہ نہیں ہوتی۔

کہانیوں اور قصوں کی مدد سے بھی تربیت کے مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں، چنانچہ کبھی اس طریقے سے قارئین میں روحِ فنی (The spirit of art) بیدار ہوتی ہے اور احساسِ جمال (Aesthetic sense) نشوونما پاتا ہے۔

اس ذریعۂ تربیت سے اَنفُس (Souls) اور آفاق (کائنات) میں غور وفکر کی صلاحیت اجاگر ہوتی ہے اور حادثات و واقعات سے عبرت حاصل کر کے غلط کاریوں سے بچنے اور صحیح راستے پر گامزن ہونے کا شعور بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ ذریعہ تربیت محض وقت گزاری، بے راہ روی اور یاوہ گوئی کا باعث بن جاتا ہے!

غرض تربیت کے اس قسم کے متعدد ذرائع موجود تو ہیں مگر یہ کوئی مکمل اور جامع نظامِ تربیت نہیں ہیں، یہ محض وسائل ہیں جن کی اپنی اہمیت تو ہے لیکن ان کے انتخاب اور اختیار میں پوری توجہ اور پیش بینی کی ضرورت ہے تاکہ یہ ایک نظامِ تربیت، کے ہم آہنگ عناصر ترکیبی بن سکیں اور اصل مقاصد تک رسائی حاصل کر سکیں ——— کیونکہ اگر مقاصد حاصل نہ ہوں تو محض ذرائع اور وسائل کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوا کرتی۔

## اسلام کا جامع اور ہمہ گیر نظامِ تربیت

اسلام کا نظامِ تربیت اس لحاظ سے بالکل منفرد اور حد درجہ ممتاز ہے کہ اس کے جملہ ذرائع اور تمام مقاصد ایک فکر اور ایک نظریہ سے پوری طرح مربوط اور پیوست ہیں۔ اور یہ نظامِ تربیت اس قدر مکمل، جامع اور ہمہ گیر ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو

اور کوئی گوشہ اس کی راہنمائی اور ہدایت سے خارج نہیں ہے۔

ظاہر ہے اسلام کے نظام تربیت کے علاوہ تربیت کا کوئی اور نظام انسانی تاریخ میں اتنا ہمہ گیر اور جامع وجود میں نہیں آیا ہے۔

اس وسعت اور ہمہ گیری کے باوجود اسلام کا نظام تربیت کسی بھی موقع پر اپنے اصل مقصد سے گریز کرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ یہ نظام تربیت ایسے متفرق اور مختلف ذرائع اور وسائل کا مجموعہ نہیں ہے جن میں سے ہر ذریعہ اور ہر وسیلہ انسان کو ایک نئی سمت کی جانب لے جائے اور اس جذب وکشش میں خود انسان کی فطری صلاحیتیں ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں۔ بلکہ اسلام کا نظام تربیت انسان کے سامنے ایک صاف سیدھی شاہراہ متعین کر دیتا ہے اور ایک مقصد سامنے رکھ دیتا ہے تاکہ انسان اپنی تمام فطری صلاحیتوں اور ان کے درمیان پورے تعاون ہم آہنگی اور سلامتی کے ساتھ اس مستقیم شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔ اور مختلف جہتوں کی کشاکش اور گوناگوں مقاصد کی کھینچا تانی میں تتر بتر ہو کر نہ رہ جائے۔

اسلام کے نظام تربیت کی یہ خصوصیت اس قدر نمایاں اور واضح ہے کہ یہ پہلی ہی نظر میں آشکارا ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اور یہ حقیقت کھلم کھلا محسوس ہو جاتی ہے کہ اسلام کا نظام تربیت ہر لحاظ اور ہر پہلو سے انسان کے بنائے ہوئے تمام نظام ہائے تربیت سے بالکلیہ مختلف ہے۔

## دنیاوی نظام ہائے تربیت کا مقصد "اچھا شہری"

انسان کے بنائے ہوئے نظام ہائے تربیت چند مختلف ذرائع کے حامل ہیں اور ان کے تاریخی اجتماعی اور سیاسی حالات بھی متنوع اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن ان تمام ذرائع اور وسائل اور ان متعدد نظام ہائے تربیت کا مقصد ایک ہے اور وہ ہے ایک "اچھا شہری" تیار کرنا ——— لیکن خود اچھے شہری کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ظلم وزیادتی کا قلع قمع کر دینے والا مسلح اور جنگجو سپاہی ہو، لیکن جب اس کی اپنی قوم کا مفاد درپیش ہو تو ظلم و ناانصافی میں اسے خود بھی کوئی عار نہ ہو۔

کسی قوم کا اچھے شہری کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایسا نیک و صلح جو شخص ہو کہ نہ خود کسی پر ظلم کرے اور نہ کسی کو اپنے اوپر ظلم کی اجازت دے۔

ہو سکتا ہے کسی قوم کی نظر میں اچھا شہری ایک تارک الدنیا زاہد خشک ہو جو دنیا کی اس قابلِ نفرت کشاکش حیات سے کوئی دلچسپی نہ رکھتا ہو۔

اور ہو سکتا ہے کہ کسی قوم کے نقطۂ نظر سے اچھا شہری وہ ہو جو اپنے وطن کا سچا عاشق ہو، اس میں جذبہ حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو اور وہ اپنی نسل کے امتیاز پر فخر محسوس کرتا ہو، اور اس کے لیے وہ مر مٹنے کو تیار ہو۔

## اِسلام کے نظامِ تربیت کا مقصد "اچھا انسان"

اسلام ان تنگنائیوں میں محصور نہیں ہے۔ اسلام کا نظامِ تربیت اچھا شہری تیار نہیں کرتا۔ بلکہ اسلام کے نظامِ تربیت کا مقصد "اچھا انسان" (انسان صالح) تیار کرنا ہے۔ وہ انسان جو مکمل انسان ہو، جس میں انسانیت کے سارے پنہاں جوہر نمایاں ہو گئے ہوں، اور جو صرف جغرافیائی حدود میں محدود ایک وطن کا اچھا شہری نہ ہو بلکہ وہ پوری روئے زمین کا اچھا شہری، بہترین باشندہ اور "انسان" ہو۔

ظاہر ہے کہ اسلام کے نظامِ تربیت کا یہ مقصد دنیا کے جملہ نظام ہائے تربیت کے مقاصد سے نہایت ارفع اور اعلیٰ ہے اور اس مقصدِ رفیع کے سامنے ہر مقصد ہیچ، بے وزن اور رائگاں ہے۔

اسلام کے مکّی دَور کو لیجیے، چند ناکس و بے کس مسلمان ہیں، جن کی تعداد کم ہے اور دشمن زیادہ، جن کے پاس نہ کوئی قوت ہے اور نہ طاقت اور جن کا کوئی سہارا نہیں ہے سوائے اللہ جل شانہٗ کی ذات کے، مگر اسی مکّی دَور میں اور دعوتِ اسلامی کے آغاز ہی میں قرآن کریم اپنی دعوت کا مخاطب ساری انسانیت کو قرار دیتا ہے اور ببانگ دہل اعلان کرتا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (التکویر: ۲۷)

"یہ تو سارے جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔"

پہلے ہی مرحلے میں قرآن نے اس حقیقت کو جتلا دیا کہ قرآن کی دعوت کے مخاطب صرف قریش، محض اہل مکہ اور اہل عرب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس عالمی دعوت کی مخاطب پوری دنیائے انسانیت ہے اور اس تخاطب میں رنگ و نسل اور زبان و وطن کا کوئی فرق نہیں ہے ـــــ اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ کون اس دعوت پر لبیک کہتا اور متقیوں کے زمرے میں داخل ہوتا ہے۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ (الحجرات: ۱۳)

"تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

یہ قرآنی دعوت عام ہے۔ یہ وطن کی حد بندیوں، زبان کے دائروں، رنگوں کے تفاوت اور نسل کے امتیازات میں محدود نہیں ہے۔ یہ دعوت انسانیت کو گروہوں اور طبقوں میں تقسیم نہیں کرتی۔ ان کو رنگوں اور نسلوں کے امتیازات میں نہیں بانٹتی۔ بلکہ یہ قرآنی دعوت براہِ راست نفس انسانی میں نفوذ کر کے انسان کے اندر پوشیدہ جوہر انسانیت کو ابھارتی اور بروئے کار لاتی ہے۔

## تقویٰ شعار، عبادت گزار انسان

اسلام انسان کو میدان زندگی میں حیران و پریشان نہیں چھوڑتا بلکہ ان کے سامنے زندگی کے تمام پہلو اور نفس کے تمام گوشے اجاگر کر کے اس کے سامنے ایک مفصل منہاج واضح کر دیتا ہے اور بتا دیتا ہے کہ یہ منہاج کس طرح انسان کو "انسان" بنانے کا مقصد حاصل کرتا ہے اور کس طرح انسان کو "انسان صالح" (اچھا انسان) اور متقی انسان بنا دیتا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

یہ انسان صالح اور متقی انسان وہ ہے جو صرف اللہ جل شانہ کی بندگی کرتا ہے

اور زندگی کے ہر معاملے میں صرف اللہ ہی سے راہنمائی حاصل کرتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (الذاریات: ۵۶)

"میں نے جن اور انسان کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں"

## عبادت کا مفہوم

اسلام میں عبادت کے معنی چند مذہبی رسوم کی ادائیگی نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں عبادت کا لفظ بڑے وسیع معنی میں مستعمل ہے۔ اسلام میں اس کے معنی زندگی کے ہر لحظے میں، عمل کے ہر پہلو میں فکر کے ہر گوشے میں اور شعور کے ہر زاویے میں اللہ سبحانہٗ سے راہنمائی حاصل کرنے اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے ہیں۔ غرض پوری زندگی اللہ کی رضا اور اس کی منشاء کے مطابق گزارنا اور وہ تمام امور جو خدا کی رضا کے ہوں ان پر عمل کرنا اور ان تمام امور سے بچنا جو خدا کی ناراضگی کا باعث ہیں، عبادت ہے۔ عبادت کے اس معنی اور مفہوم کے لحاظ سے انسان کی پوری زندگی کا مصدر اور منبع ذات الٰہی ہے اور اس کے شعور و عمل کے تمام پہلو ہدایت ربانی کے تابع ہیں۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (البقرہ: ۳۸)

"پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقعہ نہ ہوگا"

## خلافت الٰہیہ

یہی وہ انسان ہے جو زمین میں خلافت الٰہی کے منصب کو سرانجام دیتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً۔

(البقرہ: ۳۰)

"جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا۔ کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ
رَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِيْلًا۔ (الاسراء : ۷۰)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔"

لیکن خلافت الٰہی کی شرط یہ ہے کہ انسان اس تکریم الٰہی کے تقاضوں پر اور معیارِ انسانیت پر پورا اترے اور اس فضیلت کا بدستور سزاوار ہے جو اللہ سبحانہٗ نے اس کو بخشی ہے۔ اسی شرط پر خلافت موقوف ہے اور خلافت کی تعمیر و ترقی کی ذمے داریاں وابستہ ہیں کہ اگر انسان خلافت کی اس شرط کو پورا کرے اور ان ذمے داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہو تو اللہ سبحانہٗ اس کو اپنے طیبات رزق عطا فرماتا ہے اور کائنات کی قوتیں اور طاقتیں اس کے تابع فرمان بنا دیتا ہے۔ اور انسان اللہ سبحانہٗ کی عطا کردہ ان نعمتوں کو تقویٰ کی حدود اور منہاج الٰہی کی راہنمائی میں رہتے ہوئے اپنے منصب جلیل کی تکمیل میں استعمال کرتا ہے۔

## نظریۂ اسلامی کا محور: خالق کائنات کی جانب رجوع

اسلام جہاں اس مقصد کو واضح اور مفصل صورت میں سامنے رکھتا ہے وہاں لوگوں کو خالق کائنات کی جانب بلا رکاوٹ اور بغیر کسی حجاب کے متوجہ کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي
خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ۔

(الانفطار: ۶-۸)

"اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے نِک سُک سے درست کیا تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا۔"

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ

(الانشقاق: ۶)

"اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔"

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (قٓ: ۱۶)

"ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔"

خالق کائنات کی جانب رجوع ہی نظریہ اسلامی کا محور ہے اور یہی اسلام کے نظام تربیت کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ اور اسی منبع سے تمام قوانین اور ضابطے اور وہ تمام ہدایتیں سامنے آتی ہیں جن کی اساس پر انسانی زندگی مستقیم منہاج پر استوار ہوتی ہے۔

اسلام انسان کا رخ اس کے خالق کی جانب کر دیتا ہے اور انسان کو یہ بتا دیتا ہے کہ صرف اللہ سبحانہٗ ہی ہے جو ہر ایک قوت اور طاقت کا مالک ہے وہی ہے جو بادشاہ اور سلطان ہے وہی ہے جو زمین و آسمان کی ہر ہر شئے کا مالک ہے۔

بِيَدِهٖ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ۔ (یٰسٓ: ۸۳)

"اسی کے ہاتھ میں ہر شئے کا اقتدار ہے۔"

اور انسان جب اس حقیقت سرمدی کے راز کو پا لیتا ہے تو پھر وہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا۔ اور اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں کرتا اور اس کا دل اور اس کی روح آزاد ہو جاتے ہیں اور انسان یکسو ہو کر اللہ سبحانہٗ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔

انسان جب ہمہ تن اپنے خالق کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تو اسی کی راہنمائی حاصل کرتا اور اسی کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے۔ اس کے سامنے دنیا کی ہر قوت

کمزور ہر طاقت پامال اور ہر توانائی بے اثر ہوتی ہے۔ وہ صرف اللہ ہی کی قوت حقیقی قوت جانتا اور اسی کے سلطان کو حقیقی سلطان تصور کرتا اور اسی کے بتائے ہوئے منہاج زندگی کو صحیح منہاج تسلیم کرتا ہے اور اس ادراک اور عرفان سے اس کے نفس کی اصلاح ہو جاتی اور اس کی زندگی سنور جاتی ہے۔

چونکہ اس انسان کی قوت کا سرچشمہ اللہ سبحانہٗ کی قوت ہوتی ہے اس لیے وہ اس کائنات میں اپنا وزن محسوس کرتا ہے اور اپنی قوت فاعلہ اور قوت ارادی سے دنیا کی تعمیر و ترقی کرتا اور تمدن و تہذیب کو استوار کرتا ہے۔ اور اسے اس عظیم کام کی انجام دہی میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اس لیے کہ بحکم الٰہی دنیا کی قوتیں اس کی تابع فرمان ہو جاتی ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ۔

(الجاثیہ: ۱۳)

"اس نے زمین اور آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے۔"

انسان جب اللہ سبحانہٗ کی جانب رجوع ہو جاتا ہے تو اسے یہ بصیرت حاصل ہو جاتی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا ہی کی جانب سے ہوتا ہے اور اسی کی جانب لوٹ کر جانا ہے اور ہر مخلوق اس کی قدرت سے وجود میں آتی ہے، اسی لیے وہ ہر معاملے میں اسی کی جانب متوجہ رہتا ہے۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِن مْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِن قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ۔ (الطارق: ۵، ۱۰)

"پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یقیناً وہ (خالق) اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے جس روز پوشیدہ اسرار کی

جانچ پڑتال ہوگی اس وقت انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ۔ (قٓ: ۴۳)

"ہم ہی زندگی بخشتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی اس دن سب کو پلٹنا ہے۔"

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ۔ (مریم: ۴۰)

"آخر کار ہم ہی زمین اور اس کی ساری چیزوں کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے۔"

انسان جب اللہ سبحانہٗ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تو اسے تمام انسانوں سے ہمدردی اور تعلق کا احساس ہوتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔

(النساء: ۱)

"لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔"

اسی جذبہ اور احساس سے انسان کے درمیان انسانیت اور تعاون اور ہمدردی کے جذبات نشو و نما پانے اور اختلاف اور دشمنی اور انتقام کے میلانات سرد پڑ جاتے ہیں۔

بہر حال یہ حقیقت سرمدی کہ ہر شئے کا سرچشمہ اور منبع اللہ سبحانہٗ کی ذات ہے یہ وہ اساس ہے جس پر "اسلام کا نظام تربیت" قائم ہے اور جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔

آئندہ تفصیلی بحث کے دوران یہ امر پوری طرح واضح ہو جائے گا کہ اسلام اپنے ذرائع

اور مقاصد کے لحاظ سے کس قدر منفرد، بے مثال اور بلند پایہ ہے۔ لیکن یہاں ابتداءً یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دنیا کے تمام نظام ہائے زندگی دو خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جن کی تعلیمات یہ بتاتی ہیں کہ زندگی اور اس کی کشاکش سے دامن چھڑا کر انسان صرف خدا کا ہو رہے اور رہبانیت اختیار کرے اور کچھ وہ ہیں جن کی تعلیم یہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر اسی زندگی کی تعمیر و ترقی کے لیے انسان اپنی جان کھپا دے اور اسی کو حاصل زندگانی سمجھ لے۔ جب کہ اسلام وہ واحد نظام حیات ہے جو انسان کا اللہ سے رشتہ اس لیے استوار کرتا ہے تاکہ اس کی دنیاوی زندگی بھی درست ہو جائے اور وہ جسمانی طور پر دنیا میں سرگرم عمل ہو اور روحانی طور پر اللہ سبحانہٗ سے رشتہ جوڑے ہوئے ہو۔

باب دوم

# اسلام کے نظامِ تربیت کی خصوصیات

اسلام کا انسان کی تربیت کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام انسان کے پورے وجود کو مدِ نظر رکھتا ہے اور اس کے کسی پہلو اور کسی گوشے کو نظر انداز نہیں کرتا، چنانچہ اسلام انسان کی مادی زندگی اور اس کی روحانی زندگی کو اپنے اندر سمو لیتا اور اس کے تمام اعمال و حرکات پر محیط ہو جاتا ہے۔

اسلام انسان کو بعینہ اس صورت میں مدِ نظر رکھتا ہے جس طرح اللہ سبحانہ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ نہ تو اس کی فطرت کے کسی پہلو کو تشنہ چھوڑتا ہے اور نہ اس کی فطرت کے ماسوا کوئی اور امر اس پر مسلط کرتا ہے۔ وہ انسانی فطرت کی بڑی باریکی کے ساتھ ترجمانی کرتا اور اس سے ابھرنے والے ہر جذبے اور میلان کو منضبط کرتا اور اس کے اخراج کا صحیح راستہ بناتا ہے۔

اسلام انسان کی فطرت کے تمام پہلوؤں کو اس طرح اظہار کا موقعہ دیتا ہے جیسے کوئی موسیقی نواز بربط کے تمام تاروں کو بیک وقت چھیڑ کر ایک خوبصورت مدھر تان چھیڑ دے!۔

## اسلام: دینِ فطرت

جب ہم اسلام کے تربیت کے ذرائع مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذرائع و وسائل کس طرح تمام انسانی زندگی کو محیط اور اس کی فطرت کے تمام پہلوؤں پر چھائے ہوئے ہیں کہ انسانی وجود کا کوئی پہلو اور کوئی گوشہ اس کے دائرۂ ہدایات سے خارج نہیں ہے۔ یہ دراصل اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری ہے اور یہ جامعیت اور ہمہ گیری اس بات کا مظہر ہے کہ یہ نظام خالقِ کائنات کی جانب سے ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ (الروم: ۳۰)

"اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔"

اسلام ہی دین فطرت ہے۔ اور دنیا کا کوئی نظام فطرت انسانی کو اس طرح مدنظر نہیں رکھتا جس طرح کہ اسلام رکھتا ہے۔ اسلام فطرت انسانی کو مہذب اور شائستہ بناتا اور اسے ایسی فکری علمی اور روحانی غذا فراہم کرتا ہے جس سے انسان سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔

## دنیاوی نظاموں کی جزئیت

ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا کسی اور نظام میں اس قدر باریکی اور اس قدر وسعت اور ہمہ گیری نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے سوا ہر نظام میں ہمہ گیری اور وسعت کے بجائے تحدید اور جزئیت ہے۔ اور یہ نظام انسان کے کسی ایک پہلو کو مدنظر رکھ کر صرف اسی کو نشوونما دیتے اور باقی تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں چنانچہ بعض نظام ایسے ہیں جو انسان کی زندگی کے صرف محسوس پہلوؤں کو تسلیم کرتے ہیں اور جو شئے انسانی احساسات کی گرفت میں آجائے وہ تو ان کے تصور کے مطابق دنیا میں موجود بھی ہے اہم بھی ہے اور قابلِ اعتنا بھی ہے۔ اس لیے زراعت صنعت و حرفت میں بڑی پیش رفت ہے اونچی عمارتیں اور بلند تنصیبات (Foundations) بنانے کا رجحان ترقی پر ہے اور مادی پیداوار پر انسان اپنی تمام توانائیاں صرف کرتا چلا جا رہا ہے۔ پھر انسان کے جسمانی اور مادی وجود کا ہر اہتمام موجود ہے اور ہر آسائش و سہولت مہیا کی جا رہی ہے۔ انسان کی غذا لباس اور رہائش میں خوب سے خوب ترکی تلاش جاری ہے اور جسم کی خواہشوں آرزوؤں اور امنگوں کی تکمیل جاری ہے۔

یہ سب کچھ ہے مگر انسان کا روحانی پہلو بالکلیہ نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہر اس

اس شئے کو چھوڑ دیا گیا ہے جو انسان کے احساسات کی گرفت میں نہیں آتی۔ اور اسی لیے ظاہر ہے اس مادی نظام میں عقیدے اور مذہب کی کوئی اہمیت نہیں اخلاق کریمانہ کی کوئی گنجائش نہیں اور زندگی کے کسی مقام پر زندگی کے خالق سے کوئی واسطہ نہیں!

اور کچھ نظام ایسے ہیں جو انسان کے صرف روحانی پہلو ہی کو قابل اعتبار گردانتے ہیں اور اس کے سوا ہر پہلو بے حقیقت، ہر حقیقت محض فریب اور ہر مادی شئے فریب نظر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ نظام رہبانیت کی تعلیم دیتے، عبادت و ریاضت کا پرچار کرتے اور انسان کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کے میلانات کو دبا کر اور اپنے جسم کی خواہشات کو کچل کر ہی روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس نفس کُشی اور مجاہدہ جسم کے بغیر روح مادی بندھنوں سے آزاد نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی وہ گندگیوں سے پاک ہو کر ملکوت کی سیر کے قابل ہو سکتی ہے۔

انسان رہبانیت کی ان تعلیمات پر عمل کر کے افکار کے بلند آفاق اور شعور کی ایک خیالی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر کبھی جسم کی پوشیدہ توانائیاں سر اٹھاتی ہیں تو انسان اس روحانی سفر سے یکلخت منکر ہو کر جسم کی لذتوں میں منہمک ہو جاتا ہے۔ اور اگر روحانی قوت انسان پر غلبہ پالیتی ہے تو وہ سلبیت اور بے عملی کا شکار ہو کر اس کی دنیاوی زندگی بے مصرف اور بے فائدہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اس میں یہ صلاحیت اور قوت باقی نہیں رہتی کہ وہ باطل اور ناروا امور کو دنیا سے مٹا سکے اور حق اور سچائی کا بول بالا کر سکے۔

اس لحاظ سے انسان کے زندگی گزارنے کا خالص مادی اور جسمانی طریقہ اور جسمانی خواہشات اور مادی ضرورتوں کو کچل کر صرف روحانی راستہ —— دونوں ہی صحیح راستے سے انحراف (Diversion) ہیں۔

جب کہ صاف سیدھا اور سچا راستہ یہ ہے کہ انسان اس منصب خلافت

کو انجام دے جس کے لیے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو اس کی فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۔ (البقرہ ۲: ۳۰)

"میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

اسلام مذکورہ انحرافات سے مبرّا ایک دینِ قویم ہے۔ اسلام انسان کے محسوسات کو بھی تسلیم کرتا ہے اور اس کے احساسات سے ماوراء امور کو بھی مدِّنظر رکھتا ہے۔ اسلام تسلیم کرتا ہے کہ انسان ایک مادّی اور ارضی مخلوق ہے۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۔ (ص: ۷۱)

"میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔"

اسلام انسان کے جسمانی محسوسات اور مادّی ضرورتوں کو نہ صرف یہ کہ مدِّنظر رکھتا ہے بلکہ ان احساسات کے ظہور کے مواقع فراہم کرتا اور ان ضرورتوں کی تکمیل کے اسباب مہیّا کرتا ہے اسلام انسان کی مادّی ضرورتوں اور جسمانی امنگوں کو بے وزن اور حقیر نہیں قرار دیتا بلکہ وہ خوراک لباس، رہائش اور جنس کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل سے لے کر انسان کی جملہ مادّی ضروریات کی تکمیل کے راستے بتلاتا ہے اور انسان کی قوتوں کو منظم کرکے انہیں دنیاوی زندگی کی تعمیر و ترقی اور تہذیب و تمدّن کے ارتقاء میں لگا دیتا ہے۔

اور اسی کے ساتھ ہی اسلام انسان کی روحانی قوّت کے پہلو کو بھی تسلیم کرتا ہے۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۔ (ص: ۷۲)

"پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔"

اسلام انسان کے روحانی وجود کی قوتوں اور ضرورتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے انسان کے عقیدے کی ضروریات کو پورا کرتا اور اس کے سامنے اعلیٰ

مثالیں اور رفعت (Sublimation) [1] کی بلند ترین منزلیں متعین کرتا ہے اور اس کی پوشیدہ قوتوں کو خود اپنے نفس کی اصلاح اور پھر سارے معاشرے کی اصلاح میں لگا دیتا ہے اور انسان کے سامنے یہ مقصد رکھتا ہے کہ وہ اپنا تعلق اللہ سے استوار کرکے اور اس کی وحی اور ہدایات سے مستفید ہو کر دنیا میں ازلی حقیقتوں عدل اور حق (سچائی) کو قائم کرے۔

غرض اسلام انسان کی فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ کیونکہ اسلام کی نظر میں انسانی وجود جو جسم، روح اور عقل کا مجموعہ ہے، ایک ایسا مرکب وجود ہے جس کے اجزا، نہیں ہو سکتے۔ اسلام کی نظر میں انسان صرف ایسے جسمانی وجود ہی کا نام نہیں ہے جس کا روح اور عقل سے کوئی تعلق نہ ہو، نہ یہ جسم اور عقل سے بے نیاز محض روح ہے اور جسم اور روح سے بے گانہ محض عقل ہے۔ بلکہ انسان ایک ایسا مرکب وجود ہے جس کے اجزاء باہم پیوست ہیں۔

بعض دنیاوی نظام ہائے حیات کے پیشِ نظر انسان کا کوئی ظاہری پہلو رہا ہے جس پر ان مختلف نظاموں کی اساس استوار ہے، جس کی بنا پر کسی کا مقصد جسم کی پرستش بن گیا، کسی نے عقل کو دیوتا مان لیا اور کسی نے روحانی پہلو کو حد درجہ اہمیت دے کر رہبانیت اور ترک دنیا کی تعلیمات اختیار کر لیں، غرض دنیا کے کسی بھی نظامِ حیات نے انسان کو پورے اور مکمل وجود کی صورت میں مدنظر نہیں رکھا ہے۔

---

[1] رِفعَت: (Sublimation) کا مطلب نفسیات کی زبان میں یہ ہے کہ فطری میلانات (Instinctive) کو شائستہ بنا کر معاشرے کے لیے قابلِ قبول بنا دیا جائے۔ جیسے تجسّس کا جذبہ تبدیل ہو کر تحقیق علوم کا شوق بن جائے۔ یا حملہ آور ہونے کا جذبہ بدل کر دشواریوں کو برداشت کرنے اور مشکلات پر قابو پانے کا ذریعہ بن جائے۔ اسی طرح جذبۂ جنسی کو تعمیری اور تخلیقی کاموں میں لگایا جا سکتا ہے۔ رفعت اگرچہ ایک لاشعوری عمل ہے مگر تدریجی ہے اور اس لحاظ سے شعوری ہے کہ اس عمل میں کچھ آئیڈیل (Ideals) کو مدنظر رکھ کر فطری میلانات کو کنٹرول کیا جاتا ہے بہر حال یہ دباؤ (Suppression) اور رجعت (Repression) سے بالکل علیحدہ اصطلاح ہے۔ (س۔ صدیقی)

جدید سائنسی تحقیقات کا بھی یہی سقم (Defect) ہے کہ انہوں نے بھی انسان کے بعض اجزا ءکو لے کر اس پر تحقیق و جستجو کی بنا رکھی ہے اور نتیجے کے طور پر انسان کو صرف جسم، یا روح یا عقل کے خانوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اس سے ان محققین کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ جس جزء کی انہوں نے تحقیق کی ہے وہی سارا انسان ہے۔ جب کہ حقیقت واقعی (Actual Fact) اس کے بالکل برخلاف ہے۔ بلاشبہ انسان پر بعض لمحے ایسے بھی آتے ہیں جو یا تو خالص جسمانی لمحات ہوتے ہیں یا خالص عقلی، یا خالص روحانی! جن سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ حد بندی قائم ہے اور انسان ان میں سے صرف کسی ایک پہلو کا حامل ہے۔ حالانکہ یہ لمحات جو انسان پر آتے ہیں یہ بھی بہ ظاہر ایک پہلو لیے ہوتے ہیں لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوتا۔

## انسانی تاریخ کا حیرت انگیز لمحہ

پوری انسانی تاریخ میں سب سے عجیب اور حیرت انگیز لمحہ وہ تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جس سے ساری روئے زمین تک منور ہو گئی ——— یہ لمحہ روحانی بھی خالص روحانی نہیں تھا۔ اس مرحلے میں آپؐ کی زبان مبارک حرکت کناں تھی، لب مبارک ہل رہے تھے اور دل میں یہ خیال گزر رہا تھا کہ آپؐ وحی کے ان کلمات کو محفوظ فرمالیں ——— گویا خالص ترین روحانی لمحات میں عقل اور جسم بھی اپنا عمل سرانجام دے رہے تھے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ۔

(القیامہ: ۱۶، ۱۷)

"اے نبیؐ، اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے"

اور جب انسان پر کوئی لمحۂ فکر یہ طاری ہوتا ہے وہ اپنے جسم اور اپنی روح سے غافل ہو جاتا ہے، مگر یہ فراموشی وقتی اور لمحاتی ہوتی ہے اور جوں ہی انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی اور اسے درد، بھوک یا پیاس کا احساس ہوتا ہے اسے فوراً اپنے اس

فراموش جسم کا احساس ہو جاتا ہے۔

اور جب انسان پر خالص جسمانی لمحے آتے ہیں تو انسانی عقل خوابیدہ ہو جاتی ہے اور جسم کی یہ لمحاتی لذت اور یہ وقتی سرور اس کی عقل پر چھا جاتا ہے۔ لیکن طعام و شراب کی یہ لذتیں اور کیف و سرور کی یہ ساعتیں ظاہری ہوتی ہیں اور جوں ہی کوئی فکرِ اندوہگیں اور تلخ یاد سر اٹھاتی ہے خوابیدہ عقل فوراً بیدار ہو جاتی ہے اور اسی لمحے انسان کے احساسات تبدیل ہو جاتے ہیں۔

بہرحال کسی ایک لمحے کے لیے انسان کے مشاعر پر کوئی ایک رنگ غالب آجاتا ہے اور انسان کا کوئی ایک پہلو نمایاں ہو جاتا ہے مگر یہ پہلو انسان کے پورے وجود سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ رنگ تا دیر قائم رہتا ہے۔

پھر جس طرح انسان کا اندرونی وجود باہم پیوست اور مربوط ہے اسی طرح اس کی خارج کی دنیا کے تمام اعمال بھی باہم منسلک ایک دوسرے سے پیوست اور باہمدگر مربوط ہوتے ہیں اور کوئی انسانی عمل دوسرے اعمال سے بالکلیہ جدا اور غیر مربوط نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر اور بسا اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے۔

حقیقی اور واقعی صورت حال یہ ہے کہ انسان کی مادی زندگی اس کی عقلی اور روحانی زندگی سے بالکلیہ جدا نہیں ہے اور نہ اس کے روحانی مشاعر اس کی واقعی مادی صورت حال سے منفصل ہیں اور نہ اس کی عقلی سوچ اس کی حقیقی زندگی کے متضاد ہے۔

ہر چند کہ انسانی وجود کی اصل حقیقت یہی ہے لیکن جس وقت انسان اپنی مادی عقلی یا روحانی کیفیت سے گزر رہا ہوتا ہے اس وقت اس کے وجود کا ایک پہلو غالب آجاتا ہے اور باقی پہلو اوجھل ہو جاتے ہیں ۔۔۔ مگر یہ پہلو منقطع ہرگز نہیں ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا نفسیاتی وجود بے حد لچکدار اور غیر معمولی طور پر متحرک ہے۔ اور یہ وجود کسی ایک صورت پر جم نہیں جاتا بلکہ لحظہ بلحظہ اس کے نفس کے اطوار تبدیل ہوتے رہتے ہیں، کبھی ایک پہلو ابھر آتا ہے اور دوسرا دب جاتا ہے اور کبھی ایک گوشہ نمایاں ہو جاتا ہے اور دوسرا اوجھل ہو جاتا ہے۔ مگر نفس

انسانی کی لچک کی بناء پر کسی پہلو اور کسی گوشے سے رابطہ منقطع نہیں ہوتا، جیسے انیبا اپنا ظاہری وجود تبدیل کرتا رہتا ہے لیکن حقیقتاً وہ وہی رہتا ہے۔

اگر کسی وقت کوئی نظریہ انسان کو یہ باور کرادے کہ اس کے وجود کا فلاں پہلو ہی غالب اور نمایاں ہے اور باقی پہلو کمزور بے اثر اور بے حقیقت ہیں، تو اس نظریئے کے زیر اثر تشکیل پانے والے نظام حیات میں رہتے ہوئے لوگوں کا یقیناً وہی پہلو نمایاں نظر آئے گا اور اس کے وجود کے باقی پہلو دب کر لاشعور کی تہ میں اتر جائینگے (Repressed) [1] مگر کبھی ختم نہیں ہوں گے اور کبھی اس کے وجود سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوں گے۔

مثلاً ایک نظریۂ حیات اگر یہ پرچار کرتا ہے کہ انسان کا نہ تو سرے سے کوئی روحانی وجود ہے اور نہ خدا ہے اور نہ مذہب، بس اگر کچھ ہے تو وہ صرف انسان کا مادی وجود، اس کی مادی ضرورتیں، مادی پیداوار اور مادی ترقی ہے۔ بلاشبہ اس نظریۂ حیات کے تسلیم کرنے والوں اور اس کے زیر سایہ زندگی گزارنے والوں کے وجود کا مادی پہلو بے حد نمایاں ہو جائے گا اور ان کے روحانی، وجدانی اور فکری پہلو کچلے (Repressed) جائیں گے اور بے اثر ہو کر لاشعور کی گہرائیوں میں اتر جائیں گے مگر کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اور اگر ختم ہو گئے تو وہ قوم بھی مٹ جائے گی، جیسا کہ تاریخ میں بعض اقوام کے ساتھ ایسا حادثہ پیش آیا ہے۔

---

[1] رجعت یا (Repression) کا مفہوم یہ ہے کہ جن فطری میلانات کا شعور کی سطح پر لانا غیر مہذب ہو وہ لاشعور کی تہ میں اتر جائیں۔ اس سے الجھنیں جنم لیتی ہیں۔ اور لاشعور کی دبی ہوئی یہ خواہشات شعور میں آکر گڑبڑ مچاتی ہیں۔

جیسے کسی بچے کو والدین بار بار یہ تاکید کریں کہ اپنی چھوٹی بہن سے پیار کرے اور اس سلسلے میں اسے سرزنش بھی کریں، تو وہ بظاہر اظہار محبت شروع کر دے گا لیکن اس کا جذبۂ رقابت (Jealous Feeling) اس کے لاشعور میں اتر جائے گا۔ لیکن بڑے ہو کر یہی جذبۂ رقابت، دوسروں کو ناراض کرنا، تنقید برداشت نہ کرنا، اور خود پر رحم کھانا جیسی باتوں میں تبدیل ہو جائیگا، اور فرسٹریشن کا سبب بنے گا۔
(س۔ صدیقی)

غرض ہروہ نظام جو انسان کے ایک پہلو کو خاص اہمیت دے کر اس کے باقی پہلوؤں کو نظر انداز کر دے وہ ایک سخت غلطی کا مرتکب ہوگا اور بالآخر اس نظام کے تحت زندگی گزارنے والوں کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔

## انسان کی مستقیم فطرت

اسلام جو روئے زمین پر کلمۃ الٰہی ہے وہ اس فاش غلطی سے مبرّا اور پاک ہے۔ اور اسلام نے جہاں ایک جانب انسان کی تنوع فطرت اور اس کے گوناگوں پہلوؤں کو تسلیم کیا ہے اور اس کی جسمانی مطالبات اور عقلی اور روحانی ضروریات کی تکمیل کی ہے وہیں اس کے مکمل مربوط اور ہم انسانی وجود کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ اور انسان کی مستقیم فطرت کو اس صراط مستقیم پر گامزن کر دیا ہے جو اللہ سبحانہ نے عین اس کی فطرت کے مطابق وضع فرمائی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب انسان اسلام کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق زندگی گزار رہا ہو تو اس کے نفس کے اندر جسم عقل اور روح کے خانے تقسیم اور جدا جدا نہیں ہوتے اور اس کی عملی زندگی بٹوارے کا شکار نہیں ہوتی بلکہ اس کا کامل وجود پوری ہم آہنگی توازن اور پیوستگی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔

بہرحال اصل حقیقت یہی ہے کہ روح عقل اور جسم مل کر ایک انسانی وجود کی تکمیل کرتے ہیں اور یہ عملی اور واقعی زندگی میں بھی ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کبھی ایک پہلو غالب آجاتا ہے اور دوسرا پہلو کچھ دیر کے لیے اوجھل ہو جاتا ہے مگر یہ پہلو کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر ہمارے جسم کے اندر ہاتھ بظاہر کام کرتا ہے، حرکت کرتا ہے اور چیزوں پر گرفت رکھتا ہے۔ مگر اس کا یہ عمل باقی تمام جسم سے جدا نہیں ہوتا بلکہ ہاتھ کے اس عمل کا تعلق انسان کے پورے جسم، خون رگوں اور پٹھوں سے ہوتا ہے۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے سارے جسم سے ہاتھ کا تعلق ختم ہو جائے تو ہاتھ کے اندر زندگی باقی نہ رہے اور فوراً اس کی قوت کار ختم ہو کر رہ جائے۔ اسی طرح انسانی

وجود کا ہر پہلو اپنی قوت اور اپنے وجود کے لیے باقی پہلوؤں کا محتاج ہے۔ اور ہر چند کہ بسا اوقات کوئی ایک پہلو باقی پہلوؤں سے علیحدہ اور جدا محسوس ہوتا ہے لیکن وہ فی الواقع جدا نہیں ہوتا بلکہ وہ درحقیقت مکمل طور پر باقی پہلوؤں سے پیوست[۱] و مربوط ہوتا ہے۔

اسلام انسان کی مجموعی ترکیب اور مکمل ساخت کو مدنظر اس کی فطرت سے ہم آہنگ نظام حیات دیتا ہے۔ اسلام ایک طرف انسانی وجود کو یہ مواقع فراہم کرتا ہے کہ اس کے وجود کے بعض پہلو ابھرتے اور اوجھل ہوتے رہیں، اور پھیلتے اور سکڑتے رہیں کوئی لمحہ عبادت کا ہو، کوئی گھڑی فکر و تفکر کی ہو، کوئی وقت عملی جدوجہد کا ہو اور کوئی ساعت جسمانی لذت و سرور کی ہو۔ مگر یہ سب لمحے اور ساعتیں ایک ارتباط اور ہم آہنگی کے ساتھ ہوں اور تمام پہلو ایک دوسرے سے مربوط اور متعاون رہیں اور یہ نہ ہو کہ ایک پہلو نمایاں ہو تو دوسرا پہلو کچلا جائے۔

اسلام میں ایسا نہیں ہے کہ جب لمحۂ عبادت آئے تو وہ صرف روح کی غیر مادی عالم پرواز ہو، بلکہ اسلام میں لمحۂ عبادت میں روح کی قوت کے نمایاں ہونے کے ساتھ جسم کی حرکت اور عقل کی پیش رفت بھی ہے۔ اور نماز سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نماز میں بیک وقت نمازی کا جسم عقل اور روح شامل ہوتے ہیں[۱]۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کی نظر میں انسان اگر اپنے خالق کی جانب متوجہ ہے اور اس کی رہنمائی حاصل کر رہا ہے تو اس کا ہر عمل عبادت ہے۔

اسلام تفکر کی گھڑی میں بھی انسان کو تنہا نہیں چھوڑتا بلکہ اس وقت بھی اس کا رشتہ اللہ سے استوار رہتا ہے یعنی انسان کی فکر اور روح میں ہم آہنگی برقرار رہتی ہے۔

بلکہ اسلام انسان کو جسمانی لذت و سرور کی گھڑیوں میں بھی بالکل تنہا نہیں رہنے دیتا اور اس وقت بھی اس کا تعلق اس کی روح سے برقرار رہتا ہے۔

---

[۱] ہماری تصنیف فی النفس والمجتمع کا باب العبادات الاسلامیہ ملاحظہ کیجیے۔

چنانچہ اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ انسان جب کھائے پیئے تو بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے حتیٰ کہ اگر کوئی شب باشی کے لیے اپنی بیوی کے پاس جائے تو بھی بسم اللہ پڑھے۔
روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"تمہارے اپنی بیویوں کے پاس جانے کے عمل میں بھی ثواب رکھا گیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ کیا ہماری اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل پر بھی ثواب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں، کیا اگر تم اس خواہش کی تکمیل حرام طریقے پر کرتے تو کیا گناہ نہ ہوتا، اسی طرح جب تم اس کی جائز طریقے پر تکمیل کرتے ہو تو اس پر ثواب بھی ہے۔" (مسلم)

اسلام، اقتصادی نظام، مادی پیداوار اور خالص دنیاوی تنظیمات کو بھی مکمل انسانی وجود سے جدا نہیں کرتا بلکہ وہ ان اداروں کو بھی اسی حقیقت کی اساس پر قائم کرتا ہے کہ انسانی فطرت متنوع پہلوؤں کی حامل مگر ایک مربوط وجود ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی اس کے بعض پہلو غالب اور نمایاں ہو جاتے ہیں۔

اسلام نے خالص دنیاوی اداروں مثلاً شادی، طلاق، میراث اور اقتصادی سرگرمیوں اور صلح و جنگ کے معاملات کو عقیدے کی اساس پر استوار کیا ہے اور سب کو عقل جسم اور روح کے ساتھ مربوط کر کے ہر ایک کے بارے میں ہدایات ربانی تبلائی ہیں اور ہر معاملے میں خشیت الٰہی اور تقویٰ کی تلقین کی ہے۔

عبادت تو جن و انس کی تخلیق کا مقصود اصلی ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (الذاریات: ۵۶)

"میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔"

مگر یہ عبادت انسانوں ہی کے فائدے کے لیے ہے کیونکہ یہ اللہ سبحانہٗ کی مہربانی اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے عبادت کو نفوس کی اصلاح اور دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ذریعہ بنا دیا اور مزید یہ احسان فرمایا کہ اس عبادت پر ثواب آخرت بھی مقرر فرمایا حالانکہ

خداوند قدوس کی ذات انسانوں کی عبادت کی قطعاً محتاج نہیں ہے۔ اگر کوئی ساری زندگی عبادت میں گزارے تو اللہ سبحانہٗ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں، اور اگر کوئی تمام عمر گناہ کرتا ہے تو اللہ جل شانہٗ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہٗ ہر شئے سے بے نیاز ہے۔[1]

مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۔

(الذاریات: ۵۷)

"میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔"

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (العنکبوت: ۶)

"جو شخص بھی مجاہدہ کرے گا اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا۔ اللہ یقیناً دنیا جہان والوں سے بے نیاز ہے۔"

## ہم آہنگی کے دو مقاصد

غرض اسلام انسانی نفس اور انسانی زندگی کے جسمانی، عقلی اور روحانی پہلوؤں کو باہم اس طرح متوازن اور ہم آہنگ بنا دیتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی پہلو معطل اور بے کار نہیں رہتا۔ اور اسلام اس توازن، ارتباط اور ہم آہنگی سے دو مقاصد حاصل کرتا ہے۔

پہلا مقصد تو یہ ہے کہ انسان اپنی تمام قوتوں اور جملہ صلاحیتوں کو استعمال کرے اور ان میں سے کوئی بھی قوت اور صلاحیت رائگاں نہ جائے۔

اللہ سبحانہٗ نے انسان میں بے اندازہ صلاحیتیں اور بے پناہ قوتیں ودیعت فرمائی ہیں اگر ان تمام صلاحیتوں کو کام میں نہ لایا جائے اور ان قوتوں کو بروئے کار نہ لایا جائے تو یہ اللہ سبحانہٗ کی بڑی ناشکری ہوگی۔

انسان میں زبردست قوت حیوانی پنہاں ہے اور اس قوت کو روئے زمین کی تعمیر و ترقی اور زمین کے اندر پوشیدہ خزائن کی تلاش میں صرف کیا جاتا ہے اور اس قوت

---

[1] ہماری تصنیف فی النفس والمجتمع کا باب العبادات الاسلامیہ ملاحظہ کیجیے۔

کو اس سرف میں لانا چاہیے کہ انسان زمین سے اللہ کا دیا ہوا رزق تلاش کرے اور اس قوت کو زندگی کی ترقی اور نشو و نما میں کھپائے اور ہر وقت ایک نئے معیار ترقی کے بروئے کار لانے میں لگا رہے۔

انسان میں اللہ سبحانہٗ نے روحانی قوت ودیعت فرمائی ہے جسے اللہ کی معرفت اور اس سے تعلق قائم کرنے میں لگانا چاہیے اور انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی اس روحانی قوت کے ذریعے اللہ سبحانہٗ کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق زندگی گزارے، خیر کو فروغ دے، انسانی بھائی چارہ استوار کرے اور مادی فلاح کو ساری انسانیت کی بہبود کے لیے صرف کرے۔

اللہ سبحانہٗ نے انسان کو قوت عقلی بخشی ہے جس کا مصرف یہ ہے کہ انسان کائنات کے اسرار سے آشنا ہو اور قوانین فطرت کو سمجھے اور یہ معلوم کرے کہ کائنات میں اور خود انسان کے وجود میں اللہ سبحانہٗ کے کون سے اصول کار فرما ہیں اور آفاق و انفس کی وسعتیں اور پنہائیاں کس قدر لامتناہی ہیں۔ اور پھر اس فکری عرفان کو اپنی انسانی زندگی کی تنظیم میں استعمال کرے اور اس ادراک کو سے خود کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے میں مدد لے۔

یہ انسان کی بڑی بدنصیبی ہوگی اگر وہ اپنے اندر پنہاں صلاحیتوں اور قوتوں سے ناآشنا رہے یا ان میں سے کسی صلاحیت کو فضول اور رائگاں جانے دے۔ بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے پورے اور مکمل وجود کا اظہار کرے۔ کہ وہ بیک وقت خدا کا عبادت گزار بندہ ہو اور اس کی بتائی ہوئی ہدایات پر چلنے والا ہو، اور وہ غور و فکر کرنے والا اور کائنات کے اسرار کو پہچاننے والا اور فطرت کے قوانین کو جاننے والا ہو اور وہ اپنی جسمانی قوت سے دنیاوی زندگی کو نشو و نما اور ترقی دینے والا ہو، غرض وہ اپنے وجود کے کسی پہلو کو معطل اور رائگاں نہ جانے دے بلکہ ہر پہلو سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے انسان کو اسی طرح ہمہ پہلو، ہمہ جہت اور متعدد قوتوں اور صلاحیتوں والا

بنا کر تخلیق فرمایا ہے اور اسی بنا پر اسے کارِ خلافت کی انجام دہی کے لیے مامور فرمایا ہے۔

انسان کے اس طرح اپنے تمام وجود کو بروئے کار لانے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی خوب اُبلنے اور بہنے والا چشمہ ہو، اس میں اگر آپ پانی نکلنے کے مزید راستے بنا دیں تو وہ اور زیادہ اُبلنے لگے اور زیادہ فراوانی سے پانی دینے لگے۔

اسلام کی بتائی ہوئی واقعی اور عملی زندگی انسان کے اس منفرد اور انوکھے مظہر (Phenomenon) کی صحیح نشاندہی کرتی ہے کہ اسلام کے مطابق بسر ہونے والی زندگی ہمہ پہلو اور ہمہ جہت ہوتی ہے علما بھی ہوتے ہیں اور قائد بھی اور تنظیم بھی ہوتی ہے اور تہذیب بھی مگر آپ یہ محسوس نہیں کریں گے کہ مسلمانوں کی مادی اور دنیاوی سرگرمیاں عبادت الٰہی میں حارج رہی ہیں، یا وہ عبادت میں منہمک ہو کر روئے زمین کی سیاحی اور اس کی تعمیر و ترقی سے غافل ہو گئے تھے۔ یا عبادت و ریاضت اور مادی سرگرمیوں نے انہیں فکر کی جولان گاہوں کو فتح کرنے سے باز رکھا ہوا تھا ____ وہی تو تھے جنہوں نے سائنس کے تجرباتی طریقے کو دریافت کیا تھا، جس کا اعتراف گب اور دیگر مستشرقین کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسان کے اپنی قوتوں کے استعمال سے اس کے نفس اور اس کی واقعی اور عملی زندگی (Actual And practical life) میں ایک توازن (Equilibrium) پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ توازن انسان کی تمام سرگرمیوں پر محیط اور "انسان صالح" کی ایک امتیازی خصوصیت ہوتا ہے۔

جسم عقل اور روح کی قوتوں کے مابین توازن، انسان کی مادی زندگی اور معنوی زندگی کے درمیان توازن، انسان کی ضرورتوں اور اس کی امنگوں میں توازن، اس کے خیالات اور اس کی واقعی زندگی میں توازن، محسوسات پر یقین اور غیب پر ایمان میں توازن، جذبۂ انفرادیت (Individual instinct) اور اجتماعی جبلت (Collective instinct) میں توازن، اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی میں توازن، غرض زندگی کے ہر پہلو میں توازن!

## غرض ہر شے میں اعتدال اور ہر سرگرمی میں توازن!

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔ (البقرہ: ۱۴۳)

"اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امت وَسَط بنایا ہے۔"

## توازن اور اعتدال: تمام کائنات کی خصوصیات

یہ ہمہ جہتی توازن اور اعتدال دراصل صرف انسان ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہ تمام کائنات کی خصوصیت ہے۔ اور اسی توازن کی بنا پر کائنات میں اپنی اس قدر وسعت کے باوجود کہیں کوئی خلل اور نقص نظر نہیں آتا۔

اور یہ توازن اس انسان صالح کی خصوصیت ہے جو خالق کائنات اور خالق انسان کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارتا اور روئے زمین پر خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے۔

اور اس ہمہ پہلو اور ہمہ جہت (Dimension) انسانی زندگی میں توازن حاصل کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے بلکہ یہ تمام زندگی کی جدوجہد اور ہر لحظے اور لمحے کی کشاکش سے نبرد آزمائی ہے ــــ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی ضرورتوں کے غلبے اور شدت اور شوق کی فراوانیوں کے درمیان ہم آہنگی کی سعی کرنی پڑتی ہے، لازمی امور اور ممکن امور میں توفیق پیدا کرنی ہوتی ہے اور انفرادی ضروریات اور اجتماعی حاجتوں میں تطبیق دینی ہوتی ہے، فوری فوائد کی حامل سعی میں مطابقت قائم کرنی پڑتی ہے اور لمحۂ موجود (Instant moment) فرد، نسل اور ہمہ وقت، تمام افراد اور جملہ نسلوں کے درمیان ارتباط پیدا کرنا ہوتا ہے ــــ بہرحال یہ ایک جہد مسلسل ہے جو تمام زندگی جاری رہتی ہے۔

مگر یہ ایسا مقصد ہے جس کے حصول کے لیے یہ تمام کاوش ناگزیر ہے تاکہ انسان سلامتی، امن و سعادت اور مادی اور معنوی زندگی کی مطلوبہ افزائش و ترقی حاصل کر سکے۔

کیونکہ انسان زندگی میں جس کسی برائی سے دوچار ہوتا ہے، جو پریشانی اور

اضطراب آتی ہے، جو فساد اور ابتری پھیلتی ہے اور جو بدنصیبی و بدبختی اس کی زندگی پر چھا جاتی ہے۔ اس کی واحد وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کے نفس کے اندر کا توازن ختم ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کی واقعی زندگی میں توازن باقی نہیں رہتا۔

جب انسان پر مال کی محبت، جنسی شہوت، اور اقتدار کی خواہش یا کوئی اور نفسانی خواہش غلبہ پا لیتی ہے تو در اصل اس کی وجہ اس کی ذات کے اندر پایا جانے والا اختلال (Defect) ہوتا ہے جو اس کو بے چین کر دیتا ہے، اگرچہ ابتداءً اسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ خوش بخت ہے کہ اس نے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا ہے اور اپنے اس مقصود کو حاصل کر کے اسے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا ہے ـــــ لیکن درحقیقت وہ ایک بدبختی، بے چینی اور اضطراب سے دوچار ہوتا ہے جو لحظہ بلحظہ بڑھتی جاتی ہے اور اس حد سے بڑھی ہوئی نفسانی خواہش عملی زندگی بھی اضطرب اور اختلال سے خالی نہیں رہتی، بلکہ اس اختلال سے معاشرے کے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں اور اس کی زندگی کا اختلال اور اضطراب اجتماعی زندگی میں ظلم اور سرکشی کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

اور جب انسان اپنے وجود کے اندر پوشیدہ قوتوں میں سے کسی ایک قوت کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور باقی قوتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے تو یہ بھی اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کی ذات کے اندر اختلال ہوتا ہے جو اس کی عملی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص اپنی جسمانی قوت کو حد سے زیادہ بڑھا لے، یا اپنی قوت عقلی کو بڑھا کر کسی خیالی محل میں مقیم ہو جائے، یا روحانی قوت میں توانائی پیدا کر کے ملکوتِ روحانی کی سیر کرتا ہے اور عمل کی زندگی سے بالکلیہ دور ہو جائے۔ تو ایسا انسان فرد ہونے کے باوجود غیر متوازن ہو جائے گا اور اس کی زندگی عدم توازن کی بنا پر خوشی اور شادکامی سے عاری ہو جائے گی۔

اور اجتماعی لحاظ سے بھی اگر کوئی معاشرہ ایسی کوئی روش اپنا لے تو اس کی اجتماعی

زندگی میں توازن اور ارتباط پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک سماج کی تمام تر تگ و دو کا مقصد مادی نعمتوں اور حیوانی لذتوں کا حصول ہو جائے تو وہ معاشرہ فساد، ابتری اور اضطراب سے دوچار ہو جاتا ہے۔ جیسے فرانس کا معاشرہ اس تباہی کا شکار ہوا۔

اور اگر کوئی سوسائٹی دنیا کی عملی زندگی سے کٹ کر صرف عقلی موشگافیوں اور فلسفیانہ کاوشوں میں اُلجھ کر رہ جائے تو وہ بھی زوال سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔ جیسے آخری دو صدیوں میں یورپ بدترین اضطرابات سے دوچار رہا اور بالآخر فلسفۂ مثالیہ کے ردِعمل کے طور پر اسے سوشلزم کو قبول کرنا پڑا کہ قوم کے مفکرین جس وقت فلسفے کی گتھیاں سلجھا رہے تھے، اس وقت قوم بھوک محرومی اور ذلت سے دوچار تھی۔

اور اگر کوئی قوم صرف روحانی قوتوں پر انحصار کیے ہوئے بیٹھی ہو اور دھیان گیان ہی میں اس کی تمام تر صلاحیتیں صرف ہو رہی ہوں، اسے بھی بالآخر زوال آشنا ہونا پڑتا ہے۔ جیسے ہندو اور چینی پسماندگی، بے مائگی اور بلا ارزانی سے دوچار رہے یہاں تک کہ انہوں نے اس روحانیت محض کی سرگردانی سے پیچھا چھڑا کر از سرِ نو عملی زندگی میں قدم رکھا۔

اسی لیے اسلام میں توازن اور اعتدال ایک ایسا بنیادی ہدف (Target) ہے، جس کے لیے اسلام انسان کی پیدائش ہی سے سعی شروع کر دیتا ہے اور زندگی کے تمام نشوونما کے مراحل میں اس کے حصول کے لیے راہنمائی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اور انسان کی جملہ صلاحیتوں کو بیک وقت نشوونما دیتا ہے۔ تاکہ انسان اسلام کی راہنمائی میں صحیح وسائل اور مناسب ذرائع اختیار کر کے توازن اور اعتدال کے اصل مقصد کو حاصل کر لے۔

## مثبت اندازِ فکر

اسلام کے منہاجِ تربیت اور اس کے زیرِ اثر تربیت پانے والے انسانِ صالح کی ایک نمایاں خصوصیت مستقیم اور مثبت اندازِ فکر بھی ہے جو دراصل نتیجہ ہے اس توازن، اعتدال اور ہم آہنگی کا جو اسلامی نظام میں پائی جاتی ہے اور جو اسلام اپنے پیروکاروں میں

پیدا کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی وجود میں مختلف اور متضاد صلاحیتیں پائی جاتی ہیں جن میں سے کچھ صلاحیتیں مثبت ہوتی ہیں اور کچھ منفی ہوتی ہیں۔ اگر ان تمام صلاحیتوں کو بغیر کسی راہنمائی کے چھوڑ دیا جائے تو یا تو یہ اپنے اپنے طور پر بڑھتی اور پھیلتی رہیں گی یا ان کا نشو ونما بالکل ہی رُک جائے گا اور یہ صلاحیتیں ٹھٹھر کر رہ جائیں گی جس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہوگا کہ انسان کے داخلی وجود اور اس کی خارجی زندگی کا توازن بگڑ کر رہ جائے گا اور دوسری طرف یہ ہوگا کہ انسان کی کبھی منفی صلاحیتیں بروئے کار آئیں گی اور کبھی مثبت صلاحیتوں کا اظہار ہوگا، اور اس طرح انسان ایک مستقیم منہاج پر قائم نہیں رہ سکے گا اور نہ وہ اس قابل رہے گا کہ کسی اعلیٰ تر مقصد کے حصول کے لیے جد وجہد کرے۔

جب کہ اللہ سبحانہٗ کی منشا یہ ہے کہ انسان ایسی فعال قوت ارادی کا مالک ہو جو اسے لے کر آگے بڑھے اور انسان مادی قوتوں پر غلبہ حاصل کرلے اور پوری کائنات پر غلبہ حاصل کرلے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔

(الجاثیہ ۴۵: ۱۳)

"اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، سب کچھ اپنے پاس سے۔"

اور اس قوت کے ذریعے انسان اپنی عملی اور واقعی زندگی میں انقلاب برپا کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (الرعد: ۱۱)

"اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدلتا۔"

یہ ایسی زبردست قوت ہے جس کے بل بوتے پر انسان اپنی واقعی اور عملی زندگی کو منہاج اسلامی کے مطابق ڈھال دیتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اسلام انسان میں یہ زبردست مثبت قوت پیدا کرتا ہے مگر اس میں سرکشی اور طغیان نہیں ہوتا — کیونکہ طغیان خواہ کسی بھی قسم کا ہو وہ انسان کو تنزل کی طرف لے جاتا ہے۔

ایک تو انسان خود اپنے اوپر ظلم و زیادتی کرتا ہے کہ اپنی کچھ صلاحیتوں کو کچل دیتا ہے تاکہ بعض دوسری صلاحیتیں ابھر آئیں، اپنی جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کو ابھارنے کے لیے اپنی روحانی قوت کو دبا دیتا ہے یا اپنے مادی پہلوؤں کو ابھارنے کے لیے اپنے معنوی پہلوؤں کو کچل دیتا ہے۔

اور انسان دوسروں پر بھی زیادتی اور ظلم کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے حقوق حاصل کرنا چاہتا ہے جو وہ دوسروں کو دینا نہیں چاہتا۔ فرد ہو یا قوم، جب انسان دوسرے انسانوں پر ظلم کرتا ہے تو وہ دوسروں کو غلام بنا لیتا ہے اور ان کو اپنے اقتدار کے سامنے جھکا لیتا ہے اور ان سے ان کی عزتِ نفس اور خودداری چھین لیتا ہے۔ اپنی طرف سے اس پر اپنے حقوق واجب اور اس پر اس کے فرائض لازم کرتا ہے۔ اور اسے کوئی پروا نہیں ہوتی کہ اس کی اس روش سے معاشرہ پراگندگی اور انتشار سے دوچار ہوتا ہے۔

یہ صورت حال اس مثبت طرز عمل سے پیدا ہوتی ہے جس میں خلل پیدا ہو گیا ہو۔ اور اس کے بالمقابل منفی طرز فکر بھی ہوتا ہے جس میں منفی سوچ رکھنے والا انسان اپنی خواہشوں کی تکمیل میں لگ جاتا ہے اور اس میں ضبط کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔

اور اس منفی انداز فکر کا اظہار مادی قوتوں اور اقتصادی اور اجتماعی قوتوں کے بالمقابل بھی ہوتا ہے اور یہ اندازِ فکر عادات اور رسوم و رواج سے بھی متصادم

ہوتا ہے اور اس اندازِ فکر کا حامل شخص چاہتا ہے کہ سماج کی زنجیروں کو توڑ کر آزاد ہو جائے مگر اس عمل میں وہ خود اپنے نفسیاتی وجود کو تباہ کر لیتا اور اپنی ضبط کی صلاحیتوں کو ناکارہ بنا لیتا ہے۔

بہر حال بے شمار مثبت انداز اور منفی انداز دونوں ہی ایسے اختلال ہیں جو غلط تربیت اور غلط راہنمائی سے پیدا ہوتے ہیں اور اس صورت میں پیدا ہوتے ہیں جب نفس کے بعض پہلوؤں پر زیادہ توجہ دی جائے اور بعض دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جائے مثلاً یہ کہ انفرادی جذبہ (Individual Instinct) یا اجتماعی جبلت (Collective Instinct) پر بہت زیادہ زور دیا جائے، یا انسانی وجود کے مادی پہلو یا روحانی پہلو کی زیادہ ترجمانی کی جائے تو اس عمل کے نتیجے میں یا تو خلل پذیر مثبت پہلو ابھرے گا یا منفی قوت ابھرے گی۔

جب کہ اسلام انسانی وجود کے تمام پہلوؤں میں توازن پیدا کر کے اس کے اندر مثبت فعال قوت پیدا کرتا ہے۔

## مثالی واقعیت

مثالی واقعیت (Ideal Actualism) بھی اسلامی نظام کی خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت اسلام انسانی وجود کے اندر بھی پیدا کرتا ہے۔

اسلام انسانی وجود کو اس کی واقعی ضرورتوں اور قوتوں کے ساتھ مدنظر رکھتا ہے اور یہ امر بھی سامنے رکھتا ہے کہ انسان میں دلکش اشیاء سے دور رہنے اور باز رہنے کی کس قدر صلاحیت موجود ہے اور اس میں تکالیف برداشت کرنے اور ذمے داریوں کا بوجھ اٹھانے کی کتنی قوت موجود ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶)

"اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔"

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (التغابن: ۱۶)

"جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔"

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِیْنَ وَ الْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ۔ (آلِ عمران: ۱۴)

"لوگوں کے لیے مرغوبات نفس — عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمین — بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔"

یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔

(النساء: ۲۸)

"اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"

اسلام چونکہ انسان کی فطرت سے آشنا ہے اس لیے اسلام نے انسان پر ایسے فرائض اور ذمے داریاں عائد نہیں کی ہیں جن کی تکمیل سے انسان عاجز ہو۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔

(الحج: ۷۸)

"اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔"

بلکہ اسلام نے انسان پر جو ذمے داریاں عائد کی ہوں وہ اس کی طاقت کی حدود میں ہیں، اور اسلام ساتھ ہی انسان کی کمزور فطرت کی راہنمائی کرتا اور انسان کو ترقی اور ارتقار کی راہیں سجھاتا ہے۔

انسان کی سب سے نمایاں خصوصیت یہی ہے کہ اس میں صعود و رفعت (Sublimation) کی صلاحیت ہمہ وقت موجود رہتی ہے۔ وہ اپنے وجود سے بلند ہونا چاہتا ہے اور اپنی واقعی زندگی میں رفعت حاصل کر کے درجۂ کمال اور مثال (Ideal) کو پہنچنا چاہتا ہے — ہو سکتا ہے کہ وہ ہر مرتبہ رفعت حاصل نہ کر پائے یا کسی بھی مرتبہ نہ کر پائے لیکن بہر حال وہ اس کی جدوجہد کرتا رہتا ہے۔

انسان پر بعض لمحات ایسے بھی آتے ہیں کہ جن میں انسان اپنے گرد پھیلی ہوئی مادی قوتوں پر فتح حاصل کر لیتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اندر پوشیدہ صلاحیتوں کا پورا پورا عرفان حاصل کر کے خالق کی منشاء کے مطابق اپنے وجود کا اظہار کرتا ہے۔ یہ لمحے اگرچہ مثالی ہوتے ہیں مگر اس کی زندگی میں واقعی اور عملی بن جاتے ہیں۔

غرض اسلام انسانی فطرت کی محدود صلاحیتوں اور اس کی کمزوریوں کو مدِ نظر رکھتا ہے۔ مگر انسان کے اندر پوشیدہ اس قوت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا جس کے بل پر انسان مثال کو حقیقت کا روپ دے دیتا ہے۔ اسی لیے اسلامی منہاج جہاں واقعیت اور حقیقت پر مشتمل ہے وہاں اس میں جا بجا بلند اور رفیع مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اور ایسی مثالیت بھی نظر آتی ہے جو واقعی اور حقیقی زندگی سے جدا نہیں ہوتی۔

اسلامی منہاج کی نمایاں ترین خصوصیات اوپر مذکور ہوئی ہیں اور یہ خصوصیات اس "انسان صالح" کی بھی ہیں جو اسلام وجود میں لاتا ہے۔ غرض اسلامی منہاج اور انسان صالح کی خصوصیات حسب ذیل ہیں، اور آئندہ ابواب میں انہی خصوصیات پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔

- جامعیت و کمال۔
- توازن و اعتدال۔
- مستقیم ایجابیت۔
- واقعی مثالیت۔

باب سوم

# منہاج عبادت

اسلامی نظام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ نظام عبادت ہے۔ مگر اسلام میں عبادت کے معنی محض چند مذہبی رسوم کی ادائیگی کے نہیں ہیں، بلکہ اسلام میں عبادت کے معنی بڑے وسیع اور جامع ہیں۔ اسلام میں دراصل تعلق باللہ کا نام عبادت ہے۔

اور اسی تعلق باللہ پر اسلام کا نظام تربیت استوار ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور تمام اعمال عبادت دراصل راستے میں ٹھہرنے اور ازسر نو تیار ہو کر سفر جاری رکھنے کے "مقامات" ہیں جب کہ فی الحقیقت سارا کا سارا سفر ہی عبادت ہے اور دورانِ سفر واقع ہونے والے اعمال، راہ میں پیش آنے والی قربانیاں اور اس راہ کا تمام فکر اور شعور عبادت ہے۔ بشرطیکہ اس سفر کا مقصد وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچنا) ہو، اور سالک راہِ حق نہ صرف یہ کہ زبان سے اللہ سبحانہٗ کی وحدانیت اور اس کے معبودِ برحق ہونے اور محمدؐ کے خدا کے فرستادہ ہونے کا اقرار کرتا ہے بلکہ اس نے اپنی تمام زندگی اسی اساس پر استوار کر لی ہو۔

اس لحاظ سے اسلام میں عبادت کا مفہوم انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے اور یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (الذاریات: ۵۶)

"میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔"

اسلام کی نظر میں عبادت ان چند لمحات کا نام نہیں ہے جو نفس کے اوراق پر جھلملا کر یا شعور کائنات پر ایک جھلک دکھا کر غائب ہو جائیں اور دنیائے واقع اور عملی

زندگی میں اس کے اثرات مرتب نہ ہوں۔

بلکہ اسلام کی نظر میں عبادت تمام زندگی کا منہاج ہے اور اس عبادت کی اس وقت قیمت اور اہمیت ہے جب یہ فکر و عمل اور شعور پر چھا جائے اور ایک واضح منہاج پر استوار ہو جس سے انسان کو اپنے افعال کے موزوں اور ناموزوں ہونے کا امتیاز ہو سکے۔

ان تمام امور کا مرجع ذات الٰہی ہے اور اللہ کا بنایا ہوا دستور ہی دستورِ حیات ہے جو قلب کی گہرائیوں اور فکر و شعور کی وسعتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اور تعلق باللہ ہی وہ واحد اساس ہے جو انسان کو اللہ کی جانب متوجہ رکھتی ہے اور جو اسلام کے نظام تربیت کی بنیاد ہے۔ اور اسلام اس مقصد کے حصول کے لیے تمام ذرائع اور وسائل استعمال کرتا ہے اور انسانی روح کی خصوصی تربیت کرتا ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

یہاں پر ہم اسلام کے نظام تربیت کی چند ایسی خصوصیات بیان کر رہے ہیں جو اسلام کو دوسرے نظاموں پر فوقیت اور امتیاز عطا کرتی ہیں۔

دنیا کے بعض نظام تربیت انسان کا تعلق ایک قطعۂ زمین سے قائم کرتے ہیں، بعض کسی شخصیت سے اور بعض کسی دیومالائی کہانی سے ربط قائم کرتے ہیں۔ اور بعد ازاں سارا نظام تربیت انہی قواعد پر تعمیر ہوتا ہے اور انسانی عمل اور فکر و شعور سب اسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں، اور ان قواعد کی بنیاد پر انسان میں چند "خوبیاں" پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک محدود اور مخصوص دائرے میں مفید اور مؤثر ہوتی ہیں، اور ان میں ایک گونہ سچائی بھی ہوتی ہے مگر چونکہ یہ مقامی ہوتی ہیں اس لیے انسانیت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔

مثلاً مغرب کے وضع کردہ نظام ہائے تربیت میں زیادہ اہم انگلستان کا تربیتی نظام متصور ہوتا ہے کہ اس نظام کے تحت وہاں کے باشندوں میں کئی ایک نادر اور بے مثال خوبیاں پیدا ہو گئی ہیں، جیسے وہ چوری نہیں کرتے، لوٹ مار نہیں کرتے،

جھوٹ نہیں بولتے اور دھوکہ نہیں دیتے، نیز ان میں باہمی تعاون ہے، مفادِ عام کا شعور موجود ہے اور وہ پبلک کے مفاد کی خاطر اپنی ذات کے مفاد کو قربان کر دیتے ہیں۔

مگر انگریزوں کی یہ ساری خوبیاں، ان کے یہ بہترین اخلاق اور ان کے یہ قومی محاسن برطانوی قومیت کے تنگ دائرے میں محدود ہیں، اور جوں ہی وہ انگلستان کی سرزمین سے باہر نکلتے ہیں وہ بالکل بدلے ہوئے انسان بن جاتے ہیں کیونکہ وطن پرستی کے جس بُت کی پرستش پر ان کے نظامِ تربیت کی اساس قائم ہے وہ بُت برطانیہ ہی میں رہ گیا ہے، اور اب انگریز وہ انگریز نہیں رہا جو وہ انگلستان میں تھا، اب وہ ایک خود پسند، لالچی، عیار، فریبی، جھوٹا، دغاباز اور لٹیرا اور راہزن ہے اور اب وہ اپنی ذات کے فائدے کے لیے ضمیر کا گلا گھونٹ دیتا ہے اور انسانی قدروں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انگریز میں انگلستان سے باہر نکل کر کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ اب بھی اپنے اسی وطن کے بُت کو پوج رہا ہے جس کی پرستش کی اس کو تربیت دی گئی ہے۔ اسے کبھی انسانیت کے اصولوں پر تربیت دی ہی نہیں گئی جو وہ انسانیت کے لیے خلوص مجسم بنے اور نہ اس کا خالقِ انسانیت کے ساتھ کوئی رشتہ استوار ہوا کہ وہ اللہ کے بندوں پر رحم کھائے۔

یہ مثال قطعی طور پر واضح کرتی ہے کہ اسلامی تربیت کے منہاج میں اور غیر اسلامی نظام ہائے تربیت میں کس قدر فرق ہے۔ اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے انسان کی تربیت کے نظام کی اساس عبادتِ الٰہی پر کیوں قائم کی ہے اور کیوں انسان کو تعلق باللہ کے دائمی رشتے میں مربوط کر دیا ہے۔

## فلاحِ انسانی کی واقعی ضمانت

اس روئے زمین پر حقیقی خیر اور فلاحِ انسانی کی واقعی ضمانت اس وقت میسر آسکتی ہے جب انسانی قلب اور اللہ سبحانہٗ کے درمیان ایک مضبوط پائدار

اور زندہ رشتہ استوار ہو۔ اور اسی صورت میں یہ ضمانت بھی مل سکتی ہے کہ دنیا میں تمام انسانوں کے اپنے خالق سے ارتباط سے حق اور عدل قائم ہو جائیں اور تمام انسان باہمی انسانیت کا رشتہ محسوس کریں۔

اسلام چونکہ اس حقیقت سے آشنا ہے اس لیے اس نے عبادت الٰہی کو نظامِ تربیت کی اساس اور تمام نظامِ زندگی کا محور بنایا ہے۔

اسلام انسان کو تربیت دیتا ہے کہ لمحہ اور لحظہ اس کا اللہ سے تعلق برقرار رہے اس کا تعامل اللہ کے ساتھ ہو، اس میں خشیت الٰہی، اللہ کی محبت اور اس کے بتائے ہوئے منہاج زندگی کی جانب رجوع کا جذبہ موجود ہو، خواہ وہ اپنی خلوت میں ہو یا اپنے ہم جنس انسانوں کے ساتھ ہو، عبادت میں مصروف ہو یا عملی جدوجہد میں لگا ہوا ہو، صنعت و تجارت میں مصروف ہو یا کار سیاست انجام دے رہا ہو صلح و آشتی کے لمحات میں ہو یا نزاع اور جنگ کے اوقات میں۔

بہر حال اسلام میں عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ عابد کی پوری زندگی اور اس کے تمام اعمال پر خشیت الٰہی محیط ہو، اس کا اللہ سبحانہٗ سے مسلسل تعلق قائم رہے اور وہ اللہ کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق عملی زندگی گزارے۔

عبادت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ انسان تارک الدنیا زاہد بن جائے اور رہبانیت اختیار کر لے۔ اور عبادت کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ انسان بڑی عاجزی اور نیازی سے پنجگانہ ادا کر لے اور جب نماز پڑھ چکے تو پھر پہلے ہی کی طرح کا لالچی، خود غرض اور ظالم انسان بن کر باہر آ جائے، وہ بارِ امانت کے اٹھانے اور نصرت حق کرنے پر قادر نہ ہو۔ اس انسان کا بھی اللہ سے رشتہ استوار نہیں ہوا یہ بھی تعلق باللہ کی منزل میں داخل نہیں ہوا، یہ تعلق باللہ کی منزل کا مسافر نہیں ہے بلکہ یہ راستے میں سائے میں بیٹھ کر آرام کرنے والا ہے۔

عبادت تو وصول الی اللہ کی جانب مسلسل سفر ہے اور بغیر رکے ہوئے چلنا ہے اس طرح کہ راستے میں عبادات کے مقام پر ٹھہر کر سالک راہِ حق کچھ زادِ راہ

حاصل کرلے، سفر کی تیاری کرلے اور آگے چل پڑے۔

اسلام سالکِ حق کے قلب کے اطمینان کے لیے بھرپور روحانی غذا فراہم کرتا ہے اور ہر ہر موقعہ پر سالک کی راہنمائی کرتا ہے، اس کی تنہائیوں میں اس کے فکر اور شعور کو جلا دیتا ہے، اس کی دنیائے عمل میں راہنمائی کرتا ہے اور اجتماعی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کو واضح اصول عطا کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی تاریک راہوں میں روشنی کرتا ہے تاکہ وہ ڈگمگا نہ جائے اور پھسل نہ جائے اور اگر گر بھی جائے تو پھر مٹی جھاڑ کر کھڑا ہو جائے اور اس روشنی میں چلنا شروع ہو جائے جو روشنی اس کے اندھیاروں میں اجالے بکھیر رہی ہے۔ غرض اگر انسان کا قلب اللہ سبحانہٗ کی جانب ہمہ وقت متوجہ ہے تو اس کی زندگی کا سارا عمل عبادات ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (البقرہ ۲: ۱۷۷)

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر مسکینوں اور مسافروں پر مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ نماز

قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

یہ وہ منہاج عبادت ہے جو اسلام نے متعین کیا ہے اور جس پر تربیت کی اساس قائم کی ہے اور جس میں صدق، تقویٰ اور اللہ سبحانہٗ سے دائمی اور مسلسل تعلق کی شرط عائد کی ہے۔

اب آئندہ یہ بیان ہو گا کہ اسلام نے قلب انسانی کا رشتہ اللہ سبحانہٗ سے قائم کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔

---

# باب چہارم

## روحانی تربیت

روح ایک مبہم اور غیر واضح حقیقت ہے اور اسی ابہام اور اس کے حقیقت کا ادراک حاصل نہ ہونے کی بنا پر دورِ جدید کے مادہ پرستوں نے روح کو بالکلیہ حساب سے خارج کر کے نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ ان کے یہاں جو شئے غیر محسوس ہے وہ غیر موجود ہے، چونکہ روح بھی انسانی حواس کی گرفت سے باہر ہے اس لیے وہ بھی غیر موجود شئے ہے۔

مگر دوس ہکسلے[1] باوجودیکہ مذہب پر ایمان نہیں رکھتا وہ مادہ پرستوں کی روح کے بارے میں اس رائے کا مخالف ہے اور وہ کہتا ہے کہ

"اس حقیقت سے پہلوتہی کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کہ بعض انسانوں میں حواس کی حدود سے باہر ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ نامعلوم شئے کا پتہ لگا سکتے ہیں، اور ہمارا اس طریقے سے ناآشنا ہونا اس کے وجود سے انکار کا جواز فراہم نہیں کرتا، یہ بس ایسا ہی ہے جیسے ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ انسان جب کسی شئے کا ادراک کرتا یا کسی شئے کو یاد کرتا ہے تو اس ادراک اور یاد کرنے کا عمل ذہن انسانی میں کس طرح انجام پاتا ہے — لیکن کیا کوئی اِدراک اور تذکر سے انکار کر سکتا ہے۔ اسی طرح ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ انسان حواس سے ماوراء امور کا کس طرح ادراک کر لیتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے۔"

---

[1] تھامس ہنری ہکسلے (Huxley) ۱۸۲۵—۹۵ انگریز ماہر طبیعیات، ڈارون کا رفیق اور متبع، فلسفے میں ہیوم کے نقش قدم پر چلنے والا اور حیاتیات، نسلیات اور تشریح الاعضاء پر متعدد کتابوں کا مصنف۔ (س۔ صدیقی)

اگرچہ ہکسلے کا یہ اعتراف جزوی ہے کہ وہ حواس سے ماورا، ادراک (Perception) کو صرف بعض لوگوں تک محدود کرتا ہے اور اس روحانی قوت کو اصل انسانی قوت تسلیم نہیں کرتا، لیکن یہ اعتراف اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ دنیائے مغرب کے ایک ایسے منکر کی جانب سے ہے جو مذہب پر ایمان نہیں رکھتا اور اس لحاظ سے اس اعتراف کو "صحیح اور اصل انسان" کے سمجھنے کی جانب ایک پیش قدمی قرار دیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روح بلا شبہ ایک ایسی شئے ہے جو نا معلوم مبہم، پوشیدہ اور اسرار کے پردوں میں چھپی ہوئی ہے مگر اس کے باوجود یہ بہر حال حقیقت ہے۔

اِدراک، اور تذکر (یاد آجائے اور سمجھ جیسے) کا عمل غیر حسّی ہے جیسا کہ ہکسلے نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ اور اس عمل کو حسّی سمجھنا غلط ہے کیونکہ جو شئے حسّی ہے وہ اس عمل کے نتائج ہیں مگر خود عمل حسّی نہیں ہے اور ہمیں قطعاً علم نہیں ہے کہ ذہن انسانی میں ادراک اور تذکر کا عمل کس طرح انجام پاتا ہے۔ اگر اسی عمل پر غور کیا جائے تو ہمیں روحانی طاقت کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہ ماننا پڑے گا کہ "روح" انسان میں پوشیدہ ایک ایسی قوت ہے جو انسان کا رابطہ نا معلوم سے اور اس غیب سے جو محسوسات سے ماوراء ہے قائم کر دیتی ہے، اور انسان محسوسات کے دائرے سے باہر کچھ امور غیب جھانک کر دیکھ لیتا ہے یا اسے کوئی ایسا خواب نظر آجاتا ہے جو بعد میں سچا ثابت ہوتا ہے۔ تو درحقیقت غیب کے کسی امر کی اطلاع پانا اور بشارتی خواب کا آجانا ایک روحانی عمل ہے۔

اور کسی دور دراز مقام سے آواز کا پہنچ جانا (Telepathy)[1] بھی ایک روحانی

---

[1] بغیر ظاہری احساسات کے ذریعوں کے استعمال کیے ہوئے دو افراد کے ذہنوں میں پیغام رسانی کا سلسلہ استوار ہو جانا۔ سائنسی لحاظ سے یہ ممکن ہے اور پروفیسر رائن (Prof. Rhine) اس پر خاصا تحقیقی کام کر چکے ہیں۔ (س۔ محمد تقی)

عمل ہے جیسے حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب انہوں نے فرمایا

"اے ساریہ! پہاڑ پر"

تو یہ آواز ساریہ کو کئی ہزار میل کے فاصلے پر پہنچ گئی تھی۔

ہر چند کہ روح کا اس قسم کا عمل بڑا حیرتناک ہے اور انسان کو اس پر سخت حیرت اور تعجب ہوتا ہے، مگر یہ روحانی عمل کا ایک پہلو ہے جب کہ روح کا اصل مقصدِ عمل انسان کا اللہ سبحانہٗ سے تعلق قائم کرنا ہے۔

اب یہ سوال کہ یہ تعلق کس طرح قائم ہوتا ہے، یہ دور پیغام رسانی (Telepathy) کا عمل کس طرح انجام اور بشارتی خواب کس طرح وجود میں آتے ہیں۔ تو ان کی اصل حقیقت سے ہم اسی طرح یہ روحانی کیفیاتِ عمل بھی حقائق ہیں۔

## روح کی حقیقت

بہر حال روح — جس کی حقیقت سے ہم ناآشنا اور جس کے طریقۂ عمل سے ہم ناواقف ہیں — یہ ہمارے اور اللہ سبحانہٗ کے درمیان تعلق قائم کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور یہ فطرتاً اللہ کی جانب راہنمائی کرتی ہے اس لیے کہ یہ اللہ کی روح ہی سے جسے اس نے مٹھی بھر مٹی میں ودیعت فرمایا ہے۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ۔ (الحجر: ۲۹)

"پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔"

اسی وجہ سے روح بذاتہٖ خالق کی جانب راہنمائی کرتی ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا۔

(الاعراف: ۱۷۲)

"جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں

خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔"

روح اللہ کی جانب فطرتاً بلا زحمت اور بلا مشقت متوجہ ہوتی ہے، جس طرح ہر مخلوق فطرتاً اپنے خالق کی جانب متوجہ ہے۔

رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ (طٰہٰ: ۵۰)

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا۔"

اور یہ سب اللہ سبحانہٗ کی اپنے بندوں پر مہربانی اور اس کا کرم ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۔ (الاسراء: ۷۰)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔"

اور یہ اللہ سبحانہٗ کی مہربانی اور اس کا کرم ہے کہ اس نے انسانی قلب کو وَاعِیْ (محفوظ رکھنے والا) بنا دیا۔

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ۔ (السجدہ: ۹)

"اور تم کو کان دیئے آنکھیں دیں اور دل دیئے۔"

غرض اس طرح اللہ سبحانہٗ نے انسان کی ہدایت کے عمل کو اس کے قلب بصیر سے مربوط کر دیا ہے تاکہ اس کی اپنے خالق کی اطاعت میں اور اس اطاعت میں فرق ہو جائے جو جمادات اور نباتات اور حیوانات از خود اور جبلی طور پر کرتے ہیں۔

اس ہدایت ربانی کے انسانی فطرت میں ودیعت ہونے کے باوجود انسان کبھی کبھی راہِ حق سے بھٹک بھی جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی فطرت میں کوئی روگ لگ جاتا ہے اور اس میں انحراف اور کجی پیدا ہو جاتی ہے،

اور وہ راہ حق پر چلنے اور اللہ سبحانہ سے تعلق رکھنے اور اسی سے راہنمائی حاصل کرنے سے گریز کرنے لگتا ہے۔ مگر اس حالت میں بھی اس کا تعلق بالکل نہیں ٹوٹ جاتا بلکہ فطرت انسانی انحراف کے جزوی طور پر خالق کائنات کی جانب کسی نہ کسی درجے میں متوجہ رہتی ہے، جیسے چندھیائی ہوئی آنکھ سے گو پورا نظر نہیں آتا مگر قدرے نظر آتا رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی فطرت جب منحرف ہو جاتی ہے تو وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ شرک بھی کرنے لگتا ہے۔ یا کسی قوت کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش شروع کر دیتا ہے۔ مگر سوائے بہت شاذ صورتوں (Exceptional cases) کے انسان خدا کا بحیثیت خالق کائنات منکر نہیں ہوتا۔

مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ۔ (الزمر: ۳)

"ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔"

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ۔ (الزمر: ۳۸)

"ان لوگوں سے اگر تم پوچھو کہ زمین اور آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے۔"

مذہبی عقیدے کا کام یہ ہے کہ وہ اس فطرت کی تائید کرتی اور اللہ کی جانب راہنمائی حاصل کرنے میں اس کی مدد کرتی ہے اور جب مرض انحراف سے فطرتِ انسانی پر پردے پڑ جائیں تو عقیدہ روح کو بندھنوں سے آزاد کر کے اللہ کی جانب متوجہ کر دیتا ہے۔

## انسانی وجود کا مرکز: روح

اسلام کی نظر میں انسان کا روحانی پہلو بہت اہم ہے اور روح انسانی وجود کا مرکز اور نقطۂ ارتکاز ہے۔ اسی پر انسانی وجود قائم اور یہی ساری انسانی زندگی

پر غالب اور انسان کا خالق سے رشتہ جوڑنے والی ہے۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے وہ روح کی تربیت پر زور دیتا ہے کیونکہ فی الواقع انسان کی روحانی طاقت سب سے عظیم سب سے قوی اور حقائق وجود سے زیادہ مرتبط ہے۔ جب کہ انسان کی جسمانی قوت اس کے مادی وجود اور دائرۂ محسوسات میں محدود ہے اور عقل کی قوت اگرچہ جسمانی قوت سے نسبتاً زیادہ آزاد ہے مگر یہ بھی زمان و مکان، ابتداء و انتہار اور معقول امور کی حد بندیوں میں جکڑی ہوئی اور فنا ہو جانے والی ہے۔

صرف روحانی قوت ہی ایسی قوت ہے جو ان حدود و قیود سے آزاد ہے یہ زمان و مکان اور ابتداء اور انتہار کی بندشوں سے آزاد ہے۔ اس کا تعلق محسوسات سے بھی ہے اور معقولات سے بھی اور یہ دائمی اور ازلی وجود یعنی خالق روح سے بھی تعلق قائم کر سکتی ہے، اور زمان و مکان کی حدود سے ماوراء تمام وجود سے تعلق قائم کر سکتی ہے۔

ہر چند کہ ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ روح عالم بالا سے اور خالق کائنات سے کس طرح ربط قائم کرتی ہے لیکن ہم روح کی صفائی اور پاکیزگی کا احساس ضرور کر سکتے ہیں، جو لمحہ بھر میں زندگی پر محیط ہو جاتی اور آفاق میں پہنچ جاتی ہے اور کائنات کی ہر زندہ شئے سے ربط قائم کر لیتی ہے ۔۔ ہم ان عجیب اور حیرت انگیز لمحے کو محسوس کر سکتے ہیں جس سے پورا انسانی وجود مرتعش ہو جاتا اور اپنے نفس کی گہرائیوں میں محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ روح کی اس اہمیت کے پیش نظر اسلام نے روح کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کی تربیت کی جانب پوری توجہ دی ہے کیونکہ اسلام نے انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں بلا تربیت، اور راہنمائی کے نہیں چھوڑا ہے بلکہ انسان کے ہر پہلو اور ہر گوشے کے لیے واضح راہنمائی عطا فرمائی ہے۔

اسلام نے روح کی تربیت کا یہ طریقہ متعین کیا ہے کہ اس کا تعلق ہر لحظہ

ہر لمحہ اور ہر فکر و شعور کے وقت اللہ سے استوار رہے۔

انسان پر از خود طبعاً ایسے لمحات آتے رہتے ہیں، جن میں انسانی روح نکھر جاتی ہے اور عالم روح منور ہو جاتا ہے۔ کبھی افق کے پار سے ابھرتا ہوا نئے دن کا آفتاب اس کی دنیائے شعور کو بیدار کر دیتا ہے، کبھی چودھویں کا روشن چاند اس کے لیے سامان حیرت، اس کی عقل کے لیے وجہ تعجب اور اس کی روح کو خواب گراں سے بیدار کرنے والا بن جاتا ہے اور کبھی کائنات کی وسعت اس کا انتظام اور اس کی باریکی اس کی روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے یہ لمحات حادثے کے طور پر آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔

مگر اسلام یہ نہیں چاہتا کہ روحانی لمحات اس طرح جھلک بن کر آئیں اور اوجھل ہو جائیں، تیز روشنی کی طرح آئیں اور جلد ہی مدھم ہو جائیں، نفس کی دنیا اس کے نور سے منور ہو اور فوراً ہی مادی کثافتوں کی دھند چھا جائے۔ اور روح کی ان جھلکیوں کا نفس پر کوئی دائمی اور مستقل اثر مرتب نہ ہو۔

بلکہ اسلام اس روشنی کو منہاج زندگی بنا دیتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ روحانی روشنی کا یہ چراغ مسلسل جلتا رہے اور انسان کی ساری زندگی کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کیے رکھے۔ اور انسان جس وقت یہ دائمی روشنی میسر آجائے تو وہ اپنے ارفع ترین وجود کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اسلام انسان کو یہ راستہ دکھاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اسلام انسان کے سامنے رحمت الٰہی کے پہلو اجاگر کرتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ انسان کو کسی امر محال کو وجود میں لانے کا پابند نہیں بناتا۔ اللہ سبحانہٗ کو معلوم ہے کہ انسانی روح کا ہمیشہ اور مسلسل مادی کثافتوں سے پاک رہنا اور جسمانی بوجھ سے بالکلیہ آزاد رہنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسان میں موجود مشتِ خاک کا بھی ایک وزن ہے غلبۂ خواہش بھی ایک قوت ہے، مادی بوجھ بھی ایک دباؤ ہے۔ اس لیے اللہ سبحانہٗ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ (التغابن: ۱۶)

"جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔"

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (البقرۃ: ۲۸۶)

"اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمے داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔"

مگر اسلام انسان کو اس طرح نہیں کہتا جس طرح آج کل وہ جدید مادی افکار جو اپنے آپ کو واقعیت (Surrealism) پر مبنی قرار دیتے ہیں کہتے ہیں کہ[1] "اے لوگو چونکہ تم میں مادی قوت، غلبہ شہوت اور ارضی دباؤ موجود ہے اس لیے تم روحانی رفعت حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے تم اپنی مادی اور ارضی خواہشات اور ضروریات کی تکمیل میں حیوانات کی طرح منہمک رہو۔"

اسلام یہ نہیں کہتا اس لیے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ بلکہ اسلام فطرت انسانی میں موجود تمام قوتوں کو تسلیم کرتا اور ان کو نشو ونما دیتا اور ابھارتا ہے اور ان کی تربیت میں روح کو اولین حیثیت دیتا ہے۔

اسلام انسان کی تمام کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر اس میں روح کی روشنی برقرار رکھنے کی سعی کرتا ہے کہ رفعت کا یہی ایک طریقہ ہے اور انسان کو تنزل پر مائل کرنے والی قوتوں کو متوازن بنا دینے کا یہی ایک اسلوب ہے۔ یعنی یہ کہ انسان کا رشتہ اور تعلق اللہ سبحانہٗ سے قائم کر دیا جائے، اسلام اس کے لیے مختلف ذرائع اختیار کرتا ہے۔

ایک طرف وہ قلب انسانی میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کائنات مکمل طور پر اور ہمہ وقت اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

دوسری طرف وہ قلب انسانی میں یہ شعور اجاگر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کی نگرانی کر رہا ہے اور اس کے دل میں گزرنے والے ہر خیال سے واقف اور اس میں پنہاں اسرار سے آشنا ہے۔

ایک اور طرف اسلام انسانی قلب میں اللہ کا تقویٰ اور خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے اور اس کو یہ تصور دیتا ہے کہ اس کے ہر فکر و شعور اور ہر عمل و اقدام

---

[1] ملاحظہ کیجیے مصنف کی کتاب "معرکۃ التقالید" کا باب "حقائق و اباطیل"۔

کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

اس کے بعد اسلام انسان کے دل میں حب الٰہی پیدا کرتا ہے اور یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ جو بھی کام کرے رضائے الٰہی کے لیے کرے۔

اور ایسے ہی اسلام انسان کے قلب میں ہر تنگی اور راحت کے موقع پر اطمینان پیدا کرتا اور اسے آمادۂ تسلیم و رضا کرتا ہے۔ اور ان تمام باتوں کا مقصد خدا اور بندے کا رشتہ استوار کرنا ہے۔

## کائنات: عظیم قدرت کا مظہر

کائنات تمام کی تمام اللہ سبحانہ کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس کی عظیم قدرت کا اظہار ہے جس سے عقل انسانی حیران ہو جاتی ہے۔ مگر انسان کے کائنات سے مانوس ہو جانے اور روز دیکھتے رہنے کی بنا پر عادی ہو جانے کی وجہ سے اس میں وہ عظمت تعجب اور حیرانی باقی نہیں رہتی جو ہر شخص کے دل کی گہرائی تک اتر جائے اور اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دے، بلکہ احساسات کند ہو جاتے ہیں اور انسان خالق کائنات کی ان حیرت انگیز معجزانہ تخلیقات سے یونہی سرسری طور پر گزر جاتا ہے۔

روز و شب کی گردش، دن رات کا الٹ پھیر، اور لیل و نہار کا اختلاف! ہر صبح کو ابھرتا ہوا سورج اور ہر شام کو ڈوبتا ہوا سورج جس نے نہ کبھی طلوع ہونے میں کوتاہی اور نہ غروب ہونے سے باز رہا! رات کی تاریکی میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے اور سرگوشیاں کرتے ہوئے سیارگانِ فلک! ایک باریک شاخ کی صورت میں طلوع ہونے والا چاند جو بڑھتے بڑھتے بدر کامل بن جاتا اور پھر گھٹتے گھٹتے پھر باریک شاخ کی طرح ہو جاتا ہے! زمین کے سینے کو شق کر کے نکلنے والا پودا اور اس میں پھوٹنے والی حسین و جمیل کونپلیں! چھوٹے چھوٹے محو پرواز پرندے! اور حقیر و کمتر کیڑے مکوڑے! نوزائیدہ اطفال حیوانات اور چوزوں سے دانہ دُنکا دیتی ہوئی اور دودھ پلاتی ہوئی ان کی مائیں! مردہ زمین

سے اُبلتا ہوا زندگی کا سرچشمہ! عجیب نظام، حیرت انگیز انتظام! بڑی باریکی اور مہارت کے ساتھ چلنے والا نظامِ کائنات! کہیں کوئی ابتری نہیں! کوئی گڑبڑ نہیں! کروڑوں اور اربوں ستاروں میں سے کوئی ستارہ اپنے محور سے ایک اِنچ اِدھر اُدھر نہیں سرکتا! زمانے کے نشیب و فراز! زمانہ کی حقیقت اور اس کا ادراک!

اس ساری عجیب و غریب اور حیرت انگیز کائنات میں گھرا ہوا کمزور و ناتواں انسان! پھر اس انسان کی ذات کی بوقلمونی اور رنگا رنگی! ان تمام عجائب میں خود اس کی ذات ایک عجائب خانہ! اس کے جسمانی فکری اور روحانی اعمال کی نیرنگیاں! اور اس کی صلاحیتوں اور قوتوں کا باہمی ارتباط و تعلق!

یہ سب آیاتِ الٰہی ہیں! اور سب کائنات میں خالق کائنات کے وجود کی حیرت انگیز نشانیاں ہیں۔ لیکن انسان ان کے درمیان رہتے ہوئے ان کے عادی ہو جاتے ہیں اور پھر ان نشانیوں کے درمیان سے بغیر ان کی جانب توجہ کیے ہوئے اور بغیر ان پر غور کیے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

اسلام روح کی تربیت کے ضمن میں ان نشانیوں اور آیات کو بار بار انسان کے سامنے لاتا ہے اور اس کو کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں کی جانب متوجہ کر کے خالقِ کائنات کے وجود، اس کی قدرت اور عظمت کا احساس دلاتا ہے اور قرآن کریم بڑے دلکش اور حسین پیرایۂ بیان میں انسان کے خوابیدہ احساس کو بیدار کرتا ہے اور دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والے الفاظ اور قلب کے پار ہو جانے والی مؤثر تعبیرات کے ذریعے انسان کے شعور و احساس کو جھنجھوڑتا ہے۔ اور اس کو عادت اور مانوس ہو جانے کی کیفیت سے باہر لے کر آتا ہے۔

انسانی وجود میں اللہ تعالیٰ نے ماحول سے اردگرد سے اور کائنات سے مانوس ہو جانے اور عادی ہو جانے کی جو صفت پنہاں کی ہے۔ یہ انسانی وجود کے لیے بہت ضروری اور انتہائی اہم ہے کیونکہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مرتبہ کے

حاصل کیے ہوئے تجربات، احساسات، مقامات اور اشیاء سے مانوس ہو جائے اور دوبارہ نئے تجربات کے حصول، نئے احساسات تک رہائی اور نئے مقامات کا علم اور نئی اشیاء کا تعارف حاصل کرے، اگر انسان میں مانوس ہونے اور عادی ہونے کی یہ صفت ہو تو ایک انسان ایک ہی تجربہ ساری زندگی حاصل کرتا ہے، مثلاً تمام عمر بولنا ہی سیکھتا رہے ساری عمر لکھنے ہی کی مشق کرتا رہے اور اس کے اعصاب پر ان عادی امور کا اس قدر بار پڑے کہ اس میں مزید بار اٹھانے کی سکت ہی نہ رہے۔

مانوس ہونا اور عادی ہو جانا انسانی وجود کا خاصہ ہے اور اس کی مذکورہ بالا افادیت کے پیشِ نظر یہ انسان کے لیے بہت ضروری بھی ہے، مگر کبھی یہ خاصہ اپنے دائرۂ اثر سے باہر نکل کر انسانی مشاعر کو منجمد کر دیتا، اس کے بے بصیرت بنا دیتا اور اس کے افکار کو کند کر دیتا ہے۔ اور اس طرح یہ خاصہ وجودِ انسانی کے ارتقاء اور پیش رفت میں حارج ہو جاتا اور ایک رکاوٹ بن جاتا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ نفس کو اس کی خوابیدگی سے بیدار کیا جائے اسے از سرِ نو حیات و کائنات کی جانب متوجہ کیا جائے۔ اور اس کے نفس کے بند دریچوں کو کھول دیا جائے تاکہ وہ ان دریچوں میں جھانک کر زندگی کا از سرِ نو جائزہ لے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مرطوب بدبودار کوٹھری میں بند پڑا ہو اور اسے کھولدیا جائے اور تازہ اور ٹھنڈی ہوا اس کے جسم کے اندر داخل ہو کر اور اس کے جسم سے ٹکرا کر اس میں نئی تازگی پیدا کر دے اور اسے حیات بخش کیفیت کا احساس دلائے۔ اسی طرح جب عادت اور انس کی بناء پر انسان کائنات کی نیرنگیوں سے غافل پڑا ہو، اس کے نفس کے دریچے بند ہو چکے ہوں اور اس کے فکر پر زنگ چڑھ گیا ہو اور اس کے شعور میں بالیدگی باقی نہ رہی ہو اور اس کے احساسات گُند ہو کر رہ گئے ہوں۔ اس وقت اگر اس انسان کو کائنات کی حیرت انگیز نشانیوں کی جانب متوجہ کر دیا جائے، اس کے احساسات و شعور کو بیدار کر دیا جائے اس کے فکر سے

زنگ دُور کر دیا جائے تو اس وقت انسان کو ایک تازگی بالیدگی اور اس کی رُوح کو حیات افزا کیفیت کا اسی طرح احساس ہو جس طرح بند آدمی کو اگر کھول دیا جائے تو اس کو ہوتا ہے۔

## رُوح کا احساس لطیف

بلکہ روح کا یہ احساس جسم کے اُس احساس سے کہیں زیادہ لطیف گہرا، مؤثر، حیرت انگیز اور تعجب انگیز ہوتا ہے۔ اس وقت انسان محسوس کرتا ہے کہ ہر احساس نیا ہے، ہر تجربہ انوکھا ہے، اور ہر فکر جدید ہے ـــــ اور اس طرح انسان کو ایک نئی توانائی میسّر آجاتی ہے۔ اور اس حیرت انگیز تجربے کی بنا پر انسانی زندگی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک دائمی کیف و سرور سے شاد کام ہو جاتا ہے۔

اگر انسان کو یہ قدرت حاصل ہو جائے کہ وہ اس طرح زندہ رہے۔ جیسے پہلی مرتبہ یہ حادثہ وقوع پذیر ہو رہا ہو، تو انسان اس بات پر بھی قادر ہو جائے گا کہ ہمیشہ جوان رہے اور کبھی اس پر ناتوانی، بڑھاپا اور فنا مسلط نہ ہو! مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ زندگی کے دمادم رواں دواں مسائل، کشاکش حیات اور مسائل کی گرانباری انسان کی توانائیوں کو نگلتی جاتی ہے اور انسان کشاں کشاں زوال اور فنا کی جانب بڑھتا جاتا ہے۔

مگر قرآن کریم یہ حیرت انگیز کارنامہ انجام دیتا ہے کہ اپنے عجیب و حیرت انگیز مؤثر اور دلنشین اسلوب کی مدد سے انسان کو عادت اور اُنس کے دائرے سے نکال کر اس کے احساسات کو بیدار کر دیتا، اسے شعور تازہ اور فکر نو عطا کر دیتا ہے۔ اور انسان فکر و شعور اور احساس کی اس نئی توانائی سے تازہ دم ہو کر یہ محسوس کرتا ہے گویا وہ ایک نئی زندگی میں داخل ہو گیا ہے۔

انسان جب تک قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہتا ہے وہ اس حیاتِ نو اور لُطفِ تازہ سے محظوظ ہوتا رہتا ہے اور قرآن کریم ہی ایسی واحد کتاب ہے کہ جوں ہی انسان اس کی تلاوت ختم کرتا ہے دوبارہ پھر تلاوت شروع کر دیتا ہے اور ہر مرتبہ ایک نئے شعور اور ایک نئی آگاہی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

قرآن کی آیات انتہائی بلیغ انداز، بڑے دلکش اسلوب، اور معجز بیان طرز ادا کے ساتھ انسان کو نئی حقیقتوں سے آشکارا کرتیں اور اس کی خوابیدہ روح کو بیدار کرتیں، اس کو شعور تازہ عطا کرتیں اور اس کی فکر کو جلا بخشتی ہیں۔

## کائنات اور انفس میں غور و فکر

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ (البقرۃ: ۱۶۴)

"جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں ان کشتیوں میں جو انسان کی نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو بخشتا ہے (اور اپنے اس انتظام کی بدولت) زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں"

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ - (الانعام: ۹۵، ۹۹)

"دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہے - وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے خارج کرنے والا ہے یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو پردہ شب کو چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہے اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں، اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں رستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا دیکھو ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور وہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ - یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی پھر اس سے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے پھر ان سے تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں - یہ درخت

جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پکنے کی کیفیت ذرا غور سے دیکھو ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(الاعراف: ۵۴)

"درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے۔ سب اس کے فرمان کے تابع ہیں خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔"

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ۔ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَاَنْھٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ۔ (النحل: ۱۰-۱۷)

"وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں اُگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اس نے تمہاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔

اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں، اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں ان میں ضرور نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں۔

وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنا کرتے ہو تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اس نے زمین میں رستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے دونوں یکساں ہیں؟ کیا تم ہوش میں نہیں آتے؟"

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ وَاِنَّ لَكُمْ فِي
الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ
وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ۔ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ
وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ
الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ
كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا
شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (النحل: ٦٥-٦٩)

"اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور یکایک مردہ پڑی ہوئی زمین میں اس کی بدولت جان ڈال دی، یقیناً اس میں ایک نشانی ہے سننے والوں کے لیے۔

اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں یعنی خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔

اسی طرح کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں، جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔

یقیناً اس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔ اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کے رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لیے یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ
لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اَلَمْ
يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ
سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ
ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ
اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ
الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۔ (النحل: ۷۸-۸۱)

"اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، اس نے تمہیں کان دیئے آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیے اس لیے کہ تم شکر گزار بنو کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا۔ اس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لیے ایسے مکان پیدا کیے جنہیں تم سفر اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو اس نے جانوروں کے صوف اور اون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو زندگی کی مقررہ مدت تک تمہارے کام آتی ہیں۔ اس نے اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے تمہارے لیے سائے کا انتظام کیا پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں اور تمہیں ایسی پوشاکیں بخشیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ دوسری پوشاکیں جو آپس کی جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہیں۔ اس طرح وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے۔ شاید کہ تم فرمانبردار بنو۔"

اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا۔ (الانبیاء، ۴۴)

"مگر کیا انہیں نظر نہیں آتا، کہ ہم زمین کو مختلف سمتوں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں۔"

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْــٴًـا وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ۔ (الحج: ۵)

"لوگو! اگر تمہیں زندگی کے بعد موت سے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے۔ پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ (ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں۔ (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگانی شروع کر دی۔"

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ

يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ وَمِنْ اٰيَاتِهٖ
اَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ وَمِنْ
اٰيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ وَمِنْ اٰيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ
اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْعَالِمِيْنَ۔
وَمِنْ اٰيَاتِهٖ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ وَمِنْ اٰيَاتِهٖ يُرِيْكُمُ
الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِيْ بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔
وَمِنْ اٰيَاتِهٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِذَا
دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَا اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ۔ (الروم: ۱۹-۲۵)

"وہ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور مُردے کو زندہ میں سے نکال لاتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح تم لوگ بھی (حالت موت) سے نکال لیے جاؤ گے اس کی نشانیوں میں یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر یکایک تم بشر ہو کہ (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے۔

اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلیے جو غور سے سنتے ہیں۔

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جوں ہی کہ اس نے تمہیں زمین سے پکارا، بس ایک ہی پکار میں اچانک تم نکل آؤ گے۔"

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ۔ (فاطر: ۲۷-۲۸)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعے سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں، جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے۔"

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ

وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ
وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ سُبْحٰنَ الَّذِيْ
خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ
وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ
فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ
تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ
كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ
وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ
اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ
مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ
وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۔ (یٰس ۳۳-۴۴)

"ان لوگوں کے لیے بے جان زمین ایک نشانی ہے، ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور اس کے اندر سے چشمے پھوڑ نکالے تاکہ یہ اس کے پھل کھائیں۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے پھر کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔ ان کے لیے ایک اور نشانی رات ہے ہم اس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے اور چاند اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ سب

ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ ان کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور پھر ان کے لیے ویسی ہی کشتیاں اور پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور کسی طرح یہ نہ بچائے جا سکیں بس ہماری رحمت ہی ہے جو انہیں پار لگاتی اور ایک وقت خاص تک زندگی سے متمتع ہونے کا موقع دیتی ہے۔"

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۔

(الزمر: ۵-۶)

"اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک، ایک وقت مقرر تک چلا جا رہا ہے۔

جان رکھو وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور اسی نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے۔

وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو۔"

كَلَّا وَالْقَمَرِ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ۔ (المدثر: ۳۲-۳۴)

"ہرگز نہیں۔ قسم ہے چاند کی، اور رات کی جب وہ پلٹتی ہے اور صبح کی جب کہ وہ روشن ہوتی ہے۔"

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ۔

(عبس: ۲۴-۳۲)

"پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے، ہم نے خوب پانی لنڈھایا، پھر زمین کو عجیب طرح پھاڑا پھر اس کے اندر اگائے غلے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور طرح طرح کے پھل تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زیست کے طور پر۔"

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِن قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ۔ (الطارق: ۵-۱۰)

"پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے یقیناً وہ (خالق) اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے جس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی اس وقت انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہوگا اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا۔"

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ۔ (الغاشیہ: ۱۷-۲۰)

"کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے

کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائی گئی"

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ۔ (التکویر: ۱۷-۱۸)

"اور رات کی جب کہ وہ رخصت ہوئی اور صبح کی جبکہ اس نے سانس لیا"

## طبیعی امور کی کارفرمائی کا احساس

غرض اس طرح قرآن کریم انسان کے اندر کائنات اور انفس میں غور و فکر کے احساسات بیدار کرتا ہے تاکہ انسان کی فکر کے دریچے واضح رہیں وہ کائنات کی عظمت کو محسوس کرے اور اس عظیم کائنات کو اپنی بے کراں قدرت سے چلانے والے خالق کائنات کی جانب اپنی روح کے ساتھ متوجہ رہے اور اس رب جلیل کی حمد و ثنا کرے جس کی قدرت اور منشا کے مطابق کارخانہ قدرت چل رہا ہے۔

یہی نہیں بلکہ قرآن کریم انسانی شعور میں طبیعی امور کی کارفرمائی کا احساس اجاگر کرتا اور اس سلسلے میں بڑی نادر خوبصورت اور بے مثال طبیعی تشبیہات بیان کرتا ہے جو انسان کے نفسیاتی اجتماعی اور اقتصادی مواقف کی وضاحت کرتی ہیں۔

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ (البقرہ ۲: ۲۶۴-۲۶۶)

"جیسے وہ جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر، اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔ اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو اگر زور کی بارش ہو جائے تو دگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہو جائے۔ تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک ہرا بھرا باغ ہو نہروں سے سیراب کھجوروں اور انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہو اور وہ عین اس وقت ایک تیز بگولے کی زد میں آ کر جھلس جائے وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے کمسن بچے ابھی کسی لائق نہ ہوں۔ اس طرح اللہ اپنی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے شاید کہ تم غور و فکر کرو۔"

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ۔ (الرعد ۱۳: ۱۷)

"اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا۔ پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آگئے اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں، جنہیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے۔ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔"

الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلها ثابت و فرعها فی السماء تؤتی اکلها کل حین باذن ربها و یضرب اللہ الامثال للناس لعلهم یتذکرون و مثل کلمۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالها من قرار۔ (ابراہیم: ۲۴-۲۶)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں اور کلمۂ خبیثہ کی مثال ایک بد ذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔"

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیها مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانها کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتها یضیء و لو لم تمسسه نار نور علی نور یهدی اللہ لنورہ من یشاء و یضرب اللہ الامثال

لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ (النور: ۳۵)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو چراغ ایک فانوس میں ہو فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو، چاہے آگ اس کو نہ لگے (اس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں) اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے راہنمائی فرماتا ہے وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔"

مختلف فنون سے بھی انسان جمال طبیعت کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور اس میں کائنات کے بارے میں احساس لطیف اجاگر ہو جاتا ہے مگر بیشتر یہ احساس، ایک سحر فانہ جذبہ بن جاتا اور انسان بذات خود جمال طبیعت کو معبود بنا لیتا ہے اور اسی حسن و جمال طبیعت میں کھو کر اصل جدوجہد حیات کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ جب کہ قرآن کریم قلب انسانی کا اللہ سبحانہ، سے تعلق قائم کر دیتا ہے اور اللہ سبحانہٗ انسان کو اس کے نفس کی گہرائیوں میں بھی اور اس کی واقعی اور عملی زندگی میں بھی راہنمائی کرتا ہے۔

## کائنات کا ہر امر اللہ کی قدرت میں ہے

قرآن کریم جہاں نفس انسانی کو کائنات میں جاری و ساری اللہ سبحانہٗ کی عظیم قدرت کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ وہیں یہ وضاحت بھی کر دیتا ہے کہ کائنات کا ہر امر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہی تنہا ساری کائنات کی تدبیر و انتظام کا مالک ہے۔

یہاں اس امر پر قرآن کریم سے زیادہ شواہد بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ جب کہ اس سے قبل قرآن کریم کے کائنات کی جانب متوجہ کرنے کے ذیل میں جو ہم نے متعدد آیات نقل کی ہیں تو ان کا منشاء یہ ہے کہ یہ آیات ہر جگہ ایک نئی مناسبت سے آئی ہیں اور ہر جگہ وہ ایک علیحدہ اور مستقل احساس اجاگر کرتی ہیں۔

چنانچہ یہاں ہم چند آیات کے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔ (البقرہ: ۱۰۷)

"کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی فرمانروائی اللہ ہی کیلیے ہے اور اس کے سوا کوئی تمہاری خبر گیری کرنے اور تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہے۔"

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (البقرہ: ۱۱۷)

"وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ "ہوجا" اور وہ ہوجاتی ہے۔"

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔ (البقرہ: ۲۵۵)

"اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کا ہے کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت اور اک میں نہیں آسکتی۔ الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے بس وہی ایک

بزرگ و برتر ذات ہے :

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ (آل عمران : ۱۰۹)

"زمین اور آسمانوں کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔"

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (آل عمران : ۲۶)

"زمین اور آسمانوں کا مالک اللہ ہے اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔"

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (آل عمران : ۲۶)

"کہو! خدایا! ملک کے مالک، تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے بھلائی تیرے اختیار میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

(مریم : ۳۵)

"وہ پاک ذات ہے۔ وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتی ہے۔"

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۔ (الرعد : ۱۱)

"اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنے اوصاف

کو نہیں بدل دیتی۔ اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کرلے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا۔ (الکھف: ۱۷)

"جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ بھٹکا دے اس کے لیے تم کوئی ولی مرشد نہیں پا سکتے۔"

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ۔ (اٰل عمران: ۱۶۰)

"اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو۔"

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (النمل: ۶۲-۶۴)

"کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو۔ اور وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں کو خوشخبری لے کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے

ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (یہ کام کرتا) ہے؟ بہت بالا و برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصہ دار) ہے؟ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔"

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا۔ (فاطر: ۱۰)

"جو کوئی عزت چاہتا ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔"

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ (فاطر: ۳)

"کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں، آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو۔"

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ۔ (فاطر: ۱۵-۱۶)

"لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو غنی و حمید ہے وہ چاہے تو تمہیں ہٹا کر کوئی نئی خلقت تمہاری جگہ لے آئے۔"

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ (فاطر: ۴۱)

"اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دوسرا انہیں تھامنے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے۔"

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (فاطر: ۲)

"اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دوسرا کھولنے والا نہیں۔ وہ زبردست اور حکیم ہے۔"

ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِ آلِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنقِذُونِ۔ (یٰس: ۲۳)

"کیا میں اسے چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لوں، حالانکہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ ان کی شفاعت میرے کسی کام آسکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکتے ہیں۔"

قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ۔ (الزمر: ۳۸)

"ان سے پوچھو، جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمہاری یہ دیویاں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچالیں گی، یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکیں گی۔"

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ (یٰس: ۸۱-۸۳)

"کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے کیوں نہیں، جب کہ وہ ماہر خلاق ہے وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا۔ اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔"

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ (الانعام: ۱۸)

"وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے۔"

وَمَا تَشَاۤءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ۔ (الانسان: ۳۰)

"اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے۔"

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (التوبہ: ۵۱)

"ان سے کہیں ہرگز (کوئی برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہلِ ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۤءُ۔ (البقرہ: ۱۰۵)

"اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے۔"

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (البقرہ: ۱۴۸)

"جہاں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں پالے گا، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔"

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۤءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (البقرہ: ۲۱۲)

"اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بے حساب دے۔"

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (البقرہ: ۲۴۵)

"گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔"

وَلَوْ شَاۤءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔

(البقرہ: ۲۵۳)

"اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (آلِ عمران: ۷۳)

"اے نبیؐ، ان سے کہو کہ فضل و شرف اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ وہ وسیع النظر ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔"

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ (آلِ عمران: ۱۵۹)

"یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔"

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال: ۱۷)

"اور اے نبیؐ، تو نے نہیں پھینکا، بلکہ اللہ نے پھینکا۔"

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ۔ (یونس: ۶۴)

"اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔"

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ۔ (ھود: ۱۲۳)

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ چھپا ہوا ہے سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور سارا معاملہ اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔"

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا۔ (الرعد: ۱۵)

"وہ تو اللہ ہی ہے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز طوعًا و کرہًا سجدہ کر رہی ہیں۔"

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ (النحل: ۵۳)

"تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔"

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔ (البروج: ۱۶)

"اور جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے۔"

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ (الاحزاب: ۶۲)

"اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

## اللہ سبحانہٗ کی مالکیت

یہ تمام آیات کائنات میں پنہاں اور تخلیق کائنات سے نمایاں ان حقائق کی جانب قلب کو متوجہ کرتی ہیں کہ اس ساری کائنات کا خالق و مدبر صرف اللہ جل شانہٗ ہے۔ اسی کے قبضۂ قدرت میں تمام معاملات ہیں اور اس کی قدرت اور تدبیر سے یہ کائنات رواں دواں ہے۔ اور اس کے سامنے کائنات کی ساری مخلوقات کمزور و ناتواں، بے وزن اور فنا ہو جانے والی ہیں۔ اور مخلوقات میں سے کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اپنے وجود کے لیے از خود کچھ کر سکتی ہو یا کسی دوسری مخلوق کے وجود کے لیے کچھ کر سکتی ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر نفع اور نقصان اسی خداوند کے ہاتھ میں ہے، کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ نہ چاہے اور کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اجازت نہ دے۔ روزی بھی اس کے ہاتھ میں ہے، موت اور زندگی بھی اسی کے ہاتھ میں اور دوبارہ زندہ کر کے اعمال کی جزا و سزا کا بھی وہی مالک ہے۔

بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (الملک: ۱)

"وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

قلب انسانی کو اللہ سبحانہٗ کی اس عجیب قدرت اور ہمہ گیر قوت کی جانب متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم انسان کو اللہ کے اس ہمہ گیر علم کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے جس کے علم سے زمین و آسمان کی کوئی شئے حتیٰ کہ نفس کی گہرائیوں میں کروٹیں لینے والا کوئی خیال بھی اوجھل نہیں ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ

مُّبِيْنٍ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (الانعام: ۵۹، ۶۰)

"اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ پھر دوسرے روز وہ تمہیں اسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔"

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ۔ (الرعد: ۱۰)

"وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کا عالم ہے وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص خواہ زور سے بات کرے یا آہستہ اور کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو اس کے لیے سب یکساں ہیں۔"

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۔ (سبا: ۲)

"جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے ہر چیز کو وہ جانتا ہے وہ رحیم اور غفور ہے۔"

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ (فاطر: ۱۱)

"کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوتا ہے۔ اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔"

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ (غافر: ۱۹)

"اللہ نگاہوں تک کی چوری سے واقف ہے اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں۔"

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ۔ (لقمان: ۱۵، ۱۶)

"پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔ (اور لقمان نے کہا تھا) بیٹا کوئی چیز رائی کے دانہ برابر بھی ہو اور کسی چٹان یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ اسے نکال لائے گا۔ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔"

يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى۔ (طٰہٰ: ۷)

"وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات بلکہ اس سے مخفی تر بات بھی جانتا ہے۔"

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا

كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (المجادلہ ۶:)

"کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ جہاں کہیں بھی وہ ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتا دے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔"

## توجہ الی اللہ

جب یہ آیات قلب کو اللہ سبحانہٗ کی قدرت کاملہ کی جانب متوجہ کر دیتی ہیں اور اس کے شعور کی گہرائیوں کو متحرک کر دیتی ہیں، جس کے نتیجے میں قلب مسلسل، بالدوام اور ہمیشہ کے لیے اللہ جل شانہٗ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تو اس قلب میں اور اللہ سبحانہٗ کے درمیان کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور یہ رشتہ عمل کے کسی لمحے اور فکر کے کسی مرحلے میں منقطع نہیں ہوتا، بلکہ پوری زندگی خلوت و جلوت میں اور علانیہ اور اسرار میں برقرار رہتا ہے۔ اور اس تعلق کا اظہار متعدد صورتوں میں ہونے لگتا ہے، کبھی یہ تعلق خشیت اور تقویٰ کا ہوتا ہے، کبھی زندگی کے تمام معاملات میں غور و تأمل کا اور اللہ سے راہنمائی کا ہوتا ہے، کبھی محبت و مہربانی کا ہوتا ہے اور کبھی اس کی تقدیر پر اطمینان اور اس کی رضا پر تسلیم کا ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خشیت اور تقویٰ الٰہی اس مومن کی خصوصیات بن جاتی ہیں جس کے قلب میں قرآن تاثیر کر چکا ہو اور جو قرآنی ہدایات کے نور سے منور ہو چکا ہو۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ۔ (المومنون ۱:۲)

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔"

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (الزمر: ۲۳)

"اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے"

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ (الحج: ۳۴، ۳۵)

"اور (اے نبیؐ) بشارت دے دے عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں"

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا۔ (مریم: ۵۸)

"ان کا حال یہ تھا کہ جب رحمان کی آیات ان کو سنائی جاتیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے"

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ (الاسراء: ۱۰۹)

"اور وہ منہ کے بل روتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اسے سن کر ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے"

## مظاہر قدرت اور خشیتِ الٰہی

قرآن کریم قلبِ انسانی کے سامنے کائنات اور نفس کی نشانیاں بیان کرتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کی قدرت کاملہ اور قوت قاہرہ کی حقیقتِ سرمدی کا

اظہار کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا علم کس قدر وسیع و ہمہ گیر اور اس کی سلطنت کس قدر عظیم ہے۔ اس اظہار و بیان سے اور اپنے گرد و پیش کرشمہ ہائے قدرت جا بجا پھیلے ہوئے دیکھ کر، ہر زندہ اور مردہ اور ہر بڑی اور چھوٹی شئے میں قدرت الٰہی کے مناظر دیکھ کر، ابھرتے ہوئے پودوں، بڑھتے ہوئے درختوں، کھلتے ہوئے شگوفوں، مہکتے ہوئے پھولوں اور چمکتے ہوئے ستاروں، غرض اس رنگ برنگی کائنات میں ہر طرف بکھرے ہوئے مظاہر قدرت دیکھ کر قلب مومن میں خشیت الٰہی پیدا ہوتی اور عظمتِ خداوندی کروٹیں لینے لگتی ہے۔

جوں ہی مومن یہ تمام قدرت کی نشانیاں دیکھتا ہے اور یوں وہ محسوس کرتا ہے کہ آسمان و زمین سب کے سب ارادۂ الٰہی کے ساتھ وابستہ ہیں اور ساری کائنات اور ساری مخلوقات خدا کی مشیت کی تابع ہیں، اس کے قلب کی گہرائیوں میں تقویٰ الٰہی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ عبادت الٰہی کے لیے سرنگوں ہو جاتا ہے۔

قلب مومن کو جب اللہ سبحانہٗ کے جامع اور مکمل علم کا شعور حاصل ہو جاتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ علم الٰہی سے کوئی معمولی سی شئے بھی باہر نہیں ہے اور وہ ہر پوشیدہ بات سے واقف اور ہر راز کی بات سے آشنا ہے، وہ انسان سے کسی بھی لمحے غافل نہیں ہے اور اسے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ اس کے ہر عمل، ہر فکر، ہر شعور، دل میں پوشیدہ ہر راز اور پردۂ چشم پر نقش ہر تصویر سے واقف ہے تو وہ کپکپا اٹھتا ہے اور اپنے اس آقا اور مولیٰ کے سامنے عاجزی سے جھک جاتا ہے جو اس کے چھوٹے بڑے خیال اور ہر پوشیدہ تصور سے آشنا ہے۔

اسے احساس ہو جاتا ہے کہ جب وہ کوئی عمل کرتا ہے تو خدا اس کی نگرانی کر رہا ہوتا ہے جب وہ کسی معاملے میں کچھ سوچ رہا ہوتا ہے تو اللہ اس سے واقف ہوتا ہے اور جب وہ کسی احساس و شعور سے گزر رہا ہوتا ہے تو اللہ اس کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

مومن اپنے اس احساس کے نتیجے میں جو عمل بھی کرتا ہے خلوص نیت کے ساتھ کرتا ہے اور اس کا عمل برائی کے ہر پہلو سے خالی ہوتا ہے۔ اس کا کوئی بھی عمل

بے سوچے سمجھے اور انجام سے بے پرواہ ہو کر نہیں ہوتا بلکہ اس کے ہر عمل کا مقصد رضائے الٰہی بن جاتا ہے۔

کیونکہ اللہ سبحانہٗ کبھی کسی ظاہری عمل پر گرفت نہیں فرماتا بلکہ وہ ہر عمل کی نیت اور روحِ اخلاص کو مدِ نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوت ﷺ ہے۔

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہو"۔ [۱]

اللہ سبحانہٗ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو صرف اسی کے لیے کیا گیا ہو، چنانچہ روایت ہے کہ

"ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا کہ جو شخص اجر کے لیے اور اچھے ذکر کے لیے جہاد کرے اسے کیا ثواب ملے گا، آپؐ نے فرمایا کچھ نہیں، اس نے یہی بات تین مرتبہ پوچھی، آپؐ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ کچھ نہیں، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول فرماتے ہیں جو خالص اسی کے لیے ہے اور اسی کی رضا مقصود ہو"۔

قلب مومن ہر سوچ اور فکر میں اللہ جل شانہٗ کو مدِ نظر رکھتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کسی شخص کے لیے برائی اور شر کا تصور تک نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں پیدا ہونے والے تمام خیالات سے واقف ہے۔ بلکہ مومن انسان صرف اعمال صالح کے بارے میں سوچتا ہے اور ان امور کے بارے میں سوچتا ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ حتیٰ کہ خیر اور بھلائی مومن کی طبیعت اور اس کے نفس کی گہرائیوں میں جاگزیں فطرت بن جاتی ہے۔

قلب مومن اپنے احساسات میں بھی ذات الٰہی کو مدِ نظر رکھتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ ہر راز سے واقف اور ہر پوشیدہ بات سے آشنا ہیں بلکہ اللہ سبحانہٗ تو نفس کے اندر کروٹیں لینے والے اس باریک اور لطیف سے خیال سے بھی واقف ہیں جس کا خود

---

[۱] (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)۔

انسان کو بھی احساس نہ ہو۔ اسی لیے مومن پاکیزہ احساسات کا حامل ہوتا ہے اور اس کے احساسات کا حامل ہوتا ہے اور اس کے احساسات مزید سنورتے جاتے ہیں، وہ نہ حسد کرتا ہے نہ کینہ رکھتا ہے۔ وہ یہی نہیں چاہتا کہ لوگ خیر اور بھلائی سے محروم رہیں اور وہ خود ہر نعمت حاصل کرلے۔ وہ باطل شہوتوں اور لذتوں کی خواہش نہیں کرتا، اس کا اخلاق مفاد پرستانہ اخلاق نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کے سامنے مفاد کی خاطر با اخلاق بن جائے اور اس لیے اخلاق اختیار کرے کہ لوگ اس کو با اخلاق اور شائستہ کہیں اور نہ اس لیے اس اخلاق کا مظاہرہ کرے کہ اس میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو لوگوں کے سامنے آشکارا ہو جانے دے۔ بلکہ مومن کا اخلاق اس کے باطن سے ابھرتا ہے اور اس کے ایمان کا حصہ ہوتا ہے۔ اور ایمان باللہ سے اس کا شعور واحساس اور اس کی سوچ اور فکر پاکیزہ ہو جاتے ہیں، وہ جہاں بھی ہوتا ہے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اللہ سے اس طرح نہیں چھپ سکتا جس طرح کہ وہ انسانوں سے چھپتا ہے اور وہ اپنے آگے کوئی ایسا دروازہ نہیں بند کر سکتا کہ پھر اس کا اللہ اسے نہ دیکھ سکے اور چونکہ اللہ سبحانہٗ اس کے دل میں ہر وقت موجود ہوتے ہیں اس لیے اس کا دل آلائش اور رذیل سے ہر وقت پاک وصاف رہتا ہے۔ چنانچہ ارشادؐ فرمایا کہ

> "احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اُسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔" [۱]

اللہ سبحانہٗ کی اس خشیت اور تقویٰ سے نفس انسانی مستقیم ہو جاتا ہے اور نفس انسانی کے مستقیم ہونے کے نتیجے میں معاشرہ اور تمام امور مستقیم ہو جاتے ہیں، اور معاشرہ ہر جرم ہر برائی اور ہر کینہ سے پاک رہتا ہے کیونکہ اس معاشرے کے انسانوں کا باہمی طرزِ عمل دراصل احکامِ الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔

---

[۱] امام بخاریؒ نے یہ الفاظ حدیث ایمان میں نقل کیے ہیں۔ نیز ملاحظہ کیجیے مصنف کی کتاب قسمات من الرسول کا باب تعبد اللہ کانک تراہ۔

## حُبّ الٰہی

یہ عجیب بات ہے کہ اسلام کے زیر سایہ اور قرآن کے ماحول میں زندگی گزارنے والا مومن جہاں اللہ سبحانہٗ سے تقویٰ اور خشیت اختیار کرتا ہے وہیں وہ ذات باری تعالیٰ سے محبت بھی کرتا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کی حدود میں رہتے ہوئے اللہ سے محبت کرتا اور اس سے ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہے، مگر اللہ سبحانہٗ کی یہ محبت اور ان کی ملاقات کا یہ اشتیاق یکایک پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ دراصل یہ محبت و شوق بہت سے اعمال و اقوال اور متعدد مشاعر و احساسات کے بعد وجود میں آتا ہے اور ان سب اعمال و کیفیات کے نتیجے میں یہ محبت پیدا ہوتی ہے۔

مومن کی تمام زندگی اللہ سبحانہٗ کی معیت میں بسر ہوتی ہے وہ اس کائنات میں اپنی عملی زندگی اور اپنے نفس میں اپنے جذبات و احساسات کے ساتھ ہمہ وقت اللہ سبحانہٗ کی جانب متوجہ رہتا ہے اس کا ہر عمل ہر فکر اور ہر شعور اس کی نماز اور اس کی عبادت اللہ سبحانہٗ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے پوشیدہ مشاعر، اس کے نازک احساسات اور اس کے ہر لمحے اور ہر لحظے میں اس کی ذات کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے قائم اور استوار رہتا ہے اور بالآخر اسی دائمی تعلق کے نتیجے میں اللہ کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے ایسی محبت جن کو نہ الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی کوئی تعبیر اختیار کی جا سکتی ہے اور یہ محبت نفس کے آفاق کو سمیٹ لیتی اور اپنے نور سے کائنات کو منور کر دیتی ہے۔

ہر چند کہ حب الٰہی مومن کے نفس کے پردوں میں پنہاں ہوتی ہے مگر خود اس کی ذات سے مخفی نہیں ہوتی اور اسے اس کا پوری طرح احساس و شعور ہوتا ہے اور اس کا قلب اس محبت سے معمور ہوتا ہے اور وہ اس محبت کو الفاظ کے پیراہن میں بیان کرنے کا بالکل محتاج نہیں ہوتا۔

یہی محبت دراصل اوج عبادت ہے اور اسی کے طفیل مومن رضا و رغبت

اور شوق کے ساتھ عبادت میں لگا رہتا ہے اور ان تمام امور کو بڑی خوشی سے انجام دیتا ہے جن سے اس کی انسانیت ترقی کرتی اور اس کی روح انسانیت کی رفیع منازل کی جانب گامزن ہو جاتی ہے۔

مومن جب اسلام کے سائے تلے اور قرآن کی فضا میں زندگی گزارتا ہے تو وہ یقینی طور پر اپنے وجود کو اللہ جل شانہٗ کے سپرد کر دیتا ہے، اس لیے کہ اللہ ہی مالک و رازق ہے وہی موت و حیات کا مالک ہے اور وہی کائنات کے ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (فاطر: ۲)

"اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دوسرا کھولنے والا نہیں وہ زبردست اور حکیم ہے۔"

مومن زندگی کے ہر معاملے میں اللہ سبحانہٗ کی طرف رجوع کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر اللہ کی جانب رجوع کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت اور کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ غیر اللہ کی جانب رجوع سے انسان کو سوائے رسوائی، خسران، ضعف اور کمزوری کے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

أَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔

(النساء: ۱۳۹)

"کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔"

اور اگر انسان خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کو اپنا ملجا بنا بھی لے تو بھی وہ قدرتِ الٰہی سے باہر نہیں نکل سکتا، اور نہ کسی نقصان سے بچ سکتا ہے اور نہ اسے بغیر حکم الٰہی کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

"اس حقیقت کو اچھی طرح جان لو کہ اگر ساری امت مجتمع ہو کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی جب تک اللہ نے وہ فائدہ تمہارے مقدر میں نہ لکھ دیا ہو اور اگر سب لوگ مجتمع ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جب تک کہ اس نقصان کو اللہ میاں نے تمہارے مقدر میں نہ لکھ دیا ہو" (ترمذی)

غرض اللہ سبحانہٗ کی قدرت پر اس اعتقاد و یقین سے نفس انسانی میں اللہ پر اطمینان پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنے آپ کو تقدیر الٰہی کے سپرد کر دیتا اور اس کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔

یہی وہ عقیدہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس میں جاگزیں ہو گیا تھا اور آپؐ نے اپنی ذات اور وجود کو اللہ سبحانہٗ کے سپرد فرما دیا تھا اور آپؐ ہر آسانی اور ہر تکلیف میں رضائے الٰہی پر راضی اور اللہ کی مرضی پر مطمئن رہتے تھے۔ اس لیے کہ حقیقت یہ ہے کہ

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ (البقرہ: ۲۱۶)

"ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو"

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔

(النساء: ۱۹)

"تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو"

اللہ سبحانہٗ ہر امر سے واقف ہے اور وہی اسباب پر ان کے نتائج مرتب کرتا ہے اور ان نتائج کو اپنی حکمت اور قدرت سے بروئے کار لاتا ہے جب کہ انسان کسی شئے کا مالک نہیں ہے اور نہ اسے یہ قدرت ہے کہ وہ کسی سبب کا کوئی نتیجہ مرتب کر سکتا ہے اور نہ اسے حتمی طور پر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کہاں برائی مخفی ہے اور کہاں

اچھائی پنہاں ہے۔ اس لیے لازمی ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ہی مدبر ہے وہی قادر ہے اور وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام کے دور اول میں یہ عقیدہ مسلمانوں کے نفوس پر اثر انداز ہوا اور مسلمانوں نے اپنے نفوس اللہ سبحانہ کے سپرد کر دیئے اور اپنے تمام اعمال اور تمام مشاعر احکام الٰہی کے تابع کر دیئے اور اسی خیر کامل کو اختیار کر لیا اور حق کی اس صراط مستقیم پر گامزن ہو گئے۔

## ایمانِ حق

ایمانِ حق ہر نفس پر اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے اور اس طرح مومن اپنے ہر معاملے کو اللہ سبحانہ کے سپرد کر دیتا ہے، اس کی تقدیر پر مطمئن ہو جاتا ہے اور کسی بھی بڑی یا چھوٹی ناخوشگوار بات پر وہ مضطر اور پریشان نہیں ہوتا اور نہ خوشی کے وقت آپے سے باہر ہوتا ہے۔ نہ وہ رزق کے معاملے میں بے چین ہوتا ہے کہ رزق اللہ سبحانہ ہی کے ہاتھ ہے، نہ زندگی اور موت پر افسردہ ہوتا ہے کہ یہ بھی اللہ ہی کی قدرت میں ہے اور نہ بیماری اور نہ لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر جزع و فزع کرتا ہے کہ یہ سب امور اللہ سبحانہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا۔ (المعارج: ۱۹-۲۱)

"انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔"

اس ایمانِ حق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مومن ہر بار سے ہلکا ہو کر اعمالِ خیر میں لگ جاتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ اس طرح انسان میں سلبیت، کمزوری اور ناتوانی پیدا ہوتی ہے ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ نہ تو سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جہاد مسلسل سے گریز کیا اور نہ آپ کی راہنمائی میں تربیت پانے والی امت مسلمہ نے اس جہاد مسلسل سے کبھی پہلو تہی کی، بلکہ حضرت رسالت مآب

کی ذات گرامی اور آپؐ کے صحابہ مسلسل خیر و ترقی کی جد و جہد میں لگے رہے۔ اور انسانیت کو جو ترقی اور خیر کی معراج حاصل ہوئی وہ دراصل اپنی زندگیوں اللہ سبحانہٗ کے سپرد کر دینے کا ہی نتیجہ ہے اور یہی وہ خدا پر توکل ہے جس سے قوتِ ارادی صیقل ہوتی ہے اور قلب سے اعصاب کو تباہ کر دینے والے اضطراب اور قلق کا زنگ دُور ہو جاتا ہے اور خوف سے پیدا ہونے والا تردد اور واقعات کے مقابلے سے ناتوانی کا احساس یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ تمام واقعات و حادثات اور ان کے جملہ نتائج اللہ سبحانہٗ کے ہاتھ ہیں۔ تو پھر تردد، خوف اور ناتوانی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس توکل سے عزم، قوت اور جوش و ولولہ پیدا ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسی عزم قوت اور جوش و ولولے کے نتیجے میں تاریخ عالم کی وہ بے نظیر قوم ابھری جس کی تاریخ جہاد اور بے خوفی سے معمور ہے اور جو موت سے قطعًا خائف نہیں ہے۔ اور جو ساری بنی نوع انسان کے لیے خیر امت بنا کر پیش کی گئی ہے۔

## عبادت، روحانی تربیت کا مؤثر ذریعہ

مومن کی اس روحانی تربیت کا مؤثر ذریعہ عبادت ہے اور عبادت بھی اپنے مکمل اور جامع معنی کے لحاظ جو تمام زندگی پر مشتمل ہے۔ خود فرض عبادات یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج سے مقصود روح کی تربیت ہی ہے اور ان عبادات سے عملی زندگی کی مشکلات اور مسائل اور جسم کی گرانباریوں اور شہوتوں کی اکساہٹوں کے بالمقابل نفسِ انسانی کو توانائی میسر آتی ہے۔

خاص طور پر نماز ساری عبادتوں کا جوہر اصلی ہے اور اسی لیے اسلام میں نماز کی شدید تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ جب ایک مسلمان نماز کے لیے وضو کرتا ہے اور ہاتھ دھوتا ہے تو وہ ان ہاتھوں کو دھو کر صرف ان کی ظاہری گندگی ہی کو صاف نہیں کرتا بلکہ وہ گناہ کی ان آلودگیوں کو بھی دھو ڈالتا ہے جن کا ارتکاب اس نے ان ہاتھوں سے کیا ہو، اور وضو کرتے وقت اسے یہ شعوری احساس ہوتا ہے

کہ اس نے درحقیقت اپنے ہاتھوں کو گناہوں کی آلودگیوں اور میل کچیل سے بالکل پاک وصاف کر لیا ہے، یہی نہیں بلکہ وہ اپنے خدا کے حضور توبہ واستغفار کرتا ہے اور مغفرت کے لیے اللہ سبحانہٗ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔

مومن وضو کے دوران جب اپنا چہرہ دھوتا ہے اور اپنی آنکھیں دھوتا ہے تو جہاں آنکھوں سے گرد و غبار دھوتا ہے بلکہ ان آنکھوں سے پڑنے والی ہر گناہ کی نظر کا اثر بھی دھو ڈالتا ہے اور اپنی نگاہ کے گناہوں پر اللہ کے حضور شرمندگی کا اظہار کرتا ہے۔

اسی طرح وضو کرنے والا جب اپنی کلائیاں، اپنا تمام چہرہ اور اپنے پیر دھوتا ہے تو جہاں ان کے ظاہری میل کچیل کو دھو کر پاک وصاف کرتا ہے وہیں وہ اس وضو سے طہارت روح کا مقصد بھی حاصل کرتا ہے اور ان اعضاء سے سرزد ہونے والے گناہوں پر خدا سے معافی کا طلبگار ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اس کے جملہ اعضائے وضو ہر ظاہری میل کچیل اور ہر روحانی آلائش اور آلودگی سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔

وضو کے ان فوائد اور اس کی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار بیان فرمایا ہے، اور ان تاکیدات اور توضیحات کا مقصد یہی ہے کہ وضو کی اصل حقیقت مومن کے دل میں پوری طرح جاگزیں ہو جائے اور مسلمان اس کو محض ایک عادت کے طور پر انجام نہ دے کہ بے اعتنائی، بے توجہی اور غیر شعوری طور پر جوں توں وضو کر کے نماز شروع کر ڈالے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ مسلمان پورے شعور اور تمام توجہ کے ساتھ، پورے خشوع، عاجزی اور حسن نیت کے ساتھ وضو کرے اور پھر اللہ جل شانہٗ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو اور ان پاکیزہ نورانی لمحات میں خدائے لم یزل سے اپنا تعلق اور رابطہ قائم کرے۔

وضو کا مقصود صرف یہی نہیں ہے کہ مومن اس کے محسوس اور ظاہری پہلو کو مدنظر رکھے اور اس کے معنوی پہلو کو نظر انداز کر دے، کیونکہ اس کے معنوی پہلو کو نظر انداز کر دینے سے تو اس کی ساری افادیت ختم اور ساری معنویت ضائع ہو جائے گی کیونکہ

وضو کی اصل روح تو یہ ہے کہ مومن کے اعضاء نہ صرف یہ کہ ظاہری طور پر پاک ہو جائیں بلکہ یہ طہارت معنوی طور پر بھی ہو اور وہ فی الواقع معنوی طہارت اور روحانی پاکیزگی حاصل کر کے اللہ کے حضور سر جھکانے کے قابل ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ جب بندہ خدا کے حضور میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو تو اس کی روح کی پاکیزگی دھندلا چکی ہو اور پھر سے زنگ آلود ہو چکی ہو، بلکہ جب مومن وضو کر کے اپنے خدا کے حضور میں پہنچے تو اس کی روح بالکل پاکیزہ اور مطہر ہو اور ارضی آلائشوں سے بالکل پاک اور مادی زندگی کی الجھنوں، ضرورتوں وابستگیوں اور علائق دنیا سے بالکل بے نیاز ہو کر اور ہر آلائش سے پاک و صاف ہو کر ملکوت الٰہی کی سیر کرے اور اپنے خدا سے مناجات کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی باطنی روح کو فراموش کر کے صرف ظاہری جسم ہی کو مدنظر نہ رکھے اور یہ نہ ہو کہ عالم ظاہر تو اس کے مدنظر ہو مگر عالم مخفی سے وہ غافل ہو جائے بلکہ اسے تمام زندگی کا مکمل اور پورا شعور ہو اور اسے ضمیر کی گہرائیوں اور مکمل اور جامع حقیقت کا شعور اور ذات الٰہی کا وجدان حاصل ہو۔ اور اس شعور و وجدان کے ساتھ مسلمان نماز کا آغاز کرے اور عالم نور کی بے کراں وسعتوں میں داخل ہو جائے۔ اس کے قلب کے دریچے کھل جائیں اور اسے احساس ہو کہ وہ محسوسات کے تنگ دائرے، واقعی دنیا کی حدود اور مادی دنیا کی تنگنائیوں سے نکل کر بے حدود بے کراں وسیع عالم میں داخل ہو گیا ہے اور اس دنیائے نور میں پہنچ گیا ہے جس کی کوئی حدود نہیں ہیں جس نور کا ادراک صرف مجلّی اور پاکیزہ روح ہی کر سکتی ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ
فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا
كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا
شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ
نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔

(النور: ۳۵)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (کائنات ہیں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا۔ اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو، چاہے اس کو آگ نہ لگے (اس طرح روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں) اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے راہنمائی فرماتا ہے۔"

نماز بندے کا تعلق اس کے خالق سے قائم کر دیتی ہے اور یہ ایسی عجیب شئے ہے جس کی مخلوقات میں کوئی شئے بھی مشابہ نہیں ہے۔ یہ نماز ہی ہے جس کی بدولت انسان کی روح آسمانوں کی سیر کرتی ہے جب کہ وہ جسمانی طور پر زمین ہی پر موجود ہوتا ہے۔ نماز کی حالت میں مومن اللہ کے نور سے روشنی حاصل کرتا ہے اور مادی دنیا کے پردوں کو چاک کر کے آفاق بلند تک پہنچ جاتا ہے اور اس کی روح دوام اور حقیقت وجود سے آشنا ہو جاتی ہے۔[1]

روزہ کے بارے میں فرمان الٰہی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرہ: ۱۸۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔"

یعنی روزے کا اصل مقصود تقویٰ ہے اور یہ تقویٰ اللہ سبحانہ کے احکام کی اطاعت اور تعمیل سے پیدا ہوتا ہے اور یہ کہ انسان جسمانی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے پرہیز کرے تاکہ اس کا روزہ صرف کھانے پینے سے اجتناب کا روزہ نہ ہو بلکہ اس کے نفس کا روزہ ہو، اور اس روزے کے دوران وہ پوری طرح

---

[1] مصنف کی کتاب قبسات من الرسولؐ کا ایک باب جو شائع نہیں ہوا۔

اللہ سبحانہٗ کی جانب متوجہ ہو اور اس کے دل میں آنے والا ہر خیال اور اس کے شعور کا ہر احساس پاکیزہ ہو اور اس کی ہر نظر ہر تصور اور ہر سوچ طاہر ہو جس سے یہ روزہ کے صحیح اثرات مرتب ہوں یعنی قلب میں تقویٰ پیدا ہو اور روح آفاق بلند سے روشنی حاصل کر سکے۔

اسی طرح زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ نفس بخل کی برائی سے پاک اور روح خود پسندی کے بوجھ سے آزاد ہو جائے اور انسان پوری بنی نوع انسان کے ساتھ اخوت کے رشتے کو محسوس کرے۔ اور اسے ایسے انسانی بھائی چارہ کا احساس ہو جو اس کے احساس ملکیت پر غالب آجائے، کیونکہ تمام بنی نوع انسان ایک ہی خاندان کی طرح ہیں، اور خاندان کی ملکیت تمام افراد خاندان کی ملکیت ہوتی ہے اور اس اللہ کی نعمت اور اس کے عطا کردہ رزق میں سب شریک ہوتے ہیں۔

حج کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ۖ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا

لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ
فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ الَّذِينَ
إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ
وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۔ (الحج: ۲۷-۳۵)

"اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں، خود بھی کھائیں اور تنگدست و محتاج کو بھی دیں پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذر پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔ یہ تھا (تعمیر کعبہ کا مقصد) اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لیے بہتر ہے۔ اور تمہارے لیے مویشی جانور حلال کیے گئے ماسوا ان چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں۔ پس بتوں کی گندگی سے بچو جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اسے ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔ یہ ہے اصل معاملہ (اسے سمجھ لو) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ تمہیں ایک وقت مقرر تک اُن (ہدی کے جانوروں) سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے پھر ان (کے قربان کرنے) کی جگہ اسی قدیم گھر کے پاس ہے ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ (اس امت کے) لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں (ان مختلف طریقوں کے اندر مقصد ایک ہی ہے) پس تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اور اسی کے تم مطیع فرمان بنو اور اے نبیؐ بشارت دیدے عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا

ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں جو مصیبت بھی ان پر آتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

مقدس مقامات کی زیارت اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے عملی زندگی میں عجیب اور بے مثال نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور بہت ہی عجیب حالات رونما ہوتے ہیں اور انسانی نفس اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد مادی وابستگیوں اور جسمانی خواہشوں سے پاک وصاف ہو کر خالصتاً اللہ سبحانہٗ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی رضا اور مغفرت کا طلبگار ہوتا ہے۔

اور جب حجاج ان مقامات سے گزرتے ہیں جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تھے ان مقامات پر نماز پڑھتے ہیں جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی اور ان مقامات پر عبادات کرتے ہیں جہاں وحی نازل ہوئی اور جہاں رسالت مآبؐ نے جہاد کیا اور صبر کیا اور جنگ کی اور فتح و کامیابی سے ہمکنار ہوئے تو حجاج کے دل کی گہرائیوں میں عجیب احساسات پیدا ہوتے ہیں، اور ان کے آلائشوں سے پاک وجود اللہ کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔[1]

## اسلام میں عبادت کا مفہوم

مذکورہ بالا اسلام کی چند عبادات ہیں لیکن اسلام میں عبادت کے محدود معنی نہیں ہیں بلکہ اسلام میں عبادت کے بڑے وسیع معنی ہیں اور اس کا حقیقی مفہوم تمام زندگی کو مشتمل ہے۔ یعنی انسان جو عمل بھی خدا کے حکم کے مطابق اور رضائے الٰہی کی خاطر انجام دے وہ عبادت ہے اور جس فعل کو اللہ کی رضا کے لیے ترک کردے وہ بھی عبادت ہے۔ نفس کی گہرائیوں سے ابھرنے والا ہر پاکیزہ شعور عبادت ہے اور خدا کی رضا کے لیے ہر پست تصور سے رک جانا بھی عبادت ہے۔ شب و روز میں کسی بھی وقت اللہ کی یاد عبادت ہے اور اس طرح انسان کی تمام زندگی عبادت ہے اور انسان زندگی کے جس پہلو کو بھی احکام الٰہی کی پیروی میں گزار رہا ہو وہ عبادت ہے۔

---

[1] ملاحظہ کیجیے۔ النفس والمجتمع کا باب "اسلامی عبادات"۔

غرض اسلام میں عبادت کا مفہوم بندے کا اپنے خدا کے ساتھ مسلسل تعلق اور رابطہ کا نام ہے اور یہی تعلق روح کی دائمی تربیت ہے۔ یہ تعلق محبت، خشیت اور تقویٰ کا تعلق ہے یہ تعلق خدا کی رضا کے حصول اور اس سے محبت کا تعلق ہے اور اس تعلق کے بے شمار نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ایک نتیجہ تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اور کائنات کے درمیان محبت و الفت، نرمی اور مہربانی کا ایک عجیب اور جاندار رابطہ قائم ہو جاتا ہے، کیونکہ انسان اس عظیم ترین کائنات ہی کا ایک حصہ ہے اور اسی خالق کی مخلوق ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اس لیے انسان اور کائنات میں قرابت اور الفت کا تعلق قائم ہونا چاہیے اور ایک قلب کو دوسرے قلب سے اور ایک شعور کو دوسرے شعور سے ربط ہونا چاہیے۔

اس تعلق اور ربط کو قرآن کریم مختلف ذرائع سے ابھارتا ہے۔ چنانچہ کہیں مناظر کائنات زندہ اور متحرک انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ۔ (فصلت: ۱۱)

"اس نے آسمان اور زمین سے کہا، وجود میں آجاؤ، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، انہوں نے کہا، ہم دونوں آگئے فرمانبرداروں کی طرح"

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔

(الانشقاق: ۱-۵)

"جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے فرمان کی تعمیل کرے گا اور اس کے لیے حق یہی ہے (کہ اپنے رب کا حکم مانے) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اس کے لیے حق یہی ہے (کہ اس کی تعمیل کرے)۔"

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا۔ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا۔ (الشمس: ۱-۴)

"سورج اور اس کی دھوپ کی قسم اور چاند کی قسم جب کہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے اور دن کی قسم جب کہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے اور رات کی قسم جب کہ وہ (سورج کو) ڈھانک لیتی ہے۔"

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا۔ (الزلزلۃ: ۱-۵)

"جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی اور انسان کہے گا کہ یہ اس کو کیا ہو رہا ہے، اس روز وہ اپنے (اوپر گذرے ہوئے) حالات بیان کرے گی کیونکہ تیرے ربّ نے اسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہو گا۔"

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِىْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ (یٰسٓ: ۴۰)

"نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔"

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ۔ (الحج: ۵)

"اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی۔"

تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ۔ (فصلت: ۳۹)

"اور تم دیکھتے ہو کہ زمین دبی پڑی ہے پھر جہاں ہم

مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی۔"

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ (الحشر: ۲۱)

"اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔"

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً۔ (الاسراء: ۱۲)

"دیکھو ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے، رات کی نشانی کو ہم نے بے نور بنایا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا۔"

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ۔ (التکویر: ۱۷، ۱۸)

"اور رات کی جب کہ رخصت ہوئی اور صبح کی جب کہ اس نے سانس لیا۔"

کہیں پر تمام مخلوقات کا یکجا ذکر کیا جاتا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (الحشر: ۱)

"اللہ ہی کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی غالب اور حکیم ہے۔"

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ۔ (التغابن: ۴)

"زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اسے علم ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب اس کو معلوم ہے۔"

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ (الروم: ۲۶)

"آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اسی کے بندے ہیں سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔"

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ۔ (الاحزاب:۷۲)

"ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔"

کبھی یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان اسی مٹی سے پیدا ہوا جس سے دیگر مخلوقات وجود میں آئی ہیں۔

وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا۔ (نوح: ۱۷،۱۸)

"اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اگایا پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس لے جائے گا اور اس سے یکایک تم کو نکال کھڑا کرے گا۔"

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ۔ (طٰہٰ: ۵۵)

"اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکال لیں گے۔"

## جمالِ تخلیق

فنون لطیفہ بھی انسان اور کائنات کے درمیان ربط و تعلق پیدا کرتے ہیں مگر ان سے اس کا اصل مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جمال کائنات نظریہ اسلامی کا ایک حصہ ہے اور اس کے ذریعے نفس میں وسعت تصور میں گہرائی اور ادراک میں بصیرت پیدا ہوتی ہے اور اس سے مقصود اللہ سبحانہ تک رسائی ہے اور اس طرح فن عقیدے سے مل جاتا اور مادی احساس روحانی احساس کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ اس وسعت اور جامعیت سے انسان کی اندر کی دنیا سنور جاتی اور نکھر جاتی ہے اور انسان، انسان صالح بن جاتا ہے کیونکہ اس کے آفاق کی

وسعت کی بنا پر اور اس کا اللہ سے تعلق قائم ہو جانے کی بنا پر اس کے نفس کے سامنے سے پردے ہٹ جاتے اور رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔

اس بلند آفاقیت کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان تمام جانداروں سے محبت کرنے لگتا ہے کیونکہ جب انسان روح کے رشتے سے اپنے اور تمام زندہ کائنات کے درمیان ایک تعلق کا احساس کرتا ہے تو اس کو اپنے اندر ایک جاندار تعلق ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور وہ تمام زندگی کی حامل موجودات کے ساتھ ایک تعلق محبت کا احساس کرنے لگتا ہے۔

قرآن کریم میں زندہ موجودات کے بارے میں گفتگو، خواہ وہ نباتات ہوں یا حیوانات، انسانی نفس میں یہی احساس پیدا کرتا ہے اور انسان ان موجودات سے قرابت کا گہرا روحانی تعلق محسوس کرنے لگتا ہے اور اس طرح ہر انسان میں ہر جاندار کے لیے ایک تعلق محبت پیدا ہو جاتا ہے اور حتیٰ کہ یہ تعلق اس وقت بھی موجود ہوتا ہے جب انسان کسی جانور کی ایذا رسے اپنی مدافعت کر رہا ہوتا ہے اور اس وقت بھی انسان کے دل میں محبت والفت اور نرمی و مودت کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔

یہ احساس اور تمام وسیع کائنات کے ساتھ الفت کا احساس انسانی نفس کی تہذیب اور اس کی سختی اور خشونت دُور کرنے میں بڑا موثر ثابت ہوتا ہے، کیونکہ نفس کو اس نرم و نازک اور لطیف احساس الفت اور شعور مودت کا عادی بنا لینے سے نفس کی اس کسلمندی کا ازالہ ہو جاتا ہے جو اس میں مادی اور واقعی زندگی کے برتاؤ سے اور حصول رزق کی جدوجہد سے پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کسلمندی انسانی جسم میں زہر کی طرح سرایت کر جاتی اور اسے ناکارہ بنا دیتی ہے اس لیے اس کا دُور کرنا انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ جس طرح جسم کھانوں کی تیزابیت کے جمع ہو جانے سے بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح نفس بھی سمومیت کے ارتکاز سے بیمار ہو جاتا ہے اور نفس کی یہ سمومیت جذبۂ محبت سے دُور ہوتی ہے جو دراصل وہ بلند اور شفاف روح ہے جس میں عظمت انسان جھلکتی ہے اور جو اس نفخۂ روحانی کی خوشبو ہے جسے اللہ سبحانہٗ نے مشت خاکی میں پھونکا ہے۔

اور یہی وسیع حدود کی حامل ہر شئے سے محبت ہے جو اسلام اور قرآن نفس انسانی میں پیدا کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام انسان اور انسان کے درمیان رشتہ محبت و مودت پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ انسان ان دوسرے انسانوں سے بھی محبت کرتا ہے جو اس کو زندگی کے راستوں میں تکلیفیں پہنچاتے اور اس کے لیے اذیت کا باعث بنتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی دائمی عبادت اور مسلسل اور پیہم اس کی رضا کے حصول کی کوشش انسان کے شعور کی گہرائیوں دوسرے افرادِ بنی نوعِ انسان کے لیے جذبۂ محبت پیدا کر دیتی ہے۔ کیونکہ تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور بربنائے تخلیق باہم بھائی بھائی ہیں اور تمام انسان مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور اس تخلیقی ماہیت کے لحاظ سے باہم بھائی بھائی ہیں اور سب انسانوں کو اللہ ہی کی جانب رجوع کرنا ہے اس لیے بلحاظ انجام بھی بھائی بھائی ہیں اور سب ایک ہی نفس سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے بربنائے انسانیت بھائی بھائی ہیں اور تمام انسانوں کو اللہ واحد ہی کی عبادت کرنی چاہیے اس لیے مقصد وجود کے لحاظ سے بھی بھائی بھائی ہیں۔

اور اسی سے انسانیت میں محبت اور افرادِ بنی نوع انسان میں تعلق پیدا ہوتا ہے اور اس تعلق اور اس رشتے کو اسلام اپنی ہدایات اور توجیہات سے غذا پہنچاتا ہے، یہاں تک کہ یہ تعلق عقیدے کا ایک جز اور انسانی وجود کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔

نفس کی گہرائیوں میں موجود اس اصول اور ضابطہ کی بناء پر لوگوں میں برائی کی کشمکش ایک زائل ہو جانے والی عارضی حالت ہوتی ہے اور سلامتی ہی زندگی کی اصل اور مستقیم (Normal) حالت ہوتی ہے جب کہ جنگ و پیکار ایک شاذ (Abnormal) حالت ہوتی ہے۔ خواہ یہ پیکار و کشمکش اور یہ جنگ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اور خواہ ایذاء رسانی اپنی انتہا کو کیوں نہ پہنچ جائے مگر افرادِ بنی نوع انسان کے درمیان کینہ نہیں ہوگا بلکہ وہ بدستور اپنے دلوں میں برائی کو برا ہی محسوس کرتے رہیں گے اور اس امر کی توقع رکھیں گے کہ کسی وقت وہ ہدایت پا جائیں گے اور سرکشی سے باز آ جائیں گے۔

بلکہ اگر یہ امید بھی منقطع ہو جائے اور یہ توقع بھی ختم ہو جائے، شر بالکل چھا جائے اور جنگ برملا ہو جائے پھر بھی کینوں پر غالب آ جانے والے بلند انسانی مشاعر کی بنا پر یہ جنگ جنگلی جانوروں کی سی جنگ کی طرح نہ ہو گی اور اس میں ان جیسی وحشت و بربریت پیدا نہیں ہو گی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور سختی سے اس کی ممانعت کی ہے اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"اللہ سبحانہ نے ہر شئے کے بارے میں حسن کاری لازم فرمائی ہے
اسی لیے جب تم قتل کرنے لگو تو اس قتل میں بھی احسان سے کام لو"

نیز آپؐ نے فرمایا۔ کہ

"قیدیوں سے اچھا سلوک کرو"

اور آپؐ نے اپنی قوم کے ان افراد کے بارے میں جنہوں نے آپؐ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہر طرح کی زیادتیاں کیں، فرمایا۔

"اے اللہ! میری قوم کے لوگوں کو معاف فرما دے کہ یہ نہیں جانتے"

مسلمانوں نے ہر جنگ میں اسی شعور و عمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ صلیبی جنگوں میں جب انہیں اس دشمن پر قدرت حاصل ہوئی جو تمام معاہدوں کی دھجیاں بکھیر چکا تھا اور جس نے ہر سرکشی اور عہد شکنی کو شعار بنایا ہوا تھا اور جس نے بیت المقدس میں مسلمانوں کا قتل عام کر کے ان کے خون کا ہولناک حوض بھر دیا تھا اس وقت بھی مسلمانوں نے اپنی مذہبی ہدایات کے پیش نظر اپنے نفس اور تمام انسانیت سے بلند تر ہو کر مجرمین سے ہو بہو انتقام نہیں لیا!

یہ پاکیزہ اور رفیع ترین احساس و شعور ہی در اصل دنیا میں ایک خوشگوار اور صالح زندگی کی مفتاح ہے اور یہی اللہ کی سنت اور اللہ سبحانہ کی مسلسل اور پیہم عبادت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

ہر چند کہ انسانی اصلاحی تحریکات کے مدنظر بھی یہی مقصد ہوتا ہے اور ہر تحریک

کسی نہ کسی خیر پر ضرور مشتمل ہوتی ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ چونکہ انسانی اصلاحی تحریک اللہ سے جدا اور عقیدے سے دُور ہوتی ہے اس لیے وہ نہ تو اپنے دائرہ حدود سے تجاوز کر سکتی ہے اور نہ عملی زندگی میں کوئی واقعی نتیجہ بروئے کار لا سکتی ہے بلکہ اس کی حقیقت ایک خواب اور دلکش تصور سے آگے نہیں بڑھتی۔ جیسے مثلاً گاندھی کے بلند انسانیت کے نعروں کو لیجیے کہ جوں ہی یہ تصورات عملی زندگی میں آتے ہیں اور ان کا واسطہ مسلمانوں سے پیش آتا ہے یہ فوراً سخت، مذہبی عصبیت اور وطنی قومیت میں تبدیل ہو کر ہر حرمت کو پامال کرتے اور ہر قانون کو پاؤں تلے روندتے نظر آتے ہیں۔ اشتراکیت ہی کو لیجیے جس نے عملی صورت میں ۱۹۴۸ء میں عرب دنیا پر اسرائیل کے ناجائز قبضے کی تائید کی اور الجزائر میں فرانس کے ظلم وستم کی مؤید بنی رہی۔ (حالانکہ اشتراکیت بزعم خود ساری دنیا کے مظلوموں کی دادرسی کی دعوے دار ہے)۔

## عبادتِ الٰہی کے فوائد

عبادتِ الٰہی کا ایک فائدہ یہ مرتب ہوتا ہے کہ انسان جسمانی محرک پر غلبہ پا کر مادی بوجھ کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے۔ بلاشبہ انسانی وجود کے جسمانی محرکات بھی ناگزیر ہیں اور ان کی تکمیل بھی مطلوب اور پسندیدہ ہے، یہ نہیں کہ ان کی تکمیل بری اور نجس ہو اس لیے انہیں دبا دیا جائے لیکن اس کے باوجود اگر انسان ان ہی جسمانی محرکات کا ہو کر رہ جائے تو انسان اپنے رفیع اور موزوں منصب خلافت کے لائق نہ رہے اور انسانیت کے مرتبے سے گر کر ایک حیوان بن کر رہ جائے۔ اور نہ اپنی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے اور ان سے کبھی آزادی نہ حاصل کر سکے اور نہ ان کی تکمیل ہی میں کامیاب ہو سکے۔ اس لیے کہ خواہشات نفس کی جس قدر تکمیل کی جاتی ہے اسی قدر ان کی آگ بھڑکتی اور ان کی بھوک چمکتی رہتی ہے حتیٰ کہ نفسانی خواہشات جہنم کی طرح منہ کھول کر کھڑی ہو جاتیں اور ہل من مزید پکارنے لگتی ہیں اور کسی صورت میں بھی انسان کے بس میں نہیں رہتا کہ ان کی تکمیل کر سکے۔

اسی لیے اسلام ان محرکات اور دوافع کو کچلتا نہیں ہے بلکہ ان کو بروئے کار لاکر انہیں متوازن بناتا ہے اور روح کا رشتہ عالم ملکوت سے استوار کر کے جسمانی محرکات کو متوازن بنا دیتا ہے اور اس طرح روحانی پرواز سے انسان کسی قدر مادی گرفت سے آزاد ہو جاتا اور قلب کی سبک سیری سے جسم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ اور انسان اپنے آپ کو ایسا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتا ہے جیسے وہ کسی ایسے سیارہ پر چل پھر رہا ہو جس کی کشش ثقل بالکل کم ہو اور انسان اس پر اڑتا ہوا اور پرواز کرتا ہوا چلے۔

عبادتِ الٰہی کی ایک تاثیر یہ ہے کہ انسان مادی قوتوں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے، ظاہر ہے کہ قوت الٰہی کے بالمقابل مادی قوتوں کی مطلقاً کوئی حقیقت نہیں ہے، اس لیے کسی مادی اور ارضی قوت کی پرستش سے سوائے ذلت درماندگی اور پستی کے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

مادی قوت، یا تو اللہ کی بتائی ہوئی منہاج اور اس کی ہدایت کے مطابق ہوگی تو یہ قوت حق کی قوت ہوگی اور اس کی تائید لازمی ہے اور جس قدر بھی انسان کے بس میں ہو اس قوت کو ابھارے اور بروئے کار لائے۔ یا یہ قوت اللہ کی بتائی ہوئی منہاج سے ہٹی ہوئی اور اس کی بتائی ہوئی صراط مستقیم سے منحرف ہوگی تو یہ قوت باطل کی قوت ہوگی اور جس قدر انسان کے بس میں ہو اس قوت کی مزاحمت اور اس کا مقابلہ کرے اور اس سے جہاد کرے۔

حق اور باطل کے مابین مصالحت کا کوئی رویہ درست نہیں ہے بلکہ حق ہمیشہ اور مسلسل باطل سے جہاد کرتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ سبحانہ حق کو کامیاب کر دے اور اہل حق کو زمین اور اہل زمین کا وارث بنا دے۔ اور یہ جہاد انسان کے لیے اللہ کے مقرر کردہ اصولوں کے تحت ہوگا اور یہ بہر حال جہاد ہوگا ایسا جہاد جس میں غلبہ اور فوقیت ہو، کمزوری ذلت اور بے چارگی نہ ہو۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران: ۱۳۹)

"دل شکستہ نہ ہو غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔"

مومن کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ حق ہر مادی فاسد طاقت سے بہتر اور زیادہ قوی ہے اگرچہ اس وقت عملاً حق کی مادی قوت باطل کی قوت سے کمزور نظر آئے اگرچہ حق مغلوب ہی کیوں نہ ہو جائے اور اس کی مادی قوت جہاد سے عاجز ہی کیوں نہ آ جائے۔ اس لیے کہ حق کی قوت اللہ کی قوت سے مربوط اور اس کی روح اللہ کی جناب سے ہدایت یافتہ ہے اور اسی لیے اسے باطل پر غلبہ حاصل ہے۔

باطل پر حق کے غلبہ کا یہ تصور عقیدہ اسلامی کا ایک اہم بنیادی عنصر اور اسلامی تربیت کا ایک جز ہے اور یہ نتیجہ ہے عبادت الٰہی اور تعلق باللہ کا، اور یہ ثمرہ کبھی یکلخت سامنے آ جاتا ہے اور کبھی رفتہ رفتہ اور آہستہ آہستہ حاصل ہوتا ہے لیکن بہر حال ایمان کے لیے یہ تصور ناگزیر ہے۔

عبادت الٰہی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ وہ مادی قوتیں جو بظاہر حق نظر آتی ہیں مگر درحقیقت باطل ہوتی ہیں، انسان اللہ کی قوت سے مدد حاصل کر کے ان پر غلبہ پا لیتا ہے۔

اقتصادی قوتیں، سیاسی قوتیں، اور مادی قوتیں سب کے سب حقائق ضرور ہیں اگر یہ حقیر اور چھوٹی چھوٹی حقیقتیں ہیں جن میں نہ تو کوئی جبریت (Determinism) ہے اور نہ ان میں سے کوئی حقیقت تنہا کسی امر کو انجام تک پہنچا سکتی ہے۔ جب کہ عقیدہ ان سب قوتوں پر غلبہ پا سکتا ہے اور انہیں صحیح رہنمائی عطا کر سکتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جب مرتدین ـــــ مانعین زکوٰۃ ـــــ سے جہاد کا ارادہ فرمایا، آپ اس وقت بالکل تنہا تھے اور کوئی مادی طاقت آپ کے ساتھ نہ تھی، لشکر اسلام اس جنگ سے گریزاں تھا اور افکار اس ٹکراؤ سے خوفزدہ تھے، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ جنہوں نے اسلام میں بھی اور جاہلیت میں بھی زبردست جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، اس مسئلہ میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے متفق نہیں تھے، مگر ان سب باتوں کے

باوجود حضرت ابوبکرؓ نے فتح حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو یہ فتح قوت ایمانی سے حاصل ہوئی اور اس عجیب رُوحانی طاقت سے حاصل ہوئی جس کو ان کے اندر اسلام نے ابھارا تھا اور جو ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق سے پیدا ہوئی تھی اور یہ قوت اور طاقت ہر قوت پر غالب آگئی تھی اور اس نے ہر پیمانہ بدل کر رکھ دیا تھا۔

اسی لیے اسلام نے اس روحانی طاقت کے حصول پر زور دیا ہے اور اسے اولین مقام عطا کیا ہے اس لیے کہ فی الواقع روحانی قوت ہی واقعی اور عملی زندگی کی صورت گری کرتی ہے، یہی تعمیر و ترقی کی ضامن اور یہی حقیقی اور اصلی جوہر ہے جب کہ مادہ کی حیثیت محض لباس اور ظاہری پیکر کی سی ہے۔

اسلام روح کی تربیت کے لیے یہ طریقہ اختیار کرتا ہے جو عمیق جامع اور مکمل ہے اور جو انسانی نفس کے مضراب کے ہر تار کو چھیڑتا ہے اور اس کے ہر جاندار پہلو کو بروئے کار لاتا ہے یہ طریقہ تربیت درحقیقت پوری انسانی زندگی کو مشتمل ہے اور زندگی کا کوئی پہلو بھی اس کے دائرۂ اثر سے خارج نہیں ہے اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو بغیر راہنمائی کے رہ گیا ہو۔ اور جس میں اسے پوری ہدایت نہ دی گئی ہو۔

اسلام کا یہ نظام تربیت شب و روز کا دائمی اور مسلسل عمل ہے جو انسان کی ہر عمل اور روش میں راہنمائی کرتا ہے بلکہ اس کے نفس کے اندر اس کے ساتھ رہتا ہے اور اس کے مشاعر کو مانوس بناتا اور اس پر اللہ کے نور کا فیضان کرتا ہے۔

---

باب پنجم

# عقل کی تربیت

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ انسانی وجود ایک مربوط اور پیوست وحدت ہے اور اس وحدت کے اجزاء یعنی جسم عقل اور روح ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ہم ضرورتاً برائے گفتگو ان کو علیحدہ علیحدہ موضوع بنا لیتے ہیں مگر فی الواقع یہ جدا جدا نہیں ہیں۔

اس باب میں اور اگلے باب میں ہم اسی ارتباط اور پیوستگی کی حقیقت بیان کریں گے اگرچہ ہم نے تربیت روح کو بھی ایک علیحدہ باب میں موضوع گفتگو بنایا ہے اس لیے کہ روح ہی وہ اساس ہے جس پر اسلام کی تمام عمارت قائم ہے اور یہی روح اسلام میں جملہ اجتماعی، اقتصادی، سیاسی، اخلاقی اور فکری اداروں کی بنیاد ہے، لیکن اس باب میں بھی اور اگلے باب میں بھی یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ عقل کی تربیت اور جسم کی تربیت دونوں کی دونوں روح کے ساتھ مربوط ہیں اور اس کے ساتھ مل کر اور مربوط و پیوست ہو کر ایک وجود اور ایک وحدت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور آگے چل کر ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ دراصل اسلامی منہاج اپنے ہر اسلوب تربیت میں روحانی پہلو کو مدِ نظر رکھتا ہے یعنی باغ انسانیت کا ہر پودا روح سے غذا حاصل کر کے نشو و نما پاتا ہے اور گلستانِ آدم کا ہر غنچہ روح کی خوشبو سے مہکتا ہے اور انسانی فکر کی ہر سوچ اور انسانی جسم کی ہر حرکت روح کے تابع ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقل انسانی اللہ کی نعمتوں سے ایک بڑی نعمت اور انسانی قوتوں میں سے ایک اہم قوت ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ - (الملک: ۲۳)

"ان سے کہو، اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیئے مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔"

فئواد کا لفظ قرآن کریم میں عقل یا شعوری قوت یا قوت ادراک کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

انسان کو اس کی عقل نے فریب میں مبتلا کیا ہے کیونکہ اسی عقل کے ذریعے انسان نے اشیاء کے درمیان امتیاز کیا ہے ان کی خصوصیات (Characteristics) کو دریافت کیا ہے ان کے فوائد دریافت (Discover) کیے ہیں اور کائنات میں موجود مادہ کو مختلف صورتیں عطا کی ہیں۔

خاص طور پر دورِ جدید کے انسان کو اس کی عقل نے فتنے میں مبتلا کر دیا ہے اور عقل کے ذریعے ہونے والی ایجادات اور اکتشافات اور ایٹم اور راکٹ کی ایجادات سے عقل ہی کو خدا مان بیٹھا ہے۔ اور اس نے عقل کو سب کچھ سمجھ کر روح کو بالکلیہ نظر انداز کر دیا ہے جو روح اللہ سے تعلق اور نامعلوم کی واقفیت کا ذریعہ ہے۔

انسان کا یہ فریبِ عقل بالکل ہی بے بصر ہے کیونکہ اگر اس میں بصیرت ہوتی تو انسان خود اپنے وجود کے پر تراش کر اسے مادہ کا پابند اور زمین کا گرفتار نہ بنا دیتا جب کہ انسان اس پر قادر تھا کہ اپنے قدموں سے زمین کے فاصلے طے کرے اور اپنے بازوؤں سے آسمانوں کی وسعتوں کی سیر کرے اور بیک وقت مادی فتوحات اور روحانی ترقیات سے ہمکنار ہو جائے۔

اگر دورِ جدید کے انسان میں بصیرت ہوتی تو وہ کائنات کی اس عظیم قوت یعنی قوتِ روح کو ضائع کر کے عقل کو اس قدر وسعت نہ دیتا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عقل انسانی تنہا راہنمائی نہیں کر سکتی بلکہ اسے روحانی قوت کی بھی انتہائی شدید ضرورت ہے تاکہ وہ عقل کے راستوں کو منور کر سکے اور تاریک راہوں میں اس کی راہنمائی کر سکے۔

سائنسی ایجادات اور اکتشافات انسانی زندگی کی کوئی راہنمائی نہیں کرتے بلکہ جو شئے انسانی زندگی کی راہنمائی کرتی ہے وہ ان سائنسی ایجادات و اکتشافات کا طریقۂ استفادہ ہے کہ کیا انہیں خیر میں استعمال کیا جائے یا شر میں اور کیا انہیں صلح و سلامتی کے لیے برتا جائے یا جنگ اور فساد کے لیے بروئے کار لایا جائے۔

بلاشبہ عقل بھی تمیز خیر و شر رکھتی ہے مگر عقل راستے کا تعین نہیں کر سکتی بلکہ اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ عقل کسی امر کو غلط اور نارو ا بتاتی ہے مگر پھر روح کے انحراف اور شہوتوں کے بہاؤ میں بہ کر اسی غلطی اور خطا کا ارتکاب کر بیٹھتی ہے۔ جب کہ اللہ سے تعلق رکھنے والی ہدایت یافتہ روح ہی خیر کا راستہ متعین کرتی اور اس راستہ کے ذریعے منزل تک پہنچنے کے لیے عقل کو کام میں لاتی ہے اور گمراہ اور بھٹکی ہوئی روح برائی کا راستہ متعین کرتی اور عقل کو برائی پر چلنے میں لگاتی ہے!

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے وہ اللہ سبحانہٗ کی عطا کردہ تمام انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کا احترام کرتا اور ان صلاحیتوں کو صحیح اقدار بخشتا ہے اور ان کو انسانیت کے مفاد میں بروئے کار لاتا اور اس کی دنیاوی زندگی کی اصلاح میں لگا دیتا ہے۔ اور اسی لیے وہ ان صلاحیتوں کو روح کی توانائی بہم پہنچاتا ہے تاکہ یہ توتیں روح سے قوت و غذا حاصل کر کے مزید متحرک اور موثر ہو سکیں۔

## عقلی تفکر کے دائرہ کی تحدید

اسلام عقل کی تربیت کا آغاز اس طرح کرتا ہے کہ عقلی تفکر کے دائرہ کار کی تحدید کر کے اس کو بلا وجہ ان مغیبات کی جستجو میں ضائع ہو جانے سے بچا لیتا ہے جن کے جاننے کا انسانی عقل کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ اسلام بقدرِ ضرورت ان مغیبات سے خود ہی انسان کو روشناس کرا دیتا ہے اور اس مسئلے کو بھی روح کے سپرد کر دیتا ہے کہ روح ہی اس علم کے حصول کی قدرت رکھتی ہے اور روح ہی ضروری وسائل کی حامل بھی ہے جب کہ عقل کا اللہ کی معرفت اور حق کی معرفت کا ذریعہ ظاہری محسوسات اور عقلی مدرکات پر غور و فکر کرنا ہے اور اسی

لیے اسلام نے عقل کو اسی دائرہ کار میں محدود رکھا ہے اور اس فلسفہ اور علم الٰہیات (Metaphysics) کی طرح سرگرداں نہیں چھوڑا ہے کہ عقل بھٹکتی رہے مگر اسے کچھ حاصل نہ ہو۔

بعد ازاں اسلام نے عقلی قوت کی تربیت کے لیے نتیجہ خیز استدلال اور معرفت حق کا ذریعہ اختیار کیا اور اس مقصد کے لیے یہ دو وسائل بروئے کار لایا۔

۱- عقل غور و فکر کے لیے صحیح منہاج۔

۲- نوامیس کائنات اور ان میں موجود باریکی اور ہم آہنگی کا مطالعہ۔

پہلے وسیلہ کے طور پر اسلام نے جو ہدایات دی ہیں اور جو راہنمائی کی ہے اس میں آغاز اس امر سے کیا ہے کہ انسان ان طے شدہ باتوں سے فکر کو خالی کرلے جن کی بنیاد یقین کے بجائے ظن اور تقلید آباء ہے چنانچہ تقلید آباء کے بارے میں قرآن فرماتا ہے۔

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ۔ (الزخرف: ۲۳)

"ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں۔"

قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔ (البقرہ: ۱۷۰)

"تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کیے چلے جائیں گے۔"

اور اتباع ظن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے۔

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ۔ (النجم: ۲۳)

"حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشات نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں۔"

اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ۔ (النجم: ۲۸)

"وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔"

اس کے بعد قرآن یہ تعلیم دیتا ہے کہ کسی امر کو عقیدہ بنانے سے پہلے اس کا ثبوت فراہم کر لیا جائے۔

وَ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا ۔ (الاسراء: ۳۶)

"کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ کان اور دل سب کی بازپرس ہونی ہے۔"

یہ ایک بہت بڑی ذمے داری ہے جس کی عظمت کا احساس قرآن نے اس طرز تعبیر سے دلایا ہے کہ اولاً آنکھ کان اور دل کو جدا جدا مسئول قرار دیا اور ثانیاً "یہ سب" کہہ کر اجتماعی طور پر سب کو مسئول قرار دیا، اور یہ اس لیے تاکہ انسان اس عظیم ذمے داری کا احساس کرے اور جب کسی معاملے کی جانب قدم اٹھائے تو سبک روی سے اسے اختیار نہ کر بیٹھے بلکہ اس امر کے ثبوت کے بعد اسے اختیار کرے۔

اس سلسلے میں قرآن نے کئی واضح ہدایات دی ہیں۔ مثلاً اصحاب کہف کے تذکرے میں فرمایا۔

ھٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً ؕ لَوۡ لَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ ۔ (الکھف: ۱۵)

"یہ ہماری قوم تو رب کائنات کو چھوڑ کر دوسرے خدا بنا بیٹھی ہے یہ لوگ ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔"

جب یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر معبودان باطل کو الٰہ بنا بیٹھے ہیں تو وہ اس پر کوئی واضح

دلیل کیوں نہیں لاتے اور اس کا عقلی ثبوت کیوں فراہم نہیں کرتے۔

واقعۂ افک کے بارے میں قرآن فرماتا ہے۔

لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَأُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۔ (النور: ۱۳)

”وہ لوگ (اپنے الزام کے ثبوت میں) چار گواہ کیوں نہ لائے اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں“

چنانچہ اقامت حدود میں شہادت اس لیے ضروری قرار دی گئی ہے تاکہ درپیش معاملہ پوری طرح ثابت ہو جائے اور یہ نہ ہو کہ اٹکل پچو کوئی حکم لگا دیا جائے اور یقینی کیفیت حاصل نہ ہو۔ اور اسی لیے سنت نبویؐ سے مأخوذ یہ فقہی اصول اختیار کیا گیا ہے کہ شبہ کی موجودگی میں حد ساقط ہو جاتی ہے یہ اصول بھی اسی لیے ہے تاکہ کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی حکم جاری کرنے سے پہلے اس کا پورا پورا ثبوت مہیا ہو جائے اور جب تک دلیل قطعی نہ فراہم ہو جائے اسے معلق اور غیر فیصل شدہ معاملہ ہی تصور کیا جائے۔

غرض یہ تمام ہدایات اس لیے ہیں تاکہ قوت عقلیہ کو صحیح عمل کے طریقہ اور درست منہاج فکر کی تربیت دی جائے۔

## نوامیس کائنات میں غور و فکر

دوسرا وسیلہ یعنی نوامیس کائنات میں غور و فکر عقل میں باریکی اور نظام پیدا کرتا ہے۔

نوامیس کائنات میں ایک عجیب باریکی اور نظم موجود ہے اور یہ باریکی اور نظم قلب مومن میں اللہ کے تقویٰ کو ابھارتا ہے جو اس ساری کائنات کا صانع اور مدبر ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ انسانی عقل کو دقت نظر (باریک بینی) اور تنظیم مسائل کا عادی بناتا ہے۔

روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا سفر کرتی ہے اور زمین کی گردش، سورج کی رفتار اور دیگر سیارگان کی رفتار کی مسافت کی پیمائش اسی نوری مسافت سے ہوتی۔ سیکنڈ، منٹ اور گھنٹوں سے نہیں ہوتی۔ یہ انتہائی حیرت انگیز باریکی انسانی عقل

کو باریک بینی اور دقت نظر کا عادی بناتی ہے کیونکہ فکر کی معمولی سی کوتاہی اور اندازے کی چھوٹی سی غلطی بھی بڑے خطرناک نتائج کی حامل ہوتی ہے اور ایسی غلطی یا کوتاہی اگر کہیں کائنات کے نظام میں ہو جائے تو سیارگان کی حرکت میں خلل پیدا ہو جائے اور سیارے تہ و بالا ہو کر رہ جائیں۔ اس لحاظ سے عقل پر لازم ہے کہ وہ افکار و خیالات کو منضبط کرے اور ان میں ارتباط پیدا کرے اور ان اصولوں و کلیات تک رسائی حاصل کرے جو جزئیات پر حاوی اور ان کو مربوط کیے ہوئے ہوں جیسا کہ کائنات میں یہ ارتباط اور نظام نظر آتا ہے۔

مسلمانوں کی فکر پر اسی علمی باریکی کی چھاپ نظر آتی ہے حالانکہ اس وقت کے مسلمانوں کے پاس تحقیق و انکشافات کے لیے جدید آلات اور ذرائع موجود نہیں تھے۔ بہرحال مسلمانوں نے علمی انکشافات (Scientific Discoveries) کیے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے علمی میدان میں کس قدر پیش رفت کی اور اس دور کے لحاظ سے کس قدر باریک بینی اور حیرت انگیز دقت نظر سے کام لیا، چنانچہ بصریات (Optics) میں ابن الہیثم کی تحقیقات اور زمین کی سورج کے گرد رفتار گردش اور چاند اور سورج گرہن کے بارے میں بتانی کی اسلامی منہاج تربیت کے زیر سایہ نشو و نما پانے والی اسلامی عقلیت کا واضح ثبوت ہیں۔

اسلام اولاً قوت عقلیہ کو اللہ کی حکمت میں تأمل اور اس کی تدبیر پر غور کرنے کی جانب متوجہ کرتا ہے اور یہ امر روح کے قریب تر ہے۔ کیونکہ اللہ ہی خالق اور مدبر ہے اسی آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہ ہی اس ساری کائنات کے نظام کو تدبیر اور حکمت کے ساتھ چلاتا ہے اور یہی امر غور و فکر کا مقام ہے اور اس کے بارے میں کبھی نہ ختم ہونے والے مباحث موجود ہیں اور فلسفہ اپنے یوم آفرینش سے ان امور پر غور و تأمل کرتا رہا ہے مگر فلسفہ کو بے جان عقلی ڈھکوسلوں کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آیا، جب کہ قرآن نے ان امور کو روح کے گداز سے پیوست کر کے ان میں زندگی اور حیات پیدا کر دی ہے تاکہ وہ قلب میں تحریک پیدا کر کے ان کا رشتہ اللہ سے پیوست

اور مربوط کر دیں[1]

## کائنات اور حق و عدل

کیونکہ امور کائنات پر غور و فکر بذات خود مقصود نہیں ہے اور نہ یہ مقصود ہے کہ یہ امور فلسفہ کی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ جائیں اور عمل کی دنیا کھوٹی رہ جائے بلکہ ان امور میں غور و تامل کا مقصد انسانی قلب کی اصلاح ہے اور یہ کہ انسان کی دنیاوی زندگی کائنات اور زندگی کی ساخت میں پنہاں دو ازلی اصولوں — حق اور عدل — پر استوار ہو۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کو بار بار بیان کیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ۔ (الانعام:۳)

"وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے"

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ۔ (ابراھیم:۱۹)

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے"

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ۔

(الحجر:۸۵)

"ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کی سب موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے"

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

(النحل:۳)

"اس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے وہ بہت بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں"

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ۔ (العنکبوت:۴۴)

"اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس (تخلیق) میں

---

[1] قبسات من الوسول کا باب "اللہ کی ذات کے بارے میں تفکر کی ممانعت" ملاحظہ کیجیے۔

اہل ایمان کے لیے نشانیاں ہیں"

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (الروم:۸)

"اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کی سب موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے"

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا۔ (ص: ۲۷)

"ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور اس دنیا کو جو ان کے درمیان ہے فضول پیدا نہیں کر دیا ہے"

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ (الدخان: ۳۸)

"یہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں ہم نے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنا دی ہیں"

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (الجاثیہ: ۲۲)

"اللہ نے تو آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس لیے کیا ہے کہ ہر متنفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائیگا"

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ (التغابن: ۳)

"اس نے زمین اور آسمان کو برحق پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی ہے"

یعنی تخلیق کائنات کے وقت ہی اللہ نے کائنات کی ساخت میں حق کو شامل فرما دیا، کائنات کو حق پر پیدا کیا اور حق کو باطل اور گمراہی پر غالب فرما دیا، اس لیے کائنات کی تخلیق اتفاقی باطل اور عبث نہیں ہے اور اسی طرح انسان کی تخلیق میں محض عبث اور بے کار نہیں ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۔ (المومنون: ۱۱۵)

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے۔"

غرض اللہ سبحانہ نے تخلیق کائنات اور حق میں ربط قائم فرمایا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۔ (التغابن: ۳)

"اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی ہے۔"

اللہ سبحانہ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا اور اسے اس حق کا ایک جزء بنایا جس پر آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور مزید فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق فرمایا اور یہ طے فرمایا کہ ہر نفس کے لیے وہی کچھ ہے جو وہ کمائے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۔ (الجاثیہ: ۲۲)

"اللہ نے تو آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہر متنفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔"

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جزاء اُخروی اس حق کی جزاء ہے جس حق پر آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی گئی ہے۔ نیز اللہ سبحانہ کی جانب رجوع بھی حق ہے اور اس رجوع کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تخلیق عبث اور فضول نہیں ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۔ (المومنون: ۱۱۵)

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے"

انسان آغاز تخلیق سے لے کر رجوع الی اللہ تک اور یوم حساب کے دن جزا پانے تک ہر مرحلے میں اسی حق پر قائم اور ہر وقت اور ہر قدم حق سے گھرا ہوا ہے اور اس کی تخلیق کوئی عبث فضول اور بے کار نہیں ہے۔

اسلامی فکر کی تعمیر میں یہ مفہوم بڑی گہرائی کا حامل ہے چنانچہ قرآن پیہم اس مفہوم کی تائید اور تاکید کرتا ہے اور انسانی احساس کو اس طرف متوجہ کر کے بتاتا ہے کہ یہ عقیدہ کی اساس ہے اور اسی پر عقیدہ قائم ہونا چاہیے۔ یعنی عقیدہ اس حق پر استوار ہونا چاہیے جس پر آسمانوں اور زمین اور زندگی اور خود انسان کی تخلیق ہوئی ہے اور قرآن بھی حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اسی حق کو لے کر نازل ہوا ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ (الاسراء: ۱۰۵)

"اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے"

"حق" سے معمور اس فضا میں اسلام نفس انسانی کی تربیت کرتا ہے اور اس کے شعور میں احساس حق کی گہرائی پیدا کرتا ہے، یہاں تک کہ حق ہی عقیدہ بن جائے اور حق ہی زندگی بن جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے کوئی شئے بھی باطل اور اٹکل پچو پیدا نہیں کی ہے بلکہ ہر شئے کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ بلاشبہ کبھی کبھی انسانی ذہن اپنی زندگی میں پیش آنے والے تمام حقائق کا احاطہ نہیں کر سکتا اور گمراہ ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ زندگی یوں ہی باطل پیدا کی گئی ہے اور اس میں کوئی حکمت نہیں ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی روح پراگندہ ہو کر بکھر جاتی ہے اور وہ اس حق کو ضائع کر دیتی ہے جو حق اسے لے کر چلتا ہے۔

اس تصور باطل سے کہ زندگی بے مقصد اور کائنات بغیر کسی ناموس (ضابطۂ الٰہی) کے پیدا ہو گئی ہے صدہا گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں اور کبھی روح اس تصور باطل سے

گمراہ ہو کر بھٹک جاتی ہے اور انسان بلا مقصد زندگی گزار دیتا ہے اور اس کی زندگی غیر نتیجہ خیز ہو کر عذاب اور بدبختی سے بھر جاتی ہے اور کبھی روح اس باطل تصور سے گمراہ ہوتی ہے تو انسان شہوتوں میں غرق ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کی زندگی عذاب بن جاتی ہے اور کبھی اس باطل تصور سے روح گمراہ ہوتی ہے تو انسان زمین میں فساد برپا کرنا اور مخلوق خدا کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتا ہے۔

اسی لیے اسلام نے کائنات انسان اور زندگی میں موجود حق کی جانب انسانی احساس کو متوجہ کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی ہے اور اس امر میں تدبر کو عقیدہ کا جزء بنا دیا اور انسان کی شعوری قوت کو قوت متقومہ بنا دیتا ہے اور اس کو روح کی روشنی فراہم کرتا ہے تاکہ وہ تاریکیوں میں بلاوجہ بھٹک کر نہ رہ جائے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

"زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوشمند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔"

## فکر اور یاد الٰہی

اہل دانش فکر کرتے ہیں اور اللہ کی نشانیوں اور کائنات میں تامل کے لیے اپنی شعوری قوتوں کو استعمال کرتے ہیں، مگر ان کی یہ فکر دنیائے محسوس کے ماوراء سے منقطع تفکیر نہیں ہوتی اور نہ ان کی تفکیر اللہ سے بے فکر ہو کر ہوتی ہے بلکہ وہ فکر و تامل بھی کرتے ہیں

اور اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے یاد الٰہی میں بھی مصروف رہتے ہیں اور اس طرح ان کا فکر و تامل اللہ سے وابستہ ہوتا ہے اور ان کا علم بھی علمِ الٰہی ہوتا ہے اور انہیں اس فکر و تامل سے فوراً اصل مقصد یعنی حق کی جانب رسائی ہو جاتی ہے اور وہ پکار اٹھتے ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ (آلِ عمران : ۱۹۱)

"پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔"

یہاں پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہاں پر غور و تامل اور اس کے نتیجے کے درمیان کوئی فصل اور وقفہ نہیں ہے۔ یہاں تک اہل فکر کے بارے میں یہ الفاظ بھی نہیں ہیں کہ "وہ کہتے ہیں۔" بلکہ یتفکرون فی خلق السمٰوات والارض کے فوراً بعد اس کا نتیجہ یعنی ربنا ما خلقت ھذا باطلا لایا گیا ہے۔ گویا فکر اور نتیجہ فکر ایک متصل اور پیوست امر ہے اور فکر کے بعد عرفانِ حق کا حصول لازمی ہے۔

یہ اہلِ دانش اور ارباب فکر محض "عرفانِ حق" پر بھی نہیں رکھتے۔ کیونکہ معرفت اور عرفان جب تک کسی مقصد حیات کی جانب راہنمائی نہ کرے تو اس عرفان کا عدم اور وجود برابر ہے۔ ورنہ کائنات میں کئی حقیقتیں ایسی بھی ہیں جو انسان کے لحاظ سے غیر موجود ہیں کیونکہ یہ حقیقتیں انسان کی واقعی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ ارباب دانش اس عرفانِ حق پر ٹھہر نہیں جاتے بلکہ فوراً ہی ان کے قلوب اور روح تسبیح کرنے لگتے ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ۔ (آلِ عمران : ۱۹۱)

"پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔"

بعد ازاں یہ ارباب فکر محض اللہ کے اعتقاد اور اس کی تسبیح ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس سے ان کو اس ایمان کامل کی جانب رسائی حاصل ہوتی ہے جو ان کے تمام اعمال، مشاعر، اور افکار پر مشتمل ہوتی ہے اور انہیں وہ ایمانی منہاج حاصل ہو

جاتا ہے جس کے مطابق وہ زندگی گزارتے اسے واقعی اور عملی زندگی میں نافذ کر اور اس راستے میں جہاد کرتے ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ۔ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ۔

(آل عمران: ۱۹۰،۱۹۵)

"پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے، پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے، تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ذلت و رسوائی میں ڈال دیا۔ اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ مالک، ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو، ہم نے اس کی دعوت قبول کرلی، پس اے ہمارے آقا جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگزر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور کردے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوندا، جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے

ساتھ کیے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔ جواب میں ان کے رب نے فرمایا میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کر دوں گا۔ اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان کی جزاء ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔"

ان آیات میں کائنات اور ملکوت میں غور و فکر کا ایک مکمل اسلامی منہاج پیش کرتی ہیں اور عقلِ انسانی کو کائنات میں تدبر اور اس سے صحیح نتائج تک رسائی حاصل کرنے کا ایک جامع منہاج عطا کرتی ہیں۔

یہ منہاجِ فکر حیرت انگیز طور پر کامل اور مکمل ہے اور اس کا آغاز تفکّر سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا عمل پر ہوتی ہے۔ یعنی اس "حق" پر عمل جس حق کو لے کر قرآن نازل ہوا ہے اور جس حق عملاً نافذ کرنے کا طریقہ جہاد ہے تاکہ ساری زندگی اس منہاج اور اس شریعت کے مطابق استوار ہو سکے اور غایت قصوٰی اور جزاء آخرت کا مقصد حاصل ہو جائے اور انسانیت کا رشتہ اللہ سبحانہٗ سے قائم ہو جائے۔ اور قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ یہ سارا منہاج صرف مذکورہ بالا چھ آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔

پھر اگر انسان حکمت الٰہی اور تدبیر الٰہی میں غور و تأمل کے لیے قوت عقلیہ کی اس ربانی راہنمائی کا قدیم و جدید فلسفہ کے گورکھ دھندوں سے کرے تو فرق یکلخت صاف اور واضح ہو کر نمایاں ہو جائے گا اور عقل انسانی کی تربیت سے متعلق منہاج الٰہی کی عظمت ظاہر ہو جائے گی اور انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سبحانہٗ ..........

نے ہر شئے حق کے ساتھ پیدا فرمائی ہے اور اسی حق کو زندگی کا منہاج بنایا ہے۔
مغربی عقل تو کائنات کی نشانیوں کے بارے میں حد درجہ غلط اور گمراہ تصورات کا شکار رہی ہے چنانچہ کبھی دعویٰ کیا گیا کہ کائنات بغیر کسی خالق ہی کے وجود میں آگئی ہے اور کبھی کہا گیا کہ کائنات کا وجود محض ایک اتفاق اور حادثاتی امر ہے اور اس کا کوئی مقرر ضابطہ اور قانون موجود نہیں ہے۔

لیکن بالآخر مغرب کو کسی قدر حقیقت کی جانب رجوع کرنا پڑا اور یہ تسلیم کرنا پڑا کہ فی الواقع وہ گمراہ اور غلط تصورات کا شکار رہے ہیں، چنانچہ کریسی موریسن اپنی کتاب "سائنس بحیثیت داعیٔ ایمان" میں لکھتا ہے۔

"لاتعداد ایسے نظام جن کے بغیر زندگی محال ہے اس امر پر دال ہیں کہ اس کائنات کا خالق موجود ہے اور بلکہ اس زمین پر انسان کا وجود اور اس کی ذکاوت کے کھلے کھلے مظاہر اسی پروگرام کا ایک حصہ ہیں جس کو خالق کائنات نے نافذ کیا ہے۔

انسان ابھی سائنس کے ہر میدان میں مزید ریاضیاتی ترقیاں حاصل کرے گا علاوہ بریں کائنات کے حقیر ترین ذرّے ایٹم کو پھاڑ دینے نے کائنات کے بارے میں ہمارے تصورات میں بڑی حقیقی اور جوہری تبدیلی پیدا کی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ بے جان ذرات کی ہم آہنگی نے مادی اشیاء کے بارے میں ہمارے تصورات میں ربط پیدا کر دیا ہے بلکہ جدید سائنسی تحقیقات نے مظاہر طبیعت کے پس پردہ بڑے بالادست اور مدبر (خدا کے) وجود کے امکانات بھی روشن کر دیئے ہیں۔"

مگر اسلامی فکر کو ان واہی اور بے وزن تصورات میں الجھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ فکر اسلامی تو اسی وقت مختلف نظریاتی اور تجرباتی علوم کی تحقیق اور مطالعۂ کائنات میں مصروف تھی جب یورپ تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس لیے اسلامی فکر ہدایت یافتہ تھی اور اس کی عقل اللہ کے نور اور روح کی

روشنی سے منور تھی۔[1]

## حکمت تشریع میں غور و فکر

اسلام نے قوت عقلی کو اس جانب بھی متوجہ کیا ہے کہ وہ حکمت تشریع پر غور کرے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرہ: ۱۷۹)

"عقل و خرد رکھنے والو، تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔"

وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (البقرہ ۱۸۴)

"لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزہ رکھو۔"

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ۔ (البقرہ: ۲۱۹)

"پوچھتے ہیں، شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے، کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے، اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ پوچھتے ہیں ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں، کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو اس طرح اللہ تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے شاید کہ تم دنیا اور آخرت دونوں کی فکر کرو۔"

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا

---

[1] دیکھیے قبسات من الرسول (سیرت رسول کی جھلکیاں) کا باب "حصول علم کی فرضیت"۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۔ (البقرہ: ۲۳۰)

"طلاق دو بار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو، ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے ۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں ۔ پھر اگر (دوبارہ طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہوگی الّا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دیدے ۔ تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدود الٰہی پر قائم رہیں گے تو ان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں مضائقہ نہیں، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے واضح کر رہا ہے جو (اس کی حدوں کو توڑنے کا انجام) جانتے ہیں ۔"

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (البقرہ: ۲۴۰، ۲۴۱)

"اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، انہیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ

دے کر رخصت کیا جائے، یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔ اس طرح اللہ تمہیں اپنے احکام صاف صاف بتاتا ہے امید ہے کہ تم سمجھ بوجھ کر کام کرو گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (البقرۃ: ۲۸۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی مقرر مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے۔ جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے، وہ لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہے (یعنی قرض لینے والا) اور اسے اللہ،

اپنے رب، سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے، لیکن اگر قرض لینے والا خود ناداں یا ضعیف ہو یا املاء نہ کرا سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املاء کرائے پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے۔۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔ گواہوں کو جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے تو انہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا میعاد کی تعیین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمہارے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کرتے ہو اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں مگر تجارتی معاملے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے اگر ایسا کروگے تو گناہ کا ارتکاب کروگے اللہ کے غضب سے بچو وہ تم کو صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔"

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔
وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ فَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ
اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ
غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ
فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ
مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا
خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ
وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ (النساء: ۲۳، ۲۶)

"تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلق زن و شوہر ہو چکا ہو ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو) تعلق زن و شوہر نہ ہوا ہو تو (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں، اور یہ بھی تم پر حرام کیا

گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنیں جمع کرو، مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں (محصنات) البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جو جنگ میں تمہارے ہاتھ آئیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے۔ ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے، بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔ پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض کے ادا کرو، البتہ مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے درمیان اگر کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اللہ علیم اور دانا ہے۔ اور جو شخص تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں (محصنات) سے نکاح کر سکے اسے چاہیے کہ تمہاری ان لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے جو تمہارے قبضے میں ہوں اور مومنہ ہوں، اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے، تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو لہٰذا ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کر لو اور معروف طریقے سے ان کے مہر ادا کر دو تاکہ وہ حصار نکاح میں محفوظ (محصنات) ہو کر رہیں، آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں، پھر جب وہ حصار نکاح میں محفوظ ہو جائیں، اور اس کے بعد کسی بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں (محصنات) کے لیے مقرر ہے۔ یہ سہولت تم میں سے ان لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے جن کو شادی نہ کرنے سے بند تقویٰ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر ان طریقوں کو واضح کرے اور انہی طریقوں پر تمہیں چلائے جن کی پیروی تم سے پہلے گزرے ہوئے صلحاء کرتے تھے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ علیم بھی ہے اور دانا بھی۔"

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (المائدۃ: ۸۹)

"یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب کہ تم قسم کھا کر توڑ دو اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لیے واضح کرتا ہے شاید کہ تم شکر ادا کرو۔"

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۔ (الانعام: ۱۱۹)

"حالانکہ جن چیزوں کا استعمال حالت اضطرار کے سوا دوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کر دیا ہے ان کی تفصیل وہ تمہیں بتا چکا ہے۔ بکثرت لوگوں کا حال یہ ہے کہ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بناء پر گمراہ کن باتیں کرتے ہیں، ان حد سے گزرنے والوں کو تمہارا رب خوب جانتا ہے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (الجمعہ: ۹)

"اے ایمان لانے والو، جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔"

## حکمتِ تشریع کا شعور

بلاشبہ قانونِ شریعت اللہ سبحانہ کا نازل کردہ ہے لیکن یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت

ہے کہ عملی زندگی میں اسے برپا کرنے والے انسان ہیں اس لیے لازمی ہے کہ انسانوں کو اس شریعت کی حکمت کا مکمل اور گہرا شعور حاصل ہو ورنہ وہ اسے مکمل طریقے پر اور اس کی صحیح صورت میں نافذ نہیں کر سکیں گے۔

انسانی زندگی کوئی مشین نہیں ہے کہ اس پر قانون شریعت کا کوئی اصول اس طرح منطبق ہو جائے جیسے مشینوں کے ضابطے مشینوں پر منطبق ہوتے ہیں، بلکہ انسانی زندگی لحظہ بلحظہ گوناگوں اور متعدد حالات سے گزرتی رہتی ہے اس لیے جب تک انسان قانون شریعت میں موجود حکمت کو نہ سمجھے اور یہ نہ سمجھے کہ شریعت الٰہیہ کے مختلف قوانین میں باہمی ارتباط کیا ہے اس وقت تک وہ اپنی عملی زندگی میں پیش آنے والے واقعات پر احکام شریعت کو بخوبی منطبق نہیں کر سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم نے عقل انسانی کو ان آیات میں غور و فکر کی جانب متوجہ کیا ہے اور اس جانب متوجہ کیا ہے کہ وہ ان آیات و احکام کو سمجھ کر ان کو صحیح طور پر اپنی عملی زندگی پر منطبق کرے۔ ہر چند کہ قرآن کریم میں ایسے بھی شرعی احکام وارد ہیں جہاں غور و فکر اور تدبر کی دعوت نہیں دی گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دعوت عام ہے اور تمام احکام کی اصل روح یہی ہے کہ ان کو نافذ کرنے اور منطبق کرنے سے پہلے خوب فکر اور غور کے بعد اپنی زندگیوں میں برپا کیا جائے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ فقہ (قانون) کے میدان میں مسلمان فقہاء نے کس قدر کاوشیں کر کے کس قدر عظیم قانونی سرمایہ فراہم کیا ہے اور یہ فقہی سرمایہ ابھی تک اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اور اس فن کا مطالعہ کرنے سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں کس قدر گہرائی اور کس قدر استدلال موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی میں مسلمانوں کی یہ کدو کاوش انہی آیات قرآنی کے نتیجے میں تھی جن میں ضروری علم کے ساتھ غور و فکر اور تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔

دور اول ہی میں ثابت محکم اور مفصل اسلامی قانون کے ضابطوں میں غور و تامل کرنے اور اس حکم کی اصل حکمت معلوم کرنے کی ضرورت پیش آ چکی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان غلاموں پر حد سرقہ جاری نہیں فرمائی تھی جنہوں نے بھوک سے تنگ آ کر حاطب

بن ابی بلتعہ کی اونٹنی چرائی تھی، بلکہ حضرت عمرؓ نے بھوک کی شدت کو حد کے ساقط کر دینے والا شبہ قرار دے دیا تھا اور فرمایا تھا کہ

"قسم بخدا اگر مجھے یہ علم نہ ہو جاتا کہ ان لوگوں سے تم کام بھی لیتے ہو اور انہیں بھوکا بھی رکھتے ہو اور یہ بھوک کی شدت سے حرام کام کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو میں تو ان کے ہاتھ کاٹ چکا ہوتا۔"

حضرت عمرؓ نے یہ اقدام قانون الٰہی کی حکمت کو سمجھتے ہوئے کیا تھا کیونکہ اسلام نے ولی امر (حاکم وقت) کو فقراء کی کفایت اور ان کو باعزت زندگی فراہم کرنے کی ذمے داری سپرد فرمائی ہے اور ولی امر پر لازم ہے کہ وہ کفایت اور باعزت زندگی کی فراہمی کے بعد ہی لوگوں سے اخلاق کا مطالبہ کرے اور ان کی غلط روش پر سزا دے۔

دوسری طرف نظام حکومت اور نظام مال کے بارے میں اسلام نے اصول اور بنیادی مبادی بیان کرکے ان کی تفصیلات کو چھوڑ دیا ہے اس لیے کہ تفصیلات بیان کر دینے اور اس کی کوئی خاص صورت اور شکل متعین کر دینے سے یہ نظام وقتی اور محدود مدت کے لیے ہو جائے گا، جب کہ اصول اور بنیادی مبادی سے وہ ڈھانچہ فراہم کر دینا ہے جس میں جملہ امور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے جاری رہتے ہیں اور ہر زمانے اور ہر دور کی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور مادی حالات اور معاشرے کی ساخت کے مطابق شکل اختیار کرتے رہتے ہیں۔ لیکن بہرحال اصول و مبادی کے فراہم کردہ حدود اربعہ سے نہیں نکلتے۔

## دو اہم اصول، عدل اور شوریٰ

چنانچہ نظام حکومت کے بارے میں دو اہم اصول بیان کر دیئے گئے۔ یعنی عدل اور شوریٰ۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۔ (النساء ۵۸)

"اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۔ (الشوریٰ: ۳۸)

"اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔"

لیکن اسلام نے شوریٰ کا طریقہ نہیں بیان فرمایا کہ شوریٰ قبیلوں اور خاندانوں کے سربراہوں کے مابین ہو، یا پارلیمان کی حدود میں ہو، پھر یہ پارلیمان منتخب ہو یا نامزد کردہ ہو، ایک ایوانی ہو یا دو ایوانی — کیونکہ یہ تمام صورتیں معاشرے کے تغیرات کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

مالی نظام کے بارے میں قرآن نے یہ اصول بیان فرمایا۔

كَيْلَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ۔ (الحشر: ۷)

"تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔"

اس اصول کے ذریعے اسلام نے اس صورت کو ناپسندیدہ قرار دے دیا ہے کہ ایک مختصر سی جماعت کے ہاتھوں میں دولت گردش کرتی رہے اور باقی لوگ اس سے محروم رہیں، اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ تمام امت اس خیر مشترک میں کس طرح شریک ہو تو اس کو اسلام نے معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات اور ایک دور کی علمی حالت اور اس کی امکانی کیفیت پر چھوڑ دیا ہے۔ بایں شرط کہ نظام مال جو بھی تفصیلی صورت اختیار کرے بنیادی اصولوں سے بہر حال منحرف نہ ہو اور نہ جاگیرداری یا سرمایہ داری میں تبدیل ہو جائے اور نہ اشتراکیت کی طرح ملکیت کے سلب کرنے کی طرف مائل ہو جائے۔[۱]

ان وجوہات کی بناء پر اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان قانون الٰہی کی حکمت پر غور و فکر کریں اور اسے بخوبی سمجھ کر اس پر عمل کریں تاکہ تمام امور اللہ کے بتائے ہوئے نظام کے مطابق اور حق و انصاف کے مطابق انجام پا سکیں۔

اس مقام پر یہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن کریم نے جملہ ہدایات و احکامات کے ساتھ ذکر الٰہی خشیت اور تقویٰ کی جانب بھی انسانیت کو متوجہ کیا ہے اور ثواب اور رضائے الٰہی کی بھی رغبت دلائی ہے۔

---

[۱] مصنف کی کتاب "قبسات من الرسول" کا باب انتم اعلم بامور دنیاکم دیکھیے۔

بہر حال عقیدۂ اسلامی کی یہ امتیازی خصوصیات ہیں کہ اس نے عقل انسانی کو وسیع دائرے میں کارکردگی کی صلاحیت عطا فرمائی ہے اور عقل پر بندشیں اور حدود و قیود نہیں لگائی ہیں۔ نیز اسلام نے ایمان باللہ کی دعوت کے لیے عقل انسانی کو زبردست خارق عادت واقعات سے بوجھل نہیں بنایا اور نہ انسانی عقل کو پر اسرار امور سے مسخر نہیں کیا ہے بلکہ اسلام نے انسانی عقل کو براہِ راست مخاطب کر کے اسے بیدار کیا، شعور بخشا، اور جلا عطا کیا ہے اور انسانی عقل کو ایمان کے شعوری عمل میں شریک کیا اور انسان کو قلب و بصیرت عطا فرما کر اسے مکرم اور معزز بنایا۔

صرف یہی نہیں کہ یہ سارا وزن انسان کی عقل پر ڈال دیا ہو بلکہ ساتھ ہی راستے کو منور کر دینے والی روح کی روشنی بھی فراہم فرمائی اور نورِ ایمان عطا فرمایا۔ اور یہ سب کچھ انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے اور انسانی وجود کی اصل حقیقت کے مطابق ہے۔

## قوتِ عقلیہ کی راہنمائی

غرض جس طرح اسلام نے انسانی عقل کو یہ مواقع فراہم کیے کہ وہ آیاتِ کائنات میں غور و فکر کر کے اس حق کی جانب رسائی حاصل کرے جس حق کے ساتھ زمین اور آسمانوں کی اور زندگی اور انسان کی تخلیق ہوئی ہے، اور انسان اس حق کے مطابق عمل کرے اور اس حق کو بروئے کار لانے کے لیے جہاد کرے اسی طرح اسلام نے انسانی عقل کو یہ موقعہ عنایت فرمایا ہے کہ وہ قانون الٰہی کی حکمت سے آشنا ہو کر حق پر چلے اور اسے بروئے کار لائے۔

اس طرح قانون اور ہدایت اور احکام اور تقویٰ باہم ہم آہنگ ہو کر وجدان کو منور بناتے ہیں اور اس سے صرف یہی مقصد حاصل نہیں ہوتا کہ نفس کی داخلی فطرت کو سنوارا جائے بلکہ یہ مقصد بھی حاصل ہوتا ہے کہ معاشرے کے امور ظاہری بھی پر امن اور عمدہ طریقے پر انجام پاتے رہیں۔

بلا شبہ اسلام نے سزائیں بھی متعین کی ہیں تاکہ معاشرے میں قانون کی بالادستی کا

کم سے کم معیار برقرار رکھا جا سکے، مگر ظاہر ہے کہ یہ سزائیں اسلام کا مقصود نہیں ہیں، کیونکہ قانون کی بالادستی سے معاشرے کا تحفظ تو ہو سکتا ہے مگر اس سے معاشرے کی مسلسل پیش قدمی کی ضمانت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے لیے ضمیر کی اندرونی انگیخت ضروری ہے اور ایسی قلبی خواہش ناگزیر ہے جسے بروئے کار لانے کے لیے قانون کی بوجھل بندشوں کی ضرورت نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے فطری ارتقاء کے لیے خود بخود آفاق بلند کی جانب ارتقاء کرے اور ظاہر ہے کہ اس کے لیے قانون کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہدایت کی ضرورت ہے اور اس امر کی ضرورت ہے کہ قلب اللہ کی جانب متوجہ ہو، اس سے تعلق قائم رکھے اور اس کی رضامندی کا خواہاں ہو۔

چونکہ یہ دونوں امور باہم ایک دوسرے سے لازم ہیں۔ یعنی قانون کی بالادستی کی حد ادنیٰ اور فطری آرزوئے ارتقاء کی حد اعلیٰ ــــ اسی لیے قرآن نے قانون اور ہدایت کو ہم آہنگ بنا کر پیش کیا ہے۔

اسلام نے انسان کی قوت عقلیہ کو اس طرح راہنمائی فرما کر اس امر کی ضمانت دی ہے کہ معاشرے کے امور صحیح منہاج کے مطابق چلتے رہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ معاشرے کو استوار کرنے کے لیے سیاست ضروری ہے جس کو حکمران اور عوام باہمی مشورے اور احساس ذمے داری کی بنیاد پر استوار کریں گے۔

"تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔" (بخاری و مسلم)

اگر ملک و قوم کی سیاست شعوری نہ ہو تو سیاست میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے اور اس بگاڑ کے نتیجے میں معاشرہ انتشار اور ملک تباہی سے دوچار ہو جائے۔ اس لیے امت کے ہر فرد کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ معاشرے کے امور پر نظر رکھے اور جو معاملات براہ راست اس کے اختیار میں ہیں ان میں وہ جواب دہ ہو اور غفلت زیادتی اور ظلم و ناانصافی سے بچے۔ کیونکہ معاشرے کے کچھ افراد کی کوتاہی

اور چند افراد کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پہلو تہی کی سزا تمام معاشرے کو بھگتنا ہو گی۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً۔

(الانفال: ۲۵)

"اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔"

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔

(المائدہ: ۷۸، ۷۹)

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے انہوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، برا طرزِ عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔"

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے اگر یہ قدرت نہ ہو تو زبان سے اسے برا کہے اور اگر یہ بھی قدرت نہ ہو تو دل میں اسے بُرا سمجھے، جو کہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے۔" (بخاری و مسلم)

"اللہ سبحانہٗ نے تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تم اچھائیوں کی تاکید کرو اور برائیوں سے باز رکھو، اس سے قبل کہ تم مجھے پکارو اور مَیں تمہیں جواب نہ دوں تم مجھ سے مانگو اور مَیں تمہیں نہ دوں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور مَیں تمہاری مدد نہ کروں۔" (ابن ماجہ، ابن حبان)

ظاہر ہے کہ اس سماجی کفالت، احساس ذمے داری اور تمام امور کی نگرانی کے

لیے مناسب شعور اور پختہ عقل کی ضرورت ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان اپنی اس قوت عقل کو اس جانب لگائے اور اس طرح تمام امور کی درستگی کی ضمانت حاصل کرے۔

قرآن متعدد آیات و ہدایات کے ذریعے مسلمانوں کو اس جانب متوجہ کرتا ہے، کبھی مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے آگاہ کرتا ہے اور انہیں متنبہ کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان کی سازشوں سے باخبر اور ان کی دسیسہ کاریوں سے ہشیار رہیں۔ کبھی بتلاتا ہے کہ افواہوں کے پھیلنے اور خبروں کے آنے کے وقت کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے۔ کبھی مسلمانوں کو اس جانب توجہ دلاتا ہے کہ وہ جلد بازی سے فیصلے نہ کریں بلکہ پوری احتیاط کے ساتھ لوگوں کے کردار اور حالات کو مدنظر رکھیں اور کبھی انہیں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے میں محدود رہتے ہوئے اولی الامر کی اطاعت کی تاکید کی جاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ۔ (آل عمران: ۱۱۸-۱۲۰)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی کے کسی موقعے سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکتے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے

شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ (تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے) تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کو) مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ اپنے غصے میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے، تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں، مگر ان کی یہ تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ یہ کر رہے اللہ اس پر حاوی ہے۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ (النساء: ۵۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (النساء: ۸۳)

"یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سُن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ اگر یہ اسے رسولؐ اور اپنی جماعت کے ذمے دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس امر کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمہاری کمزوریاں ایسی تھیں کہ) معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔"

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ۔ (النساء: ۸۸)

"پھر یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے بارے میں تمہارے درمیان دو رائیں پائی جاتی ہیں۔"

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

(المائدہ: ۱۰۰)

"اے نبیؐ، ان سے کہدو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو، پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔"

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۔

(الحجرات: ۶)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔"

ان آیات مذکورہ بالا سے قرآن کریم کی دیگر متعدد آیات کی طرح معلوم ہوتا ہے

کہ ہر انتظامی ہدایت کے ساتھ اللہ کی جانب توجہ اور تقویٰ کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی متعدد آیات میں خالص ایمانیات سے متعلق ہدایات فرمائی گئی ہیں اور تمام اجتماعی قدروں کو ایمان باللہ سے وابستہ کرنے کی ہدایات بھی دی گئی ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان قدروں کو کھوٹے مادی سکوں سے نہ ناپا جائے بلکہ ان کی قدر و قیمت ایمان کے پیمانوں سے متعین ہونی چاہیے۔ خواہ ان قدروں کی مادی اور دنیاوی قیمت سرکش اقتدار ہو یا جھوٹی عزت، یا ایمان کو ضائع کرنے والا فتنہ ہو یا ارادہ کو متزلزل کر دینے والی آسائشات ہوں اور یا کسی دنیاوی طاقت کو اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہو۔ بہر حال قرآن کریم نصیحت کے تمام ذرائع استعمال کرتا ہے اور امر و نہی تمثیلی قصص اور تاریخی قصص کے ذریعے نصیحت کرتا ہے اور ان سب کا مقصد واحد یہ ہوتا ہے کہ انسانی قلب ایسی حقیقی قدروں کی جانب متوجہ کیا جائے جن کا احترام لازم اور جو قابل اتباع ہیں اور عقل انسانی کو ان قدروں کی اصل قیمت اور ان امور کی اصل میزان سے باخبر کیا جائے تاکہ تمام سماجی امور اس نور کی روشنی میں انجام دیئے جائیں اور کوئی شخص ایسی کھوٹی قدروں سے فریب نہ کھائے جو راہ حق سے ہٹانے والی ہوں اور نہ انہیں جھوٹی عزت، فتنے میں ڈالنے والا مال، ختم ہو جانے والی طاقت اور ابھرنے والی شہوت حقیقی اجتماعی مفاد سے نہ ہٹا دے جو اجتماعی مفاد اللہ کی ہدایت اور منہاج الٰہی میں موجود ہے۔

## سنت اللہ میں غور و فکر

قرآن کریم عقلی قوت کو اس جانب بھی متوجہ کرتا ہے کہ وہ تاریخی مراحل میں قوموں کے اندر جاری اللہ کی سنت پر غور کریں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ۔ (آل عمران ۳: ۱۳۷، ۱۳۸)

"تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ

ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے (اللہ کے احکام و ہدایات کو) جھٹلایا یہ لوگوں کے لیے ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں ان کے لیے ہدایت اور نصیحت۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۔ (الانعام: ۶)

"کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں، جن کا اپنے اپنے زمانے میں دور دورہ رہا ہے۔ ان کو زمین میں ہم نے وہ اقتدار بخشا تھا جو تمہیں نہیں بخشا ہے، ان پر ہم نے آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہا دیں (مگر جب انہوں نے کفران نعمت کیا تو) آخر کار ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تباہ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے دور کی قوموں کو اٹھایا۔"

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ (الانعام: ۱۱)

"ان سے کہو، ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو، جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔"

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۔ (الاعراف: ۱۳۶، ۱۳۷)

"تب ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے بے پروا ہو گئے تھے۔ اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرا وعدہ خیر پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا جو وہ بناتے اور چڑھاتے تھے۔"

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (الاعراف: ۹۶)

"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، مگر انہوں نے تو جھٹلایا لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔"

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ (یونس: ۱۳، ۱۴)

"لوگو، تم سے پہلے کی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا، جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور انہوں نے ایمان لا کر ہی نہ دیا اس طرح ہم مجرموں کو ان کے جرائم کا بدلہ دیا کرتے ہیں اب ان کے بعد ہم نے تم کو زمین ان کی جگہ دی ہے تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ

سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ
أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ
دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَاءَ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا
يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ۔ (ھود: ۱۸، ۲۰)

"سنو، خدا کی لعنت ہے ظالموں پر — ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں — وہ زمین میں اللہ کو بے بس کرنے والے نہ تھے اور نہ اللہ کے مقابلے میں کوئی ان کا حامی تھا انہیں اب دُہرا عذاب دیا جائے گا، وہ نہ کسی کی سُن ہی سکتے تھے اور نہ خود ہی انہیں کچھ سوجھتا تھا۔"

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا
أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (یوسف: ۱۰۹)

"پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان قوموں کا انجام انہیں نظر نہ آیا جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں۔ یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے اور زیادہ بہتر ہے جنہوں نے (پیغمبروں کی بات مان کر) تقویٰ کی روش اختیار کی۔ کیا اب بھی تم لوگ نہ سمجھو گے؟"

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ
إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَ
أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔

(الحج: ۴۰، ۴۱)

"اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا، جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع

کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (النور: ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔"

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ (النمل: ۶۹)

"کہو، ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔"

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ۔

(القصص: ۴-۶)

"واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا، اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔"

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔

(الروم: ۹)

"اور کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے انہوں نے زمین کو خوب ادھیڑا اور اسے اتنا آباد کیا تھا جتنا انہوں نے نہیں کیا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا۔ مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔"

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ۔ (غافر: ۲۱)

"کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے اور ان سے زیادہ

زبردست آثار زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ مگر اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔"

قرآن کریم کی یہ بار بار دعوت فکر اس امر پر مجبور کرتی ہے کہ انسان اپنی پچھلی تاریخ کا مطالعہ کریں اور مختلف قوموں اور معاشروں کی تباہی اور بربادی کے اسباب وعوامل کا بصیرت کے ساتھ بغور مطالعہ کریں اور انسانیت کے گزشتہ تجربات سے استفادہ کریں۔ اور اس مطالعہ کا مقصد عبرت وموعظت ہو، اور محض چٹخارے کے لیے یا علمی شان دکھلانے کے لیے تاریخ کا مطالعہ نہ ہو۔

اسلام کی نظر میں امتوں اور معاشروں کی تاریخ محض کچھ پے در پے پیش آنے والے بے ترتیب بے مقصد اور بے انجام واقعات کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تمام واقعات ایک متعین طریقۂ کار کے ماتحت وجود میں آتے ہیں[1]

سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا۔ (الاحزاب: ۶۲)

"یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

اللہ کی یہ سنت ان تمام اعمال میں کار فرما ہوتی ہے جو انسان اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے انجام دیتا ہے اور یہی سنت اس کو عطا کردہ قدرتِ اختیار میں بھی موجود ہے۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۔ (الشمس: ۷-۱۰)

"اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔"

---

[1] ملاحظہ کیجیے معرکۃ التقالید کا باب حقائق و اباطیل۔

صرف یہی دو راستے ہیں تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہدایت اور گمراہی۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو منہاج زندگی نازل کیا ہے اس کی اتباع یا اللہ کے واضح راستے سے انحراف اور روگردانی۔ راہ ہدایت جس کے نتیجے میں خیر و برکت اور زمین پر غلبہ اور تمکن حاصل ہوتا ہے اور گمراہی جس کے نتیجے میں فساد، ناتوانی، انتشار اور بربادی ظاہر ہوتی ہے، ہر چند کہ باطل اس تباہی کا کتنا ہی مقابلہ کیوں نہ کرے اور خواہ وقتی طور پر باطل کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ ہی کر دے ـــــــ لیکن بہر حال تاریخ انسانیت کے یہی دو حالات ہوتے ہیں اور ان دو تغیرات کے سوا کوئی اور تغیر پیش نہیں آتا خواہ بظاہر کتنے ہی تغیرات نظر آئیں لیکن ان کی تہ میں اصل اور بنیادی تغیرات یہی دو ہوتے ہیں۔

ان دونوں تغیرات میں مادی قوت کا بھی کوئی دخل نہیں ہے۔

كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ۔ (غافر: ۲۱)

"وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے اور ان سے زیادہ زبردست آثار زمین میں چھوڑ گئے ہیں"

ان تغیرات میں زمین کو آباد کر لینے اس کے خزانے حاصل کر لینے اور مادی قوت حاصل کر لینے کو بھی دخل نہیں ہے۔

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا۔ (الروم: ۹)

"وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے انہوں نے خوب زمین کو ادھیڑا تھا اور اسے اتنا آباد کیا تھا جتنا انہوں نے نہیں کیا ہے"

بہر حال ان تغیرات میں ذرائع پیداوار کو یا نفس سے خارج کسی بھی امر کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ ان تغیرات میں اصل اعتبار اس امر کا ہے کہ نفس انسانی ہدایت یافتہ ہے یا غیر ہدایت یافتہ اور یہ کہ وہ ان مادی قوتوں کو خیر کے راستے میں استعمال کرتا ہے یا شر کے راستے میں۔

## اسلامی نقطۂ نظر سے تاریخ کی مادی تعبیر۔

**(Materialistic interpretation of History)**

کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ اس تعبیر نے تاریخ کی بڑی اور اہم حقیقتوں کو نظرانداز کر دیا اور معمولی اور غیر اہم امور پر ساری توجہ مرکوز کر دی ہے اور اس تعبیر کے ماننے والے یہ تصور کر بیٹھے ہیں کہ انہیں تاریخ کی اصل حقیقت تک رسائی حاصل ہوگئی ہے۔

اور سب سے اولین حقیقت، جو اس تعبیر میں فراموش کر دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مادی پیداوار کے ذرائع تاریخی واقعات کو وجود میں نہیں لاتے بلکہ تاریخی واقعات ان ذرائع کے طریقۂ استعمال اور اس طریقہ میں کارفرما روح سے وجود میں آتے ہیں۔

دور زراعت میں یوروپ میں جاگیرداری وجود میں آگئی مگر اسلام میں جاگیرداری وجود میں نہیں آئی اس لیے کہ یوروپ کے پاس مال کی تقسیم کا کوئی راہنما عقیدہ اور اصول موجود نہیں تھا جب کہ اسلام کے پاس تقسیم مال کے بارے میں راہنما عقیدہ موجود تھا۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ (الحشر: ۷)

"تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے"

تاریخ اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کاشتکار زمین سے بندھا ہوا غلام رہا ہو، جسے زمین ہی کے ساتھ فروخت کر دیا جائے اور خرید لیا جائے مگر زمین سے اس کا ناطہ نہ ٹوٹ سکے اور اگر وہ فرار ہو جائے تو قانون اُسے پکڑ کر دوبارہ مالک کے حوالے کر دے اور پھر مالک اس کا جو جی چاہے حشر کرے!

صنعتی دَور (Industrial age) میں روئے زمین پر سرمایہ داری اور اشتراکیت نے علیحدہ علیحدہ طریقۂ تقسیم اختیار کیا، کیونکہ ہر دَور کے لوگ کسی بھی شئے کو یا تو حق سمجھتے ہوئے یا اپنی خواہشوں کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر اسے مختلف انداز میں اختیار کر سکتے ہیں۔

### تاریخ کی مادّی تعبیر

تاریخ کی مادّی تعبیر (Materialistic Interpretation of History) نے

تاریخی مراحل (Historical stages) کی جو توضیح پیش کی ہے وہ دراصل انسان کی تاریخ کی یا اس کے تاریخی مراحل کی تعبیر نہیں ہے بلکہ دراصل یہ مادی تہذیب کے مراحل کی تشریح ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان تاریخ کے ہر دور میں ہدایت یافتہ بھی رہا ہے اور گمراہ بھی رہا ہے اور کسی مادی روش نے حتمی طریقے پر اس کی راہ متعین نہیں کی ہے کہ اس مادی جبریت کے زیر اثر وہ ہدایت یافتہ یا گمراہ ہوا ہو۔ اور نہ ہی ایسا ہوا ہے کہ مادی ارتقار نے انسانیت کے لیے کوئی متعین راہ مقرر کر دی ہو۔ اور اس بات کی واضح مثال خود ہمارا دور ہے جس میں ہم زندہ ہیں اور جس میں سائنسی اور مادی ترقی اپنے اوج کمال تک پہنچ چکی ہے، مگر خود انسانیت پستی کی گہری تہ تک گر گئی ہے اور وحشیانہ جنگوں اور عداوتوں نے رشتۂ اخوت انسانی کا گلا گھونٹ دیا ہے اور انسانیت ایک مسلسل خوف اور پیہم تباہی سے ہمکنار کر دیا ہے اور زندگی کے بارے میں انسانی نقطۂ نظر اور انسان کے مقصد وجود کو ملیا میٹ کر کے "لذتوں" اور مادی سہولتوں کو اس کا مقصد وجود بنا دیا ہے، جس کے نتیجے میں انسان اخلاقی بے راہ روی اور جنسی انارکی کے اس ادنیٰ ترین درجے پر پہنچ گیا ہے جس سے جانور بھی پناہ مانگتے ہیں[1]

## سنّت اللہ کے نتائج

اسلام انسانی قلب کو اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ وہ معاشروں میں رونما ہونے والی حقیقی تبدیلیوں کے عوامل کا بچشم بصیرت جائزہ لے اور اپنی شعوری صلاحیتوں سے ان کے اسباب و نتائج پر غور کرے اور ان تاریخی مثالوں کا جائزہ لے جن میں اللہ کی سنت پوری ہوئی ہے اور اللہ نے مومنین کو تمکن عطا فرمایا ہے اور کافروں، سرکشوں اور مفسدین کو تباہ فرما دیا ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ کی دائمی اور ناقابلِ تغیّر سنت ہے کہ وہ اہل ایمان کی نصرت فرماتا اور کافروں کو ذلیل کر دیتا ہے، جب کہ بظاہر حالات اس کے برعکس نظر آ رہے ہوتے ہیں

---

[1] مصنف کی کتاب "معرکۃ التقالید" ملاحظہ کیجیے۔

قرآن کریم تبلاتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ کی ہمیشہ جاری رہنے والی سنّت کے نتائج ضرور ظاہر ہو کر رہتے ہیں، مگر ان نتائج کے اظہار میں افراد انسانی کی عمریں مقیاس نہیں ہیں اور نہ تاریخ کا کوئی عارضی مرحلہ پیمانہ ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت باطل وقتی طور پر کامیاب و کامران ہو کر روئے زمین کی غالب و کارفرما قوت بن جائے، لیکن یہ مرحلہ دائمی نہیں ہوتا بلکہ یہ در اصل ہمہ پہلو سنت اللہ کے اجرا کا ایک حصّہ ہوتا ہے۔ اور باطل کی کارفرمائی کا یہ مرحلہ یا تو اس لیے آجاتا ہے کہ اس مرحلے میں لوگوں کی باطل کے خلاف مزاحمت کی قوتیں ٹھٹھری ہوئی ہوتی ہیں اور ان میں باطل کے خلاف جہاد کر کے اسے ختم کر دینے کا بُوتا نہیں ہوتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

(الرعد: ۱۱)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔"

اور کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ باطل کے ظلم کو انگیز کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں بلکہ اسے خوشگوار محسوس کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ فرمان نبوتؐ ہے۔

"جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی تمہارے حکمراں ہوں گے۔" (حاکم)

اور کبھی ظلم و باطل خود ظالموں کی آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔

لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ کَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ (النحل: ۲۵)

"کہ قیامت کے روز اپنے پورے بوجھ اٹھائیں۔"

اور کبھی یہ مرحلۂ باطل و ظلم اس لیے آتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ چاہتا ہے کہ مومنین کی جماعت کو چھانٹ کر علیحدہ فرمالے تاکہ وہ سلامتیِ استعداد اور قوت کے ساتھ حق کی ذمے داری کو سنبھال سکیں۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَ
لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ - (اٰل عمران ۱۳۹-۱۴۱)

"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں ـــــ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں ـــــ اور وہ اس آزمائش کے ذریعے سے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا"

بہر حال ان مختلف اسباب کے تحت وقتی طور پر باطل غلبہ پا لیتا ہے مگر اصل سنت اللہ تبدیل نہیں ہوتی اور باطل کا یہ وقتی غلبہ سنت اللہ ہی کے ماتحت اور اسی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے مسلمانوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ تاریخِ انسانی کا مطالعہ کریں اور اس پر غور کر کے عبرت حاصل کریں اور اپنے منہاج کو درست کر کے سیدھا راستہ اختیار کریں۔

یہی وہ حد فاصل ہے جہاں سے اسلام کا منہاجِ تاریخ اور اسلام کا علمِ اجتماع مغرب کے منہاجِ تاریخ اور مغرب کے علم اجتماع سے اساسی طور پر مختلف ہو جاتا ہے۔ اور انسانی زندگی کی راہِ حق کی اتباع اور صراطِ مستقیم سے انحراف کی روشنی میں منہاجِ تاریخ اور علم اجتماع کا مطالعہ کیا جانا چاہیے اور اس کی باقاعدہ تدوین ہونی چاہیے۔ اور دیکھنا چاہیے کہ راہِ حق کی اتباع اور صراطِ مستقیم سے انحراف کے انسان کی واقعی اور عملی زندگی میں کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں، کیونکہ یہ وہ امر ہے جس سے یورپ نے ہمیشہ اغماض برتا ہے اور اس نے ہمیشہ اشیاء کے ظواہر کو سنت اللہ سے منقطع کر کے اور تاریخ کی واقعیت سے جدا کر کے مطالعہ کیا ہے۔

## مادی قوتوں کا استعمال

قرآن کریم نے عقل انسانی کو اس جانب متوجہ فرمایا ہے کہ وہ زمین کی مادی قوتوں کو بروئے کار لاکر انہیں انسانیت کی خدمت میں لگائے۔

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۔ (الاعراف: ۱۶۰)

"کھاؤ وہ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو بخشی ہیں۔"

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۔ (الملک: ۱۵)

"چلو اس کی چھاتی پر اور کھاؤ اس کا رزق۔"

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ

(الاعراف: ۱۰)

"ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لیے یہاں سامان زیست فراہم کیا۔"

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ ۔

(الانبیاء: ۸۰)

"اور ہم نے اس کو تمہارے فائدے کے لیے زرہ بنانے کی صنعت سکھادی تھی تاکہ تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائے۔"

قرآن کریم نے جہاں انسان کو اس جانب متوجہ کیا ہے کہ وہ مخلوقات میں اور زمین و آسمان میں کارفرما تخلیق میں غور و فکر کرے وہاں اس کو اس جانب بھی متوجہ کیا ہے کہ وہ حکمت تشریع (قانون سازی) اور زمین میں قائم عدل و حق پر بھی غور و تأمل کرے اور اللہ اور رسول کی اطاعت اور ہدایت یافتہ اولوالامر کی فرمانبرداری کرکے ایک صالح معاشرہ برپا کرے، ادوار تاریخ میں جاری اس اللہ کی سنت کا مشاہدہ کرے کہ اللہ سبحانہٗ ان مومنین کو غلبہ اور قوت عطا فرماتا ہے جو اللہ سبحانہٗ کے عطا کردہ مواہب کو اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو راہِ خیر میں استعمال کرتے ہیں۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ

اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (الحج : ۴۰-۴۱)

"اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔"

اور ان کافروں اور نافرمانوں کو ذلیل کر دیتا ہے جو اللہ کی نعمتوں کے بل بوتے پر دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اور آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَا اَکْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ۔ (الروم : ۹)

"اور کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے، انہوں نے زمین کو خوب ادھیڑا تھا اور اسے اتنا آباد کیا تھا جتنا انہوں نے نہیں کیا ہے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے پھر اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔"

قرآن کریم نے عقل انسانی کو مادی قوتوں کے استعمال کی جانب متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے تعلق باللہ کی طرف متوجہ کیا ہے اور انسان میں خشیت الٰہی اور تقویٰ پیدا کیا ہے تاکہ انسان مادی قوتوں کے استعمال میں راہِ حق سے نہ بھٹک جائے اور سب کچھ مادی قوتوں کو نہ سمجھ بیٹھے اور یہ خیال نہ کرے کہ خلاصہ حیات اور زندگی کا جوہر اصلی یہی مادیت اور مادی آسائشات ہیں۔ اور یہی وہ نقطۂ امتیاز ہے جس سے اسلام میں اور غیر اسلامی افکار و تصورات اور نظریات میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔

## اسلام یورُوپ کی نشأۃ ثانیہ کی اساس ہے

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے مادی دنیا کے ترک کا حکم نہیں دیا ہے اور اس بات کی گواہی خود تاریخ سے ملتی ہے۔ آفتابِ اسلام جب صحرائے عرب کے ریگزاروں پر جلوہ فگن ہوا تو اہلِ عرب مادی تہذیب سے اسی قدر رُوشناس تھے جتنے کہ آتے جاتے قافلے ان کے لیے بیرونی دنیا سے تہذیب و تمدن لے آتے تھے! ان کی دلچسپیوں کا تمام تر محور شعر گوئی اور قبائلی جنگیں تھیں، انہوں نے کبھی نہ کسی علم کے بارے میں سوچا اور نہ کسی ایجاد کے بارے میں غور کیا، ان کے یہاں نہ تجرباتی تحقیق کا رواج تھا اور نہ نظری فکر مقبول تھی ـــــ لیکن جب اسلام نے ان منتشر اور پراگندہ حضارت سے دور اور بداوت سے قریب قبائل کو اٹھایا تو انہیں اقوامِ عالم میں سربلند کر دیا، اور انہوں نے علم و عمل کے ہر میدان میں اپنی بالادستی قائم کر دی، جنگ و سیاست میں اپنے جھنڈے گاڑ دیئے اور فقہ و قانون میں اپنی مثالیں قائم کر دیں۔ اور جب مسلمانوں کو مصریوں، یونانیوں اور ہنود کے علوم ـ طب، فلکیات، طبیعیات، کیمیا اور ریاضیات ـــ ہاتھ آئے تو انہوں نے ان سرچشموں سے خوب استفادہ کیا اور علم میں اضافے کر کے اور تحقیقات کر کے اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اور پھر ان کے اس علمی ارتقاء سے ساری دنیا نے فائدہ اٹھایا اور بالخصوص اہلِ یورپ نے فائدہ اٹھایا کیونکہ درحقیقت ان کی نشأۃ ثانیہ (Renaissance) انہی اسلامی علوم و تہذیب پر استوار ہوئی تھی، مگر اہلِ یوروپ کی تنگ نظری اس کا اعتراف نہیں کیا، بلکہ جن مسلمانوں کی شاگردی کر کے انہوں نے تہذیب کے مبادی سیکھے اُن ہی مسلمانوں سے اندلس میں برسرِ پیکار ہوئے اور حتیٰ کہ پورے روئے زمین کے مسلمانوں کو اپنے سامراجی ہتھکنڈوں سے غلام بنا چھوڑا۔

جس جدید تجربی طریقے (Modern Experimental Method) پر ہر مغربی سائنسی علم کی بنیاد استوار ہے، وہ خود اہلِ مغرب کے اعتراف کے مطابق مسلمانوں کی میراث ہے چنانچہ گب (H. R. Gibb) اپنی کتاب، (Modern Trends in Islam)

میں لکھتا ہے۔

"میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان محققین کی جزرس اور مفصل تحقیقات نے ہی ٹھوس اور محسوس طریقے پر سائنسی علم کی پیش رفت کی راہ متعین کی ہے اور انہی تحقیقات کے سہارے یورپ نے تجربی منہاج تک رسائی حاصل کی۔"

یہ اعتراف مسلمانوں کی محسوس اور ٹھوس علمی ترقیات کا منہ بولتا ثبوت ہے مگر مسلمانوں نے یہ ترقیات اس وقت کی تھیں جب وہ "مسلمان" تھے، اور ایسے پکے سچے مسلمان تھے کہ وہ ان مادی ترقیات کے باوجود اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر قائم رہے اور انہوں نے انسانیت کو نظر انداز کر کے مادیت ہی پر تکیہ نہیں کیا بلکہ عالم روح سے ان کا تعلق برقرار رہا۔ انہوں نے اپنے علوم اور اپنی مادی ترقیات سے انسانوں کو اپنا غلام نہیں بنایا اور ان پر مادیت اس طرح مسلط نہیں ہوئی جس طرح آج یورپ پر مسلط ہے اور انہوں نے مغرب کی طرح اپنے آپ کو "ترقی پسند" کہہ کر اخلاق سے پہلو تہی نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے یہاں علوم سائنس نے نظریۂ اسلامی کے زیر سایہ ترقی کی اور انسانیت کے لیے فلاح و بہبود کی راہیں تلاش کیں [۱]

## اہل مغرب کی خدا بیزاری کی اصل وجہ

اسلام میں کبھی خدا اور انسان کے درمیان آویزش نہیں رہی اور نہ کبھی مذہب و سائنس کی کشمکش برپا ہوئی۔ اور مغرب میں خدا بیزاری اور مذہب و سائنس کی کشمکش کی اصل وجہ یہ ہے کہ لاشعوری طور پر مقدس آگ چرانے کی پرومیتھیس کی مکروہ یونانی دیو مالا ان کے ذہنوں میں راسخ ہو چکی تھی اور اللہ کے بارے میں ان کے تصورات کی اساس یہی کہانی بنی ہوئی تھی۔

"اور اس کہانی نے انسان اور خداؤں کے درمیان باہم کشمکش اور حسد و عناد

---

[۱] مصنف کی کتاب قبسات من الرسول میں باب "طلب علم فرض ہے" ملاحظہ کیجیے۔

کا رشتہ قائم کیا ہوا تھا، اور اس دشمنی میں نہ صرف یہ کہ کبھی کوئی مودت و محبت کی لہر نہیں آتی تھی بلکہ اس کی آگ کا الاؤ مزید روشن ہوتا جاتا تھا، کیونکہ اسرار کائنات کا علم حاصل کرنے کی دُھن میں اور خود خدا بن جانے کی لگن میں انسان "مقدس آگ" حاصل کرنا چاہتا تھا، مگر دیوتاؤں نے اپنے اقتدار اور قوت کے تحفظ کی خاطر اس مقدس آگ کی بڑی تندہی اور سختی سے حفاظت کی اور انسان کو اس آگ کے پاس پھٹکنے نہ دیا۔

یہ ہے خدا اور بندوں کا رشتہ جو مغربی ذہنوں میں لاشعوری طور پر سرایت کیا ہوا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو غیر شعوری طور پر خدا کے سامنے عاجز تصور کیے ہوئے ہیں اور اپنی اس عاجزی اور بے کسی پر راضی نہیں ہیں بلکہ ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ قوت اور معرفت حاصل کر کے اس عجز کو ختم کر دیں اور "طبعی قوتوں" پر غلبہ حاصل کر لیں، اور "کائنات کو مسخر کر لیں"، اور "اسرار کائنات کا علم بزورِ قوت حاصل کر لیں۔ جس طرح پرومیتھیس نے قدیم دیوتا سے مقدس آگ چھیننے کی کوشش کی تھی۔

مغرب کے لوگوں کے نفس میں چھپا ہوا یہی وہ جذبہ ہے جس کی بنا پر اہل مغرب یہ سمجھتے ہیں کہ انسان جو بھی سائنسی ترقی حاصل کرتا ہے اس سے اس کے ارتقاء میں جہاں ایک مرحلے کا اضافہ ہوتا ہے وہاں اس کا خدا بھی ایک درجہ نیچے اتر جاتا ہے۔

اور یہ کشاکش اسی طرح جاری رہتی ہے مگر ہر سائنسی ترقی انسان کو اٹھاتی اور خدا کو گراتی رہتی ہے، یہاں تک کہ ایک نہ ایک دن وہ وقت بھی آجائے گا جس کے لیے انسان ہمیشہ سے بے تاب ہے کہ وہ اپنا خدا آپ بن بیٹھے گا اور اپنی زندگی کا خود ہی خالق و مالک بن جائے گا۔"[1]

## خدا بیزار سائنسی ترقیات کا انسانی نفسیات پر اثر

یورپ کی خدا بیزار سائنسی ترقیات اور روح سے بیگانہ مادی ارتقاء

---

[1] ایضاً۔

کا ایک مہلک نتیجہ یہ بھی بر آمد ہوا ہے کہ انسان مشین کا ایک پرزہ اور ایک حیوان بن کر رہ گیا ہے۔ مشین تاریخ کے ایک طویل عرصے تک انسان کی نفسیاتی قوت کا ایک سرچشمہ بنی رہی ہے، اس لیے کہ اولاً انسان خود مشین کو چلاتا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ اصل کار فرما قوت وہ خود ہی ہے اور مشین محض اس کی محتاج ہے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مشین میں ارتقاء ہوتا گیا اور اب مشین محض ہاتھ سے چلانے والی ایک کل نہیں رہی کہ انسان کو اس پر بالادستی کا احساس رہے اور اسے یہ خیال ہو کہ وہ جب چاہے اس مشین کو چلا سکتا ہے اور جب چاہے اسے روک سکتا ہے۔ بلکہ مشین بڑھتے بڑھتے دیو پیکر بنتی گئی اور انسان اس کے سامنے ایک ذرہ حقیر بن گیا اور مشین اپنی اندرونی قوت سے چلنے لگی اور انسان کو یہ قوت نہیں رہی کہ وہ براہِ راست اسے روک دے اور اس طرح ایک کارخانے کے اندر مشین کے بالمقابل انسان کی حیثیت بدل گئی۔ یعنی پہلے کارکن اور مزدور اپنے ہاتھوں سے مشین کو چالو رکھتا تھا اور اب وہ خود اس دیو پیکر مشین کا ایک حصہ بن گیا اور مزدور اور کارکن کا کام صرف یہ رہ گیا کہ وہ مشین کا بٹن دبا دے اور کھول دے یا مشین میں خام مواد بھر دے، جسے مشین پلک جھپکنے میں نگل جائے اور مزید کا مطالبہ کر دے۔

اس نئی تبدیلی نے انسانی نفسیات پر ایک نیا اثر مرتب کیا اور اس سے انسان کی اپنے نفس پر قدرت درجہ بدرجہ کم ہونے لگی اور اس کی انسانیت میں بھی کمی واقع ہونے لگی۔ اب اس کے ذہن پر دیو پیکر مشین چھا گئی اور مشین ہی قوت قاہرہ بن گئی کہ انسان اسی کے لحاظ سے سوچے اور اسی کے اعتبار سے زندگی گزارے۔ اس دیو پیکر مشین کے سامنے انسان کے جاندار جذبات مرجھا گئے اس کے روشن افکار دھندلا گئے اور اس کے نازک احساسات کملا گئے اور مشین کی طرح اس کے اعصاب بھی تن کر سخت ہو گئے اور اس کی زندگی مشین کے ایک پرزے کی طرح بے حس و بے جان صبح سے شام تک ایک ہی محور پر گردش کرنے لگی۔ جس طرح مشین کا بٹن دبا دیجیے وہ حرکت میں آجاتی ہے اسی طرح انسان کی قوتوں کا استعمال ہونے لگا کہ صبح کو بٹن دبا دیا اور انسان

نے کام شروع کر دیا اور کرتا رہا کرتا۔ یہاں تک کہ شام کو گھنٹی بج گئی اور انسان کے ہاتھ اس طرح رک گئے جیسے بٹن بند کر دینے سے مشین رک جاتی ہے۔

اس کے بعد انسانی مشین کا دوسرا حصہ حرکت میں آجاتا ہے کیونکہ حیوانی قوت کا جو ذخیرہ صبح سے اس کے جسم میں بے کار پڑا ہے وہ اس بے حس مشین پر کام کرنے کے دوران پوری طرح بروئے کار نہیں آیا ہے اور اب جوں ہی اس پہ پابندیاں اٹھتی ہیں تو بھڑکتی ہوئی شوریدہ سر حیوانی قوت ایسی ہی شوریدہ حیوانی قوت کی تلاش میں نکل جاتی ہے اور جب اس گھٹی ہوئی قوت حیوانی کا اخراج ہو جاتا ہے تو اعصاب اس وقت تک کے لیے پر سکون ہو جاتے ہیں جب تک کہ یہ توانائی جسم میں دوبارہ نہ بھر جائے۔

غرض اس طرح انسانی زندگی ایک ایسی خشک اور بے روح مشین بن کر رہ گئی ہے جو پر جوش جذبات نازک احساسات اور روشن افکار سے یکسر خالی اور تہی داماں ہے بس ایک پست حیوانیت ہے جو ساری انسانی صلاحیتوں اور جسمانی قوتوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ اور یہی وہ مرحلہ ہے جس پر پہنچ کر "انسانیت" نے منہ چھپا لیا ہے اور اس کی جگہ "مشینی حیوان" نے لے لی ہے۔"[1]

سائنس کا مذہب سے اور انسان کا اللہ سے رشتہ منقطع ہو جانے کا ایک نتیجہ یہ رونما ہوا ہے کہ انسانوں کے درمیان زبردست مادی کشمکش اور شدید ہوس زر پیدا ہو گئی ہے اور آج پورا مغرب اس کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے۔

یہ وہ بدترین نتائج ہیں جو خدا بندے کا تعلق منقطع ہو جانے سے ظاہر ہوتے ہیں اور اسی لیے اسلام بڑی شدت سے اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ قلب انسانی ہمیشہ اللہ سبحانہٗ کی جانب متوجہ رہے اور عقل انسانی زمین کی مادی قوتوں کے استعمال میں مخلوقات اور کائنات میں کارفرما حکمتِ الٰہی کو مدنظر رکھے۔ اور انسان ہمیشہ اپنے رب کے ساتھ محبت و مودت اور امید و رجا کا تعلق قائم رکھے۔

---

[1] النفس والمجتمع کی فصل الانسان والآلۃ ملاحظہ کیجیے۔

## علم عطیۂ الٰہی ہے

اسلام کی نظر میں انسان اس پر مجبور نہیں ہے کہ وہ اللہ سے نبرد آزما ہو کر (نعوذ باللہ) علم و معرفت حاصل کرے، جس طرح کہ مغرب کے ذہن میں لاشعوری طور پر یہ تصور جاگزیں ہے، بلکہ اللہ سبحانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے اور از خود احسان فرما کر انسان کو علم عطا کیا ہے اور علم کے اصل ذرائع یعنی "فہم رسا کی حامل عقل" اور "باریک بیں بصیرت" عنایت فرمائی ہے اسی نے تو حصول رزق کے لیے زمین کی راہوں کو انسان کے لیے پامال بنا دیا ہے "اسی نے تو انسان کو بہتر سے بہتر کھانے کی اشیاء عطا فرمائی ہیں" "اسی نے آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء کو انسان کے تابع فرمان بنا دیا ہے" اور "اسی نے تو انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا ہے اور اس کو وہ کچھ سکھا دیا ہے جو وہ نہیں جانتا تھا" اور ان جملہ نعمتوں اور احسانات کا صلہ یہ ہے کہ انسان اللہ سبحانہٗ کا شکر ادا کرے، اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو کر اس کی محبت اور تعلق کا سبب بنے۔

اسلام میں عقل انسانی اور روح کا رشتہ غیر منقطع اور دائمی طور پر قائم رہتا ہے اور اس تعلق کی بنا پر عقل گم کردہ راہ اور حق کی ڈگر سے منحرف نہیں ہوتی اور نہ علم کو شر کے راستے میں استعمال کرتی ہے۔

اسی طرح نظام اسلام میں روح اور مادہ میں تعلق برقرار رہتا ہے اور انسان یا مشین کا غلام نہیں بنتا ہے بلکہ وہ اپنے پورے وجود کا محافظ بنا رہتا ہے اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کے اظہار میں اللہ سبحانہٗ کی مدد کا خواستگار ہوتا ہے اور ایک فعال ایجابی قوت کی حیثیت میں عنصر مادہ پر غالب رہتا ہے۔ غرض اس طرح اسلام عقل انسانی کی تربیت کرتا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ (البقرہ ۲: ۱۳۸)

"اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو گا۔"

باب ششم

# جسم کی تربیت

تربیت کے موضوع پر گفتگو کے دوران جسم سے صرف اس کے حواس (Senses) اور عضلات (Muscles) ہی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس سے جسم سے پیدا ہونے والی ساری کی ساری جسمانی قوتیں اور صلاحیتیں اور تمام فطری میلانات محرکات اور جذبات (Natural urges and Emotions) مراد ہوتے ہیں۔

ہمیں اس وقت تجربی نفسیات (Experimental psychology) سے سروکار نہیں ہے جو انسان کے افکار اور مشاعر کو بھی جسم کے کیمیاوی اور کہربائی انعکاس قرار دیتی ہے اور نہ ہمیں اس وقت ان فلسفیانہ نظریات سے دلچسپی ہے جو جسم کو محض نفس کی فرودگاہ بتاتے ہیں۔ بلکہ ہم ان افکار سے ہٹ کر یہ کہتے ہیں کہ نفس اور جسم میں ایک گہرا ربط و تعلق موجود ہے اور اس ارتباط و تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ نفس جسم پر اثر انداز ہوتا ہے اور جسم نفس پر اثر انداز ہوتا ہے، اور ان دونوں میں کبھی انفصال اور عدم تعلق رونما نہیں ہوتا۔

ہم گزشتہ ابواب میں بیان کر چکے ہیں کہ انسانی وجود ایک پیوست اور مربوط وجود ہے اور اس وجود کے علیحدہ علیحدہ اجزا نہیں کیے جا سکتے اور جب کبھی علیحدہ جز پر گفتگو کی جاتی ہے، تو یہ تجزی برائے تفہیم ہوتی ہے اور فی الحقیقت نہیں ہوتی۔ گویا ہم نفس اور جسم کو فی الواقع جدا جدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم کسی ایسے جسمانی عمل کی نشان دہی کر سکتے ہیں جو نفس کے دائرہ میں نہ آتا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شنوائی ہو یا گویائی لمس ہو یا شامّہ اور دیکھنے کی قوت ہو یا چکھنے کی صلاحیت سب کے سب ہر چند کہ جسمانی حواس ہیں لیکن یہ انسان کے نفسیاتی وجود سے جدا ہو کر

اپنا عمل سرانجام نہیں دے سکتے۔ یعنی ہم جب ان حواس کے مجموعی حیاتی تاثر کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ہم ان کے بارے میں ایک ایسے حاسہ کی حیثیت میں گفتگو کرتے ہیں جو کسی غایت تک پہنچنے والا ہو اور جو ایک مخصوص نفسیاتی تاثر تک پہنچتا ہو، کیونکہ غیر شعوری نظر، بلا فہم شنوائی اور ایسا شامہ، لمس اور ذائقہ جس کا نفس پر کوئی انعکاس نہ ہو، اس کی انسانی زندگی میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اور نہ ایسے احساس کی تربیت مقصود ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایسے حواس ہرچند کہ حواس ہی کہلائیں گے مگر چونکہ یہ اپنی نفسیاتی تاثیر مرتب نہیں کرتے ہیں اس لیے بے اثر اور غیر مقصود ہیں۔

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ (الاعراف: ۱۷۹)

"ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے۔"

اعضائے جسمانی اور اعصاب اور گوشت پوست سب مل کر جسم قرار پاتے ہیں، لیکن بالآخر یہ مرکب جسم ایک جاندار قوت (قوت حیوانی) ہوتا ہے جو مجموعی طور پر نہایت پیوستگی کے ساتھ کسی نفسیاتی مقصد کے لیے حرکت کرتا ہے

## دو امور کا بطور خاص لحاظ

اور اسلام جسم کی تربیت اور قوت حیوانی کی تربیت میں دو امور بطور خاص ملحوظ رکھتا ہے، یعنی جسم کو جسم ہونے کی حیثیت سے مدنظر رکھتا ہے تاکہ وہ اپنے وجود سے پیوست نفسیاتی انجام تک پہنچ سکے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کہ

"تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ انسان پورے جسم کی جانب توجہ کرے اور اسے جائز، حلال اور طیب غذا فراہم کرے، اسے آرام کا موقعہ دے اور اس کو صاف ستھرا رکھے۔ اسی طرح اللہ سبحانہٗ نے جسم کے متعلق جو ہدایات دی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ جسم کو لازمی قوت حیوانی فراہم کی جائے تاکہ وہ انسان کے پورے وجود کے مقاصد کی تکمیل میں اس قوت کو صرف کر سکے اور جسمانی وجود پر قائم نفسیاتی مقصد کو حاصل کر سکے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ (القصص: ۷۷)

"اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔"

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ (الاعراف: ۳۲)

"اے نبیؐ، ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں۔"

غرض اسلام نے جا بجا جسمانی دیکھ بھال اور عام بدنی ورزشوں کی ہدایات دی ہیں اور تیر اندازی اور شاہسواری جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے اسی منہاج تربیت کا ایک حصہ ہیں اور ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ جسم کو تقویت پہنچے اور جسم محنت کرنے اور سہنے کا عادی ہو سکے۔ جیسا کہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ انسانی جسم کو اس قدر توانائی حاصل ہو جائے کہ وہ زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکے، اس لیے کہ کمزور و ناتوان جسم نہ تو زندگی کے کیف و سرور سے پوری طرح لطف اٹھا سکتا ہے اور نہ پوری طرح نفس کو اتنی وافر مقدار میں زندگی کا ایندھن فراہم کر سکتا ہے جو اس کے لازمی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی ہو مزید برآں یہ کہ "کشاکش حیات" کے لیے لامحالہ ایک مضبوط اور توانا جسم کی ضرورت ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ساتھ مسابقت (دوڑ لگاتے) فرماتے

اور کبھی عائشہؓ آگے نکل جاتیں اور کبھی آپؐ آگے نکل جاتے اور آپؐ اپنی اونٹنی قصواء پر کبھی دوڑ لگاتے تھے۔ اور حج کے فرائض میں بھی اسلام نے جھپٹ کر چلنا اور دوڑنا مقرر فرمایا ہے اور یہ سب امور جسم کے اعضاء کو توانائی بخشنے اور مضبوط بنانے کے تربیتی اقدامات ہیں۔

## قوتِ حیات کی تربیت

اگرچہ اسلام نے عضویاتی جسم کی تربیت کی جانب بھی توجہ کی ہے لیکن ہم صرف اسی پر گفتگو نہیں کریں گے بلکہ ہم اس کے بارے میں گفتگو کریں گے جو جسمانی وجود کے چشمے سے پھوٹتی ہے اور تمام مشاعرِ نفس کو سیراب کر جاتی ہے۔ اسلام نے اس قوتِ حیات کی تربیت اور اس کو صحیح رخ پر لگا دینے کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔

اسلام نے قوتِ حیات کو ناپاک و نجس نہیں بنایا ہے اور نہ ہی اسے قابل نفرت و حقارت تصور کیا ہے (جیسا کہ عیسائی رہبانیت میں کیا گیا ہے)، بلکہ اسلام نے اس قوت کا برملا اور کھلم کھلا اعتراف کر کے اس کی تربیت کرتے اسے پاکیزہ رکھنے اور اسے مہذب بنانے کے اقدامات کیے ہیں بلکہ اسلام نے تو انسان کو اس قوتِ حیات (Vital Power) سے لطف اندوز ہونے کی ہدایت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (الاعراف: ۳۲)

"اے نبیؐ، ان سے کہو، کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں۔ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز خالصۃً انہی کے لیے ہوں گی۔"

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ۔ (السباء: ۱۵)

"کھاؤ اپنے رب کا رزق اور شکر بجالاؤ۔"

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (الکہف: ۷)

"واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سرو سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔"

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ (الاعراف: ۳۱)

"اے بنی آدم، ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو۔"

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ۔ (البقرہ: ۲۲۳)

"تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ۔"

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بیوی سے فطری تعلق استوار کرنے پر اجر بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

"تمہارے اس تعلق پر بھی ثواب ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرے تو اس پر بھی ثواب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ یہ تعلق حرام طریقے پر قائم کرتا تو کیا سزا نہ ہوتی؟ صحابہؓ نے عرض کی، جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کہ بس اسی طرح تعلق حلال پر بھی ثواب ہے۔" (مسلم)

اسلام نے جہاں جسمانی معاملات پر توجہ دی ہے اور وضو اور غسل کے احکام بیان فرمائے ہیں وہاں جنسی مسائل پر بھی توجہ دی ہے اور اس طرح "قوت حیات" کا برملا اعتراف کیا اور اس کی پاکیزگی اور نظافت کے اصول بیان فرمائے

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ۔ (البقرہ: ۲۲۲)

"پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے، کہو وہ ایک گندگی کی حالت ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک صاف نہ

ہو جائیں۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ اس طرح جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔"

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ۔ (البقرہ: ۱۸۷)

"تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔"

جنسی امور کے مدنظر اسلام جسمانی اور نفسیاتی مظاہر کے بارے میں بھی ہدایات دیتا ہے کہ مرد پوری طرح (مظاہر کے لحاظ سے بھی) مرد ظاہر ہو اور عورت کے بھی جملہ مظاہر ایک عورت کی طرح ہوں، اور مردوں میں زنانہ خصلتیں، عادتیں اور مظاہر نہ پائے جائیں اور اسی طرح عورتوں میں مردوں کی مشابہت نہ پائی جائے تاکہ جنسی قوت فطرت سلیمہ کے مطابق برقرار رہے اور انسان جنس کو بے حیائی اور فحاشی کا ذریعہ بنا کر نہیں بلکہ فطری اصولوں کے مطابق ایک جسمانی اور نفسیاتی ضرورت کے طور پر برتے۔

## جسم انسانی کی حقارت کا تصور

اسلام نے جسم انسانی کو حقیر، برا اور گندہ تصور نہیں کیا ہے (جیسا کہ عیسائی رہبانیت میں ہے) بلکہ اسلام نے انسانی جسم کو پاکیزہ قرار دیا ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی جملہ عبادات میں (روح کے ساتھ) جسم بھی شریک عبادت ہوتا ہے اور بوقت عبادت جسم کو نظر انداز نہیں کر دیا جاتا۔ اس بات کی ایک واضح مثال نماز ہے جس سے پہلے جسم کو پاک و صاف کرنے کے لیے وضو کیا جاتا ہے جو کہ ایک جسمانی عمل ہے (ہر چند کہ اس کے روحانی فوائد اور مقاصد بھی ہیں) خود نماز جہاں فکر اور روح کی بیداری کرتی ہے وہاں اس میں جسمانی حرکات بھی موجود ہیں اور اس طرح دورانِ نماز انسان کا جسم اس کی عقل اور اس کی روح کا شریکِ کار ہوتا ہے: اور خشیت و خشوع کی حرکات میں شریک ہوتا ہے کہ اگر جسمانی طہارت نہ ہو تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ روزہ بھی بیک وقت نفسیاتی اور جسمانی عبادت ہے۔ غرض اسلام میں ہر عبادت، عملی عبادت ہے اور اس میں توجہ الی اللہ میں جسم بھی شریک ہوتا ہے۔

اسلام جسمانی قوت کا مکمل لحاظ تو رکھتا ہے لیکن اس کے حال پر نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی تنظیم کرتا ہے اور اس کے اظہار کے راستے متعین کرتا ہے کیونکہ اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ خود انسانی وجود کے لیے تباہ کن ہو جائے۔

## تحفظ ذات اور تحفظ نوع

بات دراصل یہ ہے کہ زندگی کی بقا کے لیے "تحفظ ذات" اور "تحفظ نوع" ایسے لازمی امور ہیں کہ ان کے بغیر زندگی باقی نہیں رہ سکتی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں امور کو انسان کی ساخت اور اس کے وجود کی گہرائیوں میں پیوست کر دیا ہے۔

فرد کی ذات کے تحفظ کے لیے غذا، لباس اور رہائش لازمی امور ہیں اور نوع کی حفاظت کے لیے جنسی قوت اور اپنے آپ اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی مدافعت کی صلاحیت لازمی امور ہیں۔ اور ان تمام امور کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے جداگانہ مستقل وجود کو، جماعت کے ایک حصہ ہونے کے لحاظ سے اپنے وجود کو اور تمام معاشرے اور سماج کو محبوب رکھے۔

بہرحال یہ اہم فطری محرکات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں ودیعت فرما دیئے ہیں تاکہ انسان اپنی ذات اور اپنی نوع کا تحفظ کر سکے۔ اور اس کے وجود کے اندر اور اس کی ساخت میں اس امر کی ضمانت فراہم کر دی کہ وہ مقاصد حیات کو بروئے کار لاتا ہے اور زندگی کے مطالبات کی تکمیل کرتا رہے۔ چنانچہ بھوک و پیاس کا لگنا اس امر کی ضمانت ہیں کہ جسم کو اس کی خوراک اور پانی میسر آتے رہیں گے اور گرمی و سردی سے اور موسمی تغیرات سے تکلیف کا احساس اس امر کی ضمانت ہیں کہ انسان جسم کو لباس میں ملبوس رکھے گا اور کسی پناہ گاہ میں محفوظ رکھے گا، اور جنس کی شدید رغبت و خواہش اس امر کی ضمانت ہیں کہ نوع کے تحفظ کے لیے مسلسل نسل کشی ہوتی رہے گی اور اپنی جان کی حفاظت کی شدید خواہش اس امر کی ضمانت ہے کہ انسان اس جسم کی تمام ضروریات کی تکمیل کرتا رہے گا غرض زندگی کے ہر مقصد کی تکمیل کی ضمانت فطری طور پر خود جسم کی ساخت میں موجود ہے، جس کے احساس کیلیے کسی تأمل کی حاجت نہیں ہے۔

پھر زندگی کے تحفظ کی یہ ضمانتیں جو جسم میں ودیعت کردی گئی ہیں، ان میں صرف الم (تکلیف ہی کا پہلو نہیں ہے (کہ بھوک پیاس سے انسان کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس تکلیف کا ازالہ کرتا ہے) بلکہ اس کا دوسرا پہلو حصول لذت بھی ہے۔ گویا مقاصد حیات میں سے ہر مقصد کی تکمیل کے لیے بیک وقت دو ضمانتیں فراہم کی گئی ہیں کہ ایک محرک اس مقصد کے حصول کی جانب پیچھے سے دھکیلے (یعنی الم) اور دوسرا محرک اس مقصد کے حصول کے لیے آگے سے کھینچے یعنی اس خواہش کی تکمیل میں پنہاں لذت (کھانے پینے میں لذت ہے جنسی عمل میں لذت ہے اور جسم کو لباس اور محفوظ جگہ میں آرام دینے میں لذت ہے یعنی جسم کی زندگی کے مطالبات میں سے ہر مطالبہ ایسا ہے کہ اگر وہ پورا نہ ہو تو جسم کو تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور جسم اس کی تکمیل کا مطالبہ کرتا ہے اور جب اس مطالبہ کی تکمیل کردی جائے تو جسم کو آسودگی حاصل ہوتی ہے اور وہ لذت پاتا ہے)۔ اور یہی احساس الم و لذت درحقیقت انسانی زندگی کے بہت بڑے محرکات ہیں۔

## جسمانی محرکات کی مسرفانہ تکمیل

مندرجہ بالا محرکات جہاں حیات انسانی کے وجود کے برقرار رہنے کے لیے ناگزیر ہیں وہاں ان کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اگر ان محرکات کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کے سامنے کوئی بند نہ باندھا جائے تو یہ سیل بے کراں سب کچھ تباہ کر چھوڑے، سب سے پہلے ان محرکات کی بلا بندش تکمیل جسم کو بیماریوں کی آماجگاہ بنا دے گی اور اسے بالکل تباہ کردے گی اور پھر دوسرے یہ کہ جسم کی راحت و آسودگی بھی برقرار نہیں رہے گی اور جس قدر جسم کو حصول لذت کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا، اسی قدر لذت کی سیرابی میں کمی آتی جائے گی بلکہ لذت، الم میں تبدیل ہو جائے گی اور آسودگی عذاب بن جائے گی۔

چنانچہ جو شخص کھانے میں اسراف برتے، اگرچہ اولاً یہی محسوس ہوگا کہ وہ سیراب ہو رہا ہے اور اس کی بھوک مٹ رہی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ زیادہ کھانا

اس کی حرص طعام کو اس قدر بڑھا دے گا کہ پھر نہ اسے تسلی ہوگی اور نہ وہ مطمئن ہوگا (اور اس کی بھوک جوع البقر بن جائے گی)۔

جو شخص جسم کو حد سے زیادہ آرام پہنچانا شروع کر دے تو ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ اس کا احساس راحت اور شعور آسودگی ہی برٹ جائے گا، اور اس کی جگہ اس کا جسم کاہلی اور درماندگی کا شکار ہو جائے گا اور کچھ وقت گزرنے کے بعد جسم کی چستی اور پھرتی ختم ہو کر یہ کاہلی اور درماندگی عذاب جان بن جائے گی۔

جو شخص جنس کی لذتوں کے حصول میں مسلسل منہمک ہو جائے تو وہ ایک وقت گزرنے کے بعد اس قدر شدید جنسی بھوک کا شکار ہو جائے گا کہ کبھی بھی اس کی بھوک نہ مٹے گی اور مسلسل نئی نئی لذتوں کی تلاش میں سرگرداں رہے گا۔

اور جو شخص ملکیت میں مسرفانہ روش اختیار کرے گا، تو اس کی ہل من مزید کی بے پناہ خواہش سے تسکین نہ ہو سکے گی بلکہ وہ جوع الارض کا شکار ہو جائے گا اور ہمیشہ ہی یہ سمجھتا رہے گا کہ جو کچھ بھی اس کے پاس ہے وہ انتہائی قلیل اور حقیر ہے۔

## حیاتیاتی مطالبات اور جمالِ فطرت

بہر حال مقصد حیات یہ نہیں ہے کہ انسان جسم کے حیاتیاتی مطالبات کی تکمیل میں لگا رہے۔ بلکہ اس ضرورت سے زیادہ زندگی اور حیات کی فطرت میں ایک جمال اور حسن بھی ہے اور یہ حسن و جمال ان امور کے اور ان ضروریات کے بطریق احسن ادا کرنے میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

اس امر کی وضاحت کے لیے اس وسیع و عریض کائنات پر ذرا ایک نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ کائنات کے حسن و جمال کے بارے میں انسان کے علم بصیرت میں اضافہ ہو، ذرا آپ رنگا رنگ، خوش رنگ و خوش بُو مہکتے ہوئے پھولوں کو دیکھیے کیا یہ ساری نیرنگی، سارا حسن اور سارا جمال محض ایک ضرورت کی تکمیل ہے یا یہ حسن و جمال ضرورت سے ماوراء کسی مقصد کا حامل ہے۔

سائنس دان کہتے ہیں کہ پھولوں کا مقصد وجود یہ ہے کہ شہد کی مکھیاں اس سے

شہد حاصل کریں جو انسان کے لیے غذا اور شفا ہے اور یہ کہ یہ پھول نباتات کو بار آور (Pollination) کرنے کا وظیفہ بھی انجام دیتے ہیں۔

لیکن جہاں تک شہد کی مکھی کا تعلق ہے اس کے لیے پھولوں میں اس قدر حسن و جمال کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ شہد کی مکھی ایک سیدھی سادھی مخلوق ہے اور وہ جہاں ایک بے حد حسین اور خوبصورت پھول پر بیٹھتی ہے وہاں وہ ایک عام سے پھول پر بھی بیٹھتی ہے اس لیے محض شہد کی مکھی کے حوالے سے اور محض ضرورت کے تحت پھولوں میں اس قدر حُسن و جمال کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حیاتیاتی مقاصد تو ایک سادہ پھول سے بھی اسی قدر عمدہ طریقے پر پورے ہو جاتے ہیں جس طرح کہ ایک خوبصورت ترین پھول سے پورے ہوتے ہیں۔

جمال طبیعت (Nature) کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیجیے۔ کیا جمال شفق، حُسن طلوعِ صبح، لرزہ فگن پر ہیبت پہاڑ، موج در موج انتہاہ پھیلے ہوئے سمندر، چاندنی رات، صبح کی چمکیلی دھوپ، شام کے ملگجے سائے اور سرگوشی کرتی ہوئی کائنات، سب محض حیاتیاتی ضرورت کی تکمیل ہے اور کیا اس سارے حسن و جمال کے بغیر زندگی وجود میں نہیں آسکتی تھی؟

کیا یہ فتنہ پرور چہرے، یہ حُسن و خوبصورتی کے ترشے ہوئے چہرے، یہ ہنستی بولتی حسین آنکھیں اور یہ چہرے کے نقوش سے پھوٹتی ہوئی روح کے جمال کی روشنی محض حیاتیاتی ضرورت (Biological Necessity) ہے؟ اور کیا کھانے پینے اور سانس لینے کی ضرورتیں برے بھلے ہر طریقے پر پوری نہیں ہو جاتیں؟ اور کیا خود جنس ہر نر و مادہ میں خوبصورتی سے قطع نظر کر کے پوری نہیں ہو جاتی؟ یقیناً یہ حسن و جمال ہے اور محض حیاتیاتی ضرورت نہیں ہے بلکہ اللہ نے فطرت کو اس طرح پر پیدا کیا ہے کہ وہ حیاتیاتی اعمال محض ضرورت کے تحت نہ کرے بلکہ وہ ان کو عمدگی اور حُسن اور خوبصورتی سے انجام دے[1]

## ارتقائے حیات کا تسلسل

مزید برآں ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ زندگی کا تحفظ ہی واحد مقصد نہیں ہے

---

[1] مصنف کی کتاب قبسات من الرسول کا باب ولیرح ذبیحتہ ملاحظہ کیجیے۔

بلکہ اصل مقصد زندگی کو محفوظ رکھنا اور اسے مسلسل ترقی دیتے رہنا ہے۔ انسان ہرچند کہ اس کارگاہِ حیات میں افضل ترین مخلوق ہے اور اس کی زندگی بہترین زندگی ہے مگر اس کے باوجود اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرم رہے اور ارتقار کی جدوجہد کرتا رہے اور اپنے آپ کو زوال و انحطاط سے بچانے کے لیے اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو مجتمع رکھے۔ اگر انسان شہوتوں کے راستے پر چلے گا تو اس کی قوتوں اور صلاحیتوں کا یہ ذخیرہ جو ارتقار میں اور انحطاط سے بچانے میں صرف ہونا چاہیے تھا رفتہ رفتہ ضائع ہو جائے گا۔ اور انسان کا لذتوں کے حصول کا حد سے بڑھا ہوا یہ اشتیاق انسانی شعور، فکر اور عمل کو ارتقار کے قابل نہیں چھوڑے گا اور انسان یہ محسوس کرنے لگے گا کہ ارتقار اس کی پست لذتوں اور غلط آسودگیوں کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

انسان روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا گیا ہے اور اس خلافت کے فریضے کی انجام دہی کے لیے اسے بھرپور ایجابی قوت، قوت ارادی اور قوت کار بخشی گئی ہے تاکہ وہ اپنے رب کے حکم سے اس سرزمین کو نشو و نما دے۔ تو اگر انسان اپنی ان قوتوں کو ضائع کر دے اور اپنی ان صلاحیتوں کو حیوانی مطالبات اور حیوانی محرکات میں کھپا دے تو انسان کا وجود کس طرح برقرار رہ سکے گا؟ منصب خلافت کیوں کر سر انجام پائے گا؟ تہذیبیں اور افکار کس طرح پیدا ہوں گے؟ زمین کی تعمیر و ترقی کیونکر ہو گی؟ اور ذات الٰہی سے مستفاد اور اس سنت اللہ سے ماخوذ جس کے مطابق اللہ نے آسمانوں زمین اور زندگی کو تخلیق کیا ہے، ازلی حق اور عدل کیوں کر قائم ہو سکیں گے؟

انسان تو مٹی اور روح دونوں ہی سے تخلیق ہوا ہے تو اگر انسان روح سے بالکلیہ تعلق منقطع کر لے اور مٹی اور مادہ ہی سے چمٹ کر رہ جائے اور مادی خواہشوں کا بندہ بن کر رہ جائے تو اس کا مکمل اور اصل وجود کیوں کر بروئے کار آ سکتا ہے؟

## لاشعوری اخفا اور شعوری انضباط

یہی وجہ ہے کہ اسلام انسان کو محض مادی خواہشوں کا بندہ بن کر نہیں رہنے دیتا بلکہ اس پر کچھ پابندیاں اور کچھ حدود عائد کرتا ہے اور اس کی ان خواہشوں کی تکمیل شائستہ اور مہذب طریقے مقرر فرماتا ہے۔

مگر اسلام نے انسان کی مادی خواہشوں کو کچلنے اور لاشعوری اخفا (Repression) کا طریقہ اختیار نہیں کرتا، کیونکہ جذبات کو کچل دینے کا طریقہ (Repression) اسلام کے منافی ہے بلکہ اسلام کا طریقہ کار یہ ہے کہ اسلام انسانی وجود کو اس کی جملہ خصوصیات اور اس کی تمام قوتوں کے ساتھ مقاصد وجود (Object of Life) کی تکمیل میں لگا دیتا ہے اور جب تک انسان ان مقاصد کی تکمیل میں لگا رہے وہ اس کی ہر قوت و صلاحیت کا اعتراف کرتا اور اسے بروئے کار لاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام انسان کی مادی ضرورتوں، خواہشوں اور میلانات و جذبات کو کیونکر کچل سکتا ہے۔ اور مثلاً اسلام کھانے پینے کی خواہش کو کیونکر دبا سکتا ہے جب کہ اسلام کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے بہادر اور مضبوط جسم کے مالک مجاہدین درکار ہیں اسلام جنسی قوت کو کس طرح کچل سکتا ہے، جب کہ اسلام چاہتا ہے کہ صالح اور نیکوکار آبادی پھیلے اور بڑھے تاکہ روئے زمین پر اس نظریہ کی اشاعت ہو سکے۔ اسلام کس طرح انسان کے حُبِ ذات کے جذبے کو کچل سکتا ہے حالانکہ یہی حُبِ ذات کا جذبہ عمل اور پیداوار کا ضامن ہے اور اسی کے ذریعے انسان منصب خلافت کی انجام دہی کر سکتا ہے اور زمین کو آباد کر سکتا ہے۔ اسلام قتال کی قوت کو کس طرح کچل سکتا ہے حالانکہ اسلام کو تو شر کی قوتوں سے مسلسل برسرِ پیکار رہنا ہے۔ غرض اسلام انسان کی کسی بھی قوت اور صلاحیت کو نہیں کچل سکتا، اس لیے کہ اسلام کو انسان کی ان تمام صلاحیتوں اور قوتوں کی ضرورت ہے، بلکہ اسلام تو چاہتا ہے کہ انسان کی یہ قوتیں اور صلاحیتیں بروئے کار آئیں، اسی لیے اسلام ان قوتوں کو کچلنے کے بجائے انہیں غذا فراہم کرتا، نشوونما دیتا اور انہیں صحیح مصرف

میں لگاتا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور اس میں رہبانیت اور ترکِ دنیا کی تعلیم نہیں ہے۔

اسلام انسانی قوتوں اور صلاحیتوں پر کچھ شعوری ضوابط (Suppression) اور پابندیاں عائد کرتا ہے جو بظاہر ظاہر ہیں کو لاشعوری اخفار (Repression) محسوس ہوتی ہیں مگر درحقیقت یہ شعوری ضوابط اور محسوس پابندیاں، لاشعوری اخفا (Repression) نہیں ہیں[1]

---

[1] لاشعوری اخفار (Repression) وہ نفسیاتی عمل جس کے زیر اثر خواہشات، جذبات اور میلانات شعور سے لاشعور کی تہ میں اتر جائیں، کیونکہ ان کا شعور میں رہنا معاشرے میں بُرا سمجھا جاتا ہے اور انہیں غیر سماجی (Anti Social) خیال کیا جاتا ہے، یہ خواہشیں لاشعور میں چھپ کر الجھن بن جاتی ہیں اور وقتاً فوقتاً شعور میں آکر گڑبڑ مچاتی رہتی ہیں۔ جس سے جھنجھلاہٹ (Frustration) پیدا ہوتی ہے۔

جب کہ شعوری انضباط (Suppression) میں انسان بعض جبلی میلانات کی تکمیل سے کسی مقصد کے تحت وقتی طور پر باز رہتا ہے، جو رفعت (Sublimation) کا سبب بنتا ہے۔ اور انسانیت کی تمام تر تہذیبی پیش رفعت اسی شعوری انضباط (Suppression) کی مرہون منت ہے۔

اسلام کہیں بھی اور کسی مرحلے پر بھی انسانی نفس میں لاشعوری اخفار (Repression) پیدا نہیں کرتا، اس لیے کہ اسلام نے کسی بھی فطری میلان کے شعوری احساس کو برا اور نجس نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسلام نے انسان کے تمام فطری میلانات کو تسلیم کیا ہے، انہیں خوشگوار و دلکش بتایا ہے اور ان کی تکمیل پر ثواب و اجر کی خوشخبری سنائی ہے۔ البتہ اسلام نے اس امر کی اجازت نہیں دی ہے کہ انسان اپنے جبلی میلانات کی تکمیل جانوروں کے طریقے پر کرے بلکہ اسلام نے ہدایت کی ہے کہ انسان ان میلانات کی تکمیل انسانی طریقے پر کرے۔ اس مقصد کے لیے اسلام نے ان میلانات کی تکمیل پر کچھ حدود اور پابندیاں عائد کی ہیں۔ اور شعوری انضباط (Suppression) کے ذریعے رفعت (Sublimation) کی شاہراہ متعین کی ہے۔

اس مضمون کی مزید وضاحت کیلیے مصنف کی کتاب "اسلام اور جدید ذہنی افکار" ترجمہ راقم الحروف ملاحظہ کیجیے۔

(س۔ صدیقی)

فرائڈ (Freud) جو ہمیشہ لاشعوری اخفار (Repression) اور نفسیاتی الجھنوں کی توضیح کرتا رہا اور جنس کے بارے میں یہ خیال کیا جانے لگا کہ اس کے نزدیک ہر خواہش فطری سے باز رہنا نفسیاتی اضطراب پیدا کر دینے والا اخفار (Repression) ہے، خود اپنی کتاب "نظریہ جنس پر تین مضامین" (Three Contributions to the Sexual Theory) میں صفحہ ۸۲ پر لکھتا ہے۔

"لاشعوری اخفار (Repression) اور کسی جبلی عمل سے از خود باز رہنے (Suppression) میں فرق ہے کہ از خود امتناع دراصل اس کی انجام دہی کو معلق کر دیتا ہے۔"

یعنی شعوری طور اور ایک مقصد کے تحت کسی جبلی عمل (Instinctive Action) سے امتناع اختیار کرنا دراصل شعوری انضباط (Suppression) ہے اور لاشعوری اخفار (Repression) نہیں ہے، کیونکہ لاشعوری اخفار (Repression) تو یہ ہے کہ کسی جبلی میلان (Urge) کو بُرا اور گندہ سمجھ کر اسے عالم شعور میں آنے کی اجازت نہ دی جائے، جب کہ اسلام میں ایسی کوئی صورت موجود نہیں ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اسلام نے تو انسان کے فطری میلانات کو دلکش بنا کر ان کی تکمیل کی دعوت دی ہے اور اس پر اجر بھی بیان کیا ہے۔

اس کے برعکس شعوری انضباط (Suppression) ایک جداگانہ عمل ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان انفرادی وجود یا اجتماعی ڈھانچے کے تحفظ کی خاطر کسی جبلت کی تکمیل پر ایک متعین مقدار کی پابندی عائد کر لے یا اس پر کسی مخصوص وقت میں تکمیل پر پابندی عائد کرے مگر اس جبلی میلان کو مکروہ اور بُرا نہ سمجھے۔ مثلاً اگر کوئی شخص بھوکا ہو تو اسے ضرور کھانا کھلانا چاہیے اور کھانے کی خواہش میں کوئی برائی بھی نہیں ہے لیکن انسان کو بھوک کے وقت اور پیٹ بھرتے وقت آدمیت سے فروتر نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے نفس کا اور انسانیت کا کوئی احترام ملحوظ نہ رکھے۔ نہ ہی یہ ہو کہ جب انسان کھانا کھائے تو اس قدر کھائے کہ

بدہضمی ہو جائے اور بسیار خوری کی عادت جوع البقر بن جائے۔ پھر جب انسان کھانا کھائے وہ اپنے ہاتھ کھانے میں بھرے اور اس قدر حرص سے کھائے جیسے حیوان کھا رہا ہو۔

حیوانات جبلی میلانات کی تکمیل جبلی طریقے پر ہی کرتے ہیں، جب کہ انسان اس جبلت کی تکمیل کے مختلف طریقے اختیار کر سکتا ہے اور کچھ وقت کے لیے کھانا کھانے کو مؤخر کر سکتا ہے اس میں تنوع اختیار کر سکتا ہے اور کھانے کی پیش کش اور اس کے آداب میں تہذیب اور نزاکت پیدا کر سکتا ہے۔

مزید یہ کہ انسان کھانے کے لیے چوری نہ کرے بلکہ اپنی ملکیت میں جو کھانا ہو وہ کھائے اور دوسروں کا کھانا چھین کر اور جھپٹ کر اور دھوکہ اور فریب سے حاصل کر کے نہ کھائے اور وہ چیزیں نہ کھائے جن کو اللہ نے انسان کے لیے حرام کر دیا ہے۔

انسان محض کھانے کے لیے زندہ نہیں رہتا بلکہ زندگی کے اور بھی مقاصد ہیں جو وجود میں آنے چاہئیں، اس لیے کہ کھانا بذات خود مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد یعنی تحفظ ذات کا ایک ذریعہ ہے اور ذریعہ کو ذریعہ ہی رہنا چاہیے اور یہ نہ ہو کہ ذریعہ مقصد بن جائے اور انسان کو زندگی میں انواع و اقسام کے کھانے، کھانے کے سوا کوئی اور مشغلہ ہی نہ رہے۔

پھر یہ کہ انسان تنہا نہ کھائے بلکہ انسانی اخوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرے محروم لوگوں کو بھی کھلائے، انہیں اپنی خوشی اور غمی میں شریک رکھے اور خواہ اس نے یہ کھانا اپنے جائز مال سے فراہم کیا ہو پھر بھی اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ خود کھالے اور اس کے گرد محروم اور بھوکے لوگ موجود ہوں اور وہ اس کھانے میں سے انہیں نہ دے۔

بہر حال انسان بربنائے عادت یا بربنائے شعور ان تمام امور کی پابندی کرتا ہے اور یہ سب خواہش طعام پر عائد ہونے والی پابندیاں اور ضوابط ہیں، مگر یہ اختیار

(Repression) نہیں ہیں۔ اور انسان خواہ یہ پابندیاں بربنائے عادت قبول کرے یا بربنائے شعور کرے ان میں سے کوئی بھی پابندی لذت طعام کو ضائع نہیں کرتی بلکہ کھانے پر عائد شدہ ان پابندیوں سے اسے اصل مادی اعصابی اور کیمیاوی لذت کے سوا نفسیاتی اور روحانی لذتیں بھی حاصل ہوتی ہیں اور انسان کو آدمیت کی رفعت کا احساس ہوتا ہے، اسے اپنے آزادانہ اختیار کا شعور حاصل ہوتا ہے اور اسے جبلی میلان پر اختیار سے اپنے وجود کا احساس ہوتا ہے۔ دیگر بنی نوع انسان کے ساتھ شرکت اور کھانے کی پاکیزگی اور اس میں خدا کا اور محروم انسانوں کا حق ادا کرنے سے اس کی طہارت کا روحانی احساس ہوتا ہے۔

غرض کھانے پر مذکورہ پابندیاں قبول کرنے سے حسی لذتوں میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ اس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

## مسئلہ جنس

ایسا ہی معاملہ جنس کے مسئلے میں ہے کہ انسان صنف مخالف کی خواہش محسوس کرتا ہے اور اس کے ساتھ ملاپ کی اور ایک ہو جانے کی شدید رغبت محسوس کرتا ہے تو فی الحقیقت اسلام کی نظر میں یہ خواہش غیر پسندیدہ اور یہ رغبت بری نہیں ہے، بلکہ یہ تو تقاضائے فطرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں میں یہی فطرت ودیعت کی ہے کہ تمام انسان مخالف صنف کی رغبت اور خواہش رکھتے ہیں اور مقصد حیات اور تحفظ نوع کے لیے یہ رغبت و خواہش ناگزیر بھی ہے۔ اور انسان کی جسمانی ساخت اور اس کا عضویاتی (Physiological) حیاتیاتی (Biological) اور کیمیاوی (Chemical) وجود اس وظیفہ کی تکمیل کے لیے انتہائی موزوں تخلیق ہوا، تاکہ دو انسانوں کے باہمی ملاپ سے زندگی آگے بڑھے اور نئی نسل وجود میں آئے۔ گویا اس میلان اور اس رغبت کا احساس بالکلیہ فطرت کے مطابق ہے۔ لیکن جذبۂ جنس کے فطری ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں مبتلا رہے اور

اس کے سوا اسے اور کوئی کام نہ رہے، اس لیے کہ زندگی محض جنس نہیں ہے اور یہی ایک زندگی کا مقصد نہیں ہے بلکہ انسان پر اپنی ذات کی اور دوسرے لوگوں کی بہت سی ذمے داریاں ہیں۔

سب سے پہلے ایک نوجوان ضروری علم سے آراستہ ہو کر معاشرے پر نظر ڈالے کہ معاشرہ میں کیا انحرافات ہیں اور ان کے اسباب کیا ہیں اور پھر ان انحرافات (Diversions) کے دور کرنے کی سعی کرے اور بھلائیوں کی تبلیغ اور برائیوں کی روک تھام کا فرض ادا کرے اور اس فرض کی ادائیگی میں جو دشواریاں پیش آئیں اور جو تکلیفیں پہنچیں اپنے آپ کو ان کے لیے تیار کرے اور سماجی راہنمائی اور لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے آپ کو بہترین نمونہ بنا کر پیش کرے کیونکہ جب تک انسان جو کچھ کہتا ہے اس پر خود عمل نہ کرے اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اور جب معاشرے کے لوگوں کو شہوتوں کے سیل بے کراں میں بہہ جانے سے روکے تو خود بھی دامن خشک لیے ساحل پر موجود ہو۔

رغبتِ جنسی کے فطری ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان سرِ راہ کسی دوشیزہ کو اچک لے اور لے اپنے قبضۂ تصرف میں لے آئے، اس لیے کہ اس دوشیزہ کی عزت بھی اس شخص جیسی ہے اور اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کی اپنی عزت داغدار نہ ہو تو اسے اس کی عزت کی بھی حفاظت کرنی چاہیے۔ اور جب یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی پاکباز ہو تو اسے دوسری لڑکیوں کی پاکبازی کی حفاظت بھی کرنی چاہیے کیونکہ اس کا بھی کسی وقت ایک شوہر جس کی خود بھی خواہش ہو گی کہ اس کی بیوی پاکباز ہو بلکہ اگر وہ دوشیزہ خود اس کے ساتھ جذبہ جنسی کی تسکین پر آمادہ ہو اور خود دعوت گناہ دے تب بھی یہ دوشیزہ اس کے لیے جائز نہیں ہو سکتی، کیونکہ اگر کوئی چوکیدار کسی کو کہے کہ جس مال کی میں حفاظت کر رہا ہوں اس کو تم چرا لو، تو اس کی اس اجازت سے چوری تو جائز نہ ہو جائے گی کیونکہ یہ چوکیدار اس مال کا محافظ ہے مالک نہیں ہے۔
اسی طرح یہ دوشیزہ اپنی عزت کی محافظ ہے مگر مالک نہیں ہے اور اس لیے اسے

یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی عزت لوٹنے کی اجازت دے، کیونکہ یہ عزت صرف اس کی عزت نہیں ہے بلکہ اس کے والدین کی عزت ہے، اس کے خاندان کی عزت ہے، اس کے معاشرے کی عزت ہے اور پوری انسانیت کی عزت ہے۔ اور درحقیقت اس امانت کی عزت ہے جو اللہ نے انسان کے سپرد کی ہے اور تقاضائے امانت یہی ہے کہ اس میں خیانت نہ کی جائے۔

انسان کے ذہن پر جنس اس طرح نہیں چھا جانی چاہیے کہ وہ بھڑکا ہوا از خود رفتہ رفتہ حیوان بن جائے، اس لیے کہ انسان خالص مادی اور جسمانی وجود نہیں ہے کیونکہ انسان پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب عقل اور روح ساتھ چھوڑ چکی ہو اور وہ بالکل حیوان بن گیا ہو، چونکہ جنسی احساس بھی اس کے مکمل وجود کا ایک حصہ ہے اس لیے اس احساس کو بھی فطرت سلیمہ کے مطابق ہونا چاہیے یعنی جسم کی خواہش کے ساتھ دل کی دھڑکن اور روح کی سبک سازی بھی ہو اور اس کے ساتھ ہی منفین میں محبت ومودت ہو نرمی اور مفاہمت ہو اور روح کا پورا امتزاج ہو۔ اور چوری چھپے رات کی تاریکی میں حصول جنس سے یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے، خواہ کوئی شخص یہ خیال کرے کہ جنسی لذت کے اس طرح اچک لینے سے اس کا وجود متحقق ہو جائے گا کیونکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ وقتی خواہش کے تحت ابھرنے والے خیالات انسان کو اس طرح کا تاثر دیتے ہیں مگر جوں ہی یہ لمحہ گزرتا ہے حقیقت سامنے آجاتی ہے اسلام کی نظر میں انسان اپنی فطری رغبت کی تکمیل انسانی طریقے پر کرتا ہے کیونکہ انسان کو اختیار اور ارادہ کی قدرت حاصل ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ اس کے عضویاتی حیاتیاتی اور کیمیائی تقاضے کیا ہیں، چنانچہ انسان جب کسی عورت کو اس کے اخلاق اور عادات اور شکل وصورت کی بنا پر پسند کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی اس عورت کی ساتھ عمدگی اور خوش اسلوبی سے گزر سکے گی تو وہ سب سے پہلے اللہ سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ اپنی رضا کے مطابق اسے اس کے لیے مقدر فرما دے پھر اس کے والدین اور سرپرستوں سے اس کا ہاتھ طلب کرتا ہے اور اپنی روش اور اپنے عمل کو اس قابل بناتا ہے کہ مخطوبہ

اور اس کے خاندان کے لوگ اس پر اعتماد کر سکیں اور اس سے مطمئن ہو سکیں اور اگر یہ بات نہ بنے تو وہ اس معاملے میں کوئی سہولت پیدا ہونے تک صبر کرے اور حقیقی عمل اور مقاصد زندگی کے حصول کی جدوجہد میں لگا رہے[1]

جب یہ انسان اس مخطوبہ سے شادی کر لے تو اب اس سے آسودگی حاصل کرنا اس کے لیے حلال ہے۔ اور پوری طہارت قلب اور نظافت روح کے ساتھ اور مودت و محبت اور الفت کے ساتھ اس سے جسمانی وابستگی درست ہے، اور اس طرح جہاں اس کے ضمیر کو سکون اور اس کی روح کو اطمینان نصیب ہو گا وہاں وہ لذت و سرور سے بھی پوری طرح ہمکنار ہو گا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ
وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ
فَاعِلُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ۔

(المومنون: ۱-۶)

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے دور رہتے ہیں، زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کے ملک یمین میں ہوں کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔"

---

[1] اسلامی معاشرے میں اقتصادی، اجتماعی، سیاسی اور تعلیمی نظام روحانی قواعد سے ہم آہنگ اور اخلاقی اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں اور زندگی کی جملہ تنظیمات کا مجموعی مقصد وحید یہ ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی بنائی ہوئی صراط مستقیم پر چلے۔ مزید برآں اسلامی معاشرے میں جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ایسے ہیجانات نہیں ہوتے کہ جن کی وجہ سے آدمی کی صبر اور ضبط کی قوت مفقود ہو جائے۔ (جیسا کہ ایک جاہلی اور غیر اسلامی معاشرے میں ہوتے ہیں اور جیسا کہ آج کے مغربی اور جاہلی معاشرے میں ہیجانات کی شدت ہے، کہ انسان نہ صرف یہ کہ ان ہیجانات پر کنٹرول قائم نہیں رکھ سکتا بلکہ ہر شخص ان کی تکمیل کیلیے بغیر سوچے سمجھے اس طرح دوڑتا ہے جیسے جانوروں کے گلے میں اگر ایک جانور دوڑ پڑے تو سب دوڑ پڑتے ہیں۔ (س۔ صدیقی)

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ۔ (البقرۃ: ۲۲۳)

"تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ۔"

غرض اسلام کی نظر میں مسئلہ جنس کی صورت یہ ہے جس میں تو اخفار (Repression) ہے اور نہ کوئی نجاست اور برائی۔ بلکہ فطرت کے جملہ پہلوؤں کی آسودگی کے ساتھ ایسی آسودگی بھی ہے جس سے حیوان متعارف نہیں ہے، اور جو صرف انسان ہی کی قدرت میں ہے۔

## اسلام جملہ انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے

اسلام کسی بھی جذبۂ فطری کو نہیں کچلتا (Repress) اور نہ ہی اسے ختم کرتا ہے کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ انسانی وجود کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں بروئے کار آئیں اور انسان کا وجود مضبوط، طاقتور اور زندگی کی بھرپور قوت کا حامل ہو تاکہ یہ انسان اسلام کے پیغام کی قوت اور حق کی قوت سہار سکے، حق کو قائم کر سکے اور بار امانت اٹھا سکے، اس کے مقتضیات کو پورا کر سکے اور اس کو عملاً برپا کرنے کے لیے جہاد کر سکے۔

یہ حقیقت عملاً ثابت ہو چکی ہے کہ جس شخص کی زندگی کی رغبت کم ہو وہ راہ حق میں جہاد نہیں کر سکتا، اگرچہ بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ سچے مجاہدین زندگی کی دلچسپیوں کا کم ہی اشتیاق رکھتے ہیں اس لیے کہ جس شخص پر زندگی کی محبت اور اس کی لذتوں کی خواہش اور اس کی آسودگیوں کی رغبت غالب آجائے وہ اعلیٰ ترین مثالیوں (Ideals) کے لیے جہاد نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جہاد کی خاطر ان آسودگیوں کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی حقیقت ہے کہ جو شخص ان آسودگیوں کے کمزور میلانات کا حامل ہو وہ باطل کی اصلاح، حق کے اثبات اور اس کے راستے میں جہاد کا خواہشمند نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کے نزدیک تمام امور یکساں ہو جاتے ہیں اور اس کی ہر شئے کی خواہش کمزور ہو جاتی ہے اور وہ ہر مسئلے میں

بے توجہی برتتا ہے۔

دراصل مجاہدین (حق کی خاطر جدوجہد کرنے والوں) میں جو زُہد (ترکِ رغائب) پایا جاتا ہے وہ رہبانیت نہیں ہے بلکہ ایک بالکل جداگانہ نفسیاتی عمل ہے حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین میں زبردست رغبت اور بھرپور زندگی موجود ہوتی ہے اور اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو لذتوں میں زیادہ الجھنے سے بچاتے ہیں اور جس عظیم نفسیاتی قوت سے وہ اپنی پرجوش رغبتوں کو اور زندگی کے جوشِ فراواں کو منضبط کرتے ہیں اسی قوت کو وہ باطل کے خلاف جہاد میں صرف کرتے ہیں، یعنی ان کا رغبتوں کا ترک نالاپرواہی اور بے اعتنائی کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ نفسیاتی قوت کے زیراثر ہوتا ہے۔

غرض اصل شئے قوت اور غالب آجانے کی قدرت ہے اور ہر شئے کی شدید رغبت ہے اور ان قوتوں میں ایک شعور انضباط (Suppression) کی قوت ہے جس کے ذریعے زاہد اپنی رغبتوں کو بالارادہ ترک کر کے اس قوت کے بل بوتے پر انسانی قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔

اس تعبیر (Interpretation) کے تحت ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں۔ آپؐ زندگی کی رغبت رکھتے تھے طاقتور اور غالب تھے اور ہر رغبت کو دلجمعی کے ساتھ انجام دیتے تھے جب آپؐ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے آپؐ زمین سے اٹھے جا رہے ہیں، جب آپؐ کھانا تناول فرماتے تو پورے شوق و ذوق سے تناول فرماتے، اور آپؐ ازواج مطہرات کے پاس پابندی سے تشریف لے جاتے۔ یعنی آپؐ کا نفس مبارک جذبۂ زندگی سے بھرپور، وجود مبارک جذبات سے لبریز اور جسم مبارک قوت و طاقت کا سرچشمہ تھا، اور اسی لیے آپ طاقتور جنگجو اور مجاہد اور جہاد کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہر لذت سے منہ موڑنے والے تھے۔

یعنی ایک کامل اور طاقتور انسانی وجود جس سمت متوجہ ہوتا ہے پوری توجہ غلبہ اور قوت سے متوجہ ہوتا ہے اور جس لذت سے کنارہ کش ہوتا ہے پوری قوت سے علیحدہ

ہو جاتا ہے، یہی درحقیقت آزادی ہے جو لذت کے حصول اور اس سے رُک جانے میں جلوہ گر ہوتی ہے، اس طرح یہ نہیں ہوتا کہ رغائب (خواہشیں) ہی انسان کی مالک بن جائیں اور وہی اسے کشاں کشاں لیے پھریں اور اس کے لیے ان رغبتوں کے حصول سے باز رہنا بے اعتنائی گراوٹ اور جذبات کی موت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

## اسلام کا منہاج تربیت

نفس کی تربیت کا اسلامی منہاج (Method) یہ ہے کہ اسلام نفس کی رغبتوں کو مار کر دبا کر اور کچل کر انہیں تہ خانے میں مخفی (Repressed) نہیں کر دیتا اور نہ ہی اسلام ان جذبات اور رغبتوں کو بے لگام اور بغیر "ضوابط" کے چھوڑتا ہے۔ اس لیے کہ جس طرح جذبات و میلانات کا اخفاء (Repression) انسانیت کے لیے مہلک ہے اسی طرح جذبات کو بے لگام چھوڑ دینے سے بھی انسان تباہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے اس لیے اسلام تربیت نفس کے لیے شعوری انضباط کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

اسلام انسان کے بچپن ہی سے اس میں موجود قوت انضباط (Self Control) کو تربیت دینا اور اس صلاحیت کو نشو و نما دے کر ابھارنا شروع کر دیتا ہے، اور انہیں ان کی بعض "عادتوں" پر کنٹرول کرنا سکھاتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ وہ ان عادتوں میں حد سے نہ بڑھ جائیں، مگر اسلام تربیت کے اس عمل کو شدت اور سختی کے ساتھ انجام نہیں دیتا بلکہ محبت اور نرمی سے بروئے کار لاتا ہے اور ایک ایسا خاندانی نظام (Family sytem) تشکیل دیتا ہے جس میں ہر طرف محبتوں کے زمزمے ابھر رہے ہوں اور الفتوں کے نغمے بلند ہو رہے ہوں اور محبت کی سنہری ڈوری میں ماں باپ اور بچہ بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔

محبت، مودت، الفت اور نرمی کے اس ماحول میں بچے کی راہنمائی کی جاتی ہے اور اسے اس طرح دلنشیں طریقے پر صحیح بات بتائی جاتی ہے کہ وہ اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اور جب عملی نمونہ پیش کرنے اور محبت و نرمی سے نصیحت

کرنے سے متوقع نتیجہ برآمد نہ ہو تو ایک مناسب حد تک سرزنش بھی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ فرمان نبوت[۲] ہے۔

"جب تمہارے بچے سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر سرزنش کرو۔" (ابو داؤد)

نماز کی عادتِ حمیدہ کو بچے کے نفس میں راسخ کرنے کے لیے محبت مودت کا ایک وسیع میدان فراہم کیا گیا اور اس کے لیے اقتدار، اور نصیحت کی بہترین مثال اور کلمات طیبہ کی فضا تیار کی گئی ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کامیابی نہ ہو تو وجود انسانی کی تقویم کے لیے قدرے سختی بھی روا رکھی گئی ہے مگر ایسی سختی نہیں جس سے وجود میں نقص پیدا ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں اور صاحبزادیوں کی اولاد کی تربیت فرمائی لیکن آپؐ نے انہیں کبھی نہیں مارا اور آپؐ نے ہمیشہ ان کی تربیت محبت و توجہ سے اور اسوۂ حسنہ پیش کر کے فرمائی اور آپؐ کی ذاتِ گرامی تو اولاد کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے ان کے جملہ مسائل حیات میں اسوۂ حسنہ تھی۔

نماز دراصل ایک شعوری انضباط (Suppression) ہے جس سے نفس ایک متعین وقت پر ایک معین عمل کا عادی ہو جاتا ہے اور مقررہ وقت پر کسی متعین کام کو انجام دینے کا عادی ہونا ایک ذریعۂ انضباط ہے نیز اس سے انسان وقت کے کچھ حصے میں سنجیدگی اختیار کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اور مزید یہ کہ نماز انسان کو پاکیزگی اور طہارت کا عادی بناتی ہے جس سے نفس کو اندرونی طور پر خواہشات پر کنٹرول کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی عبادات میں خاص طور پر روزے فعّال قوی انضباطی عمل ہے کیونکہ روزوں میں انسان اپنے ارادہ اور اپنے اختیار سے جائز لذتوں سے رک جاتا ہے اور

اس امتناع سے اس کے وجود کو روحانی رفعت حاصل ہوتی ہے۔

غرض اسلامی عبادات میں سے ہر عبادت کسی نہ کسی خواہش پر کنٹرول قائم کرتی ہے اور نفس کو عادی بناتی ہے کہ وہ اپنے جذبات کو ضبط کرے اپنے عمل پر کچھ بندشیں قائم کرے اور حق، احسان اور اخلاص کی روش اختیار کرے۔

مگر اسلام یہ ضبط (Control) اور شعوری انضباط جبری طور پر مسلط نہیں کرتا بلکہ انسان کے وجود کے اندر فطری طور پر ضبط نفس کی صلاحیت موجود ہے جسے اسلام بروئے کار لاتا ہے۔

## ہکسلے کا بیان

جولیان ہکسلے (Julian Huxley) ایک ملحد مصنف ہے جس کی تحریروں میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہوتا وہ اپنی کتاب "عصر جدید کا انسان" - (Man in Modern world) میں زیر عنوان "انفرادیت انسان" رقم طراز ہے۔

"انسان اور حیوان کی عقل میں بہت بڑا فرق ہے، ہر چند کہ ہمیں معلوم ہے کہ حشرات الارض کی جبلت کس قدر قوی ہوتی ہے، اور اس معاملے میں حیوانات لبونہ (Mammals) ان سے بہتر نہیں ہوتے . . . بہر حال انسانی سوچ کی ایک زبردست حیاتیاتی اہمیت ہے بلکہ اس سوچ کی اس وقت بھی اہمیت ہے جب اس پر عادت کوشش اور خطا کا غلبہ ہو، لازماً حیوانات کے اعمال عُرفی ہیں یعنی بہت تنگ حدود میں بروئے کار آتے ہیں جب کہ انسان کا طرزِ عمل کچھ امور کو اختیار کرنے اور کچھ کو ترک کر دینے میں نسبتاً زیادہ آزادانہ ہے . . . اور انسان میں موجود اس لچک کے کچھ اور نفسیاتی نتائج ہیں جنہیں فلسفہ عقلی کے لوگوں نے فراموش کر دیا ہے اور ان نتائج میں کچھ نتائج تو محض انسان کی انفرادیت ہیں۔ مثلاً انسان میں لچک موجود ہونے کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ انسان واحد زندہ وجود بن گیا ہے جس کا نفسیاتی کشمکش سے گزرنا ضروری ہو گیا ہے . . . اس کے باوجود جدید آراء کے مطابق اس کشمکش کو کافی حد تک کم کر دینے کے آلات موجود ہیں، جنہیں ماہرین نفسیات نے

لاشعوری اخفاء (Repression) اور شعوری انضباط (Suppression) کہا ہے۔"

ہکسلے کے بقول انسان میں ایسے حیاتیاتی آلات موجود ہیں جن کی بنا پر انسان حیوان سے ممتاز ہے اور جو اس کے انفعالات پر ضبط میں آزادانہ طور پر موثر ہوتے ہیں اور اسلام ضبط کی اس صلاحیت کو نفس کی تربیت اور اس کے ارتفاع (Sublimation) میں لگا دیتا ہے اور اس کے لیے کئی ذرائع اختیار کرتا ہے۔

## خشیت الٰہی

مثلاً اسلام قلب انسانی کا اللہ سے تعلق پیدا کرتا ہے، اس میں خشیت و تقویٰ پیدا کرتا ہے اور ہر عمل اور شعور اور ہر فکر میں مراقبہ اور اللہ کی رضا کے حصول کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور یہ شعور و تعلق اور خشیت الٰہی نفس کی سرکشی کو کنٹرول (Control) کرتا ہے مگر اس کو دبا کر لاشعور کی تہوں میں نہیں اتار دیتا (Repressed) کیونکہ جس ذات سے انسان کا یہ تعلق قائم ہوتا ہے اس نے خود لذتوں کو جائز قرار دیا ہے، اور انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ طہارت اور پاکیزگی کے ساتھ ان لذتوں کو حاصل کرے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(الاعراف: ۳۲)

"اے نبیؐ ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں۔ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصۃً انہی کے لیے ہوں گی۔"

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (البقرہ: ۲۲۲)

"اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔"

اسی طرح اسلام قلبِ انسانی میں تصورِ آخرت جاگزیں کر دیتا ہے جس سے نفسِ انسانی میں بڑے عجیب مظاہر (Phenomena) پیدا ہوتے ہیں اور انسان لذتوں، کو جائز

سمجھنے کے باوجود ان پر حیوان کی طرح نہیں ٹوٹ پڑتا کیونکہ اگر انسان آخرت کے تصور پر ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ اس دنیا ہی کو زندگانی کا ماحصل سمجھ کر اس دنیا کی لذتوں کے حصول پر ٹوٹ پڑتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس محدود اور فانی عمر کے لمحات میں جس قدر لذتیں اور آسائشیں سمیٹ سکتا ہے سمیٹ لے جب کہ مومن حقیقی کے سامنے زندگی کا ایک اور مرحلہ ہوتا ہے اور اس دنیا کی زندگی ہی کو حاصل حیات نہیں سمجھتا بلکہ دنیا کی لذتیں اور آسودگیاں اس کی نظر میں کم تر اور کہتر ہو جاتی ہیں، اس لیے وہ ان لذتوں کو اطمینان اور سکون سے برتتا ہے اور ان کے حصول میں جلد بازی اضطراب اور پریشانی سے دو چار نہیں ہوتا، اور اس کی اس روش کے دو فوائد رونما ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسے ارضی لذتوں کا پورا سرور حاصل ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ اسے پورا اطمینان قلب، مکمل اعصابی سکون اور راحت ضمیر حاصل ہوتی ہے۔

بعد ازاں اسلام مسلسل انسان کو متنبہ کرتا رہتا ہے کہ یہ لذتیں اور مادی آسائشات زندگی کا اصل مقصود نہیں ہیں کہ انسان ان کی طلب میں ہمہ تن متوجہ رہے اور ان ہی کے حصول میں لگا رہے بلکہ دراصل یہ لذتیں اور یہ آسودگیاں دوسرے مقاصد کے وسائل و ذرائع ہیں۔

طعام بجائے خود مقصود نہیں ہے بلکہ ایک مقصود یعنی تحفظ حیات کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

"کوئی برتن پیٹ سے برا برتن نہیں ہے جسے آدمی بھرتا رہے، ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر سیدھی رہ سکے۔" (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم)

جنس کا مقصد تحفظ نوع ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔ (النساء: ۱)

"لوگو، اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔"

اور اس کا مقصد یہ بھی کہ اللہ کے ممتاز اور مومن مسلمان بندوں کی کثرت ہو۔
"نکاح کرو اور کثرت سے اولاد پیدا کرو کیونکہ میں روز قیامت تم تمام امتوں کے مقابلے میں تمہارے اوپر فخر کروں گا۔" (روایت مرسل از سعید بن ہلال)
نیز جنس حصول سکون و راحت کا ذریعہ ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (الروم: ۲۱)

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔"

مال و دولت بذاتِ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ اقامت جماعت کے مقصود کا ذریعہ ہیں۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا
(النساء: ۵)

"اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔"

قوت قتال انسان کو اس لیے دی گئی ہے کہ وہ روئے زمین سے شر اور فساد مٹائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ (التوبہ: ۷۳)

"اے نبیؐ، کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے۔"

اور تاکہ ظلم و ستم کے خلاف زندگی کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہو۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔ (البقرہ: ۱۷۹)

"عقل و خرد رکھنے والو، تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔"

لیکن قصاص کے حکم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قتل ناحق کیا جائے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (البقرہ ۲: ۱۹۰)

"اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

غرض اسلام انسان کے مکمل وجود کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر پہلو سے اس کے زندگی کے عمل کو ابھارتا ہے تاکہ اس کی تمام صلاحیتیں کسی ایک ہی پہلو، طعام یا جنس، یا حصول مال پر مرکوز ہو کر نہ رہ جائیں، اور اس ایک پہلو میں انسان مقررہ حد سے خارج ہو جائے بلکہ اسلام انسان کی سرگرمیٔ حیات کو علم و عمل، تجارت و صنعت، جنگ و جہاد، تعمیر و ترقی، حکومت و سیاست، معاشرتی امور کی دیکھ بھال اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لگا کر انسان کی صلاحیتوں کو تمام پہلوؤں پر محیط کر دیتا ہے تاکہ کسی ایک پہلو پہ صلاحیتیں مرتکز ہو کر نقصان دہ ثابت نہ ہوں۔

## نفسیاتی قوت اور اعلیٰ ترین امور

اسی طرح اسلام نفسیاتی قوت کو بھی اعلیٰ ترین امور کی جانب متوجہ کرتا ہے تاکہ یہ قوت ساری کی ساری حسی اور مادی لذتوں میں ضائع ہو کر نہ رہ جائے۔ اسلام انسان کی اس نفسیاتی قوت کو جہاد فی سبیل اللہ کی جانب متوجہ کرتا ہے اور نفس کے ہر گوشے میں روحِ عقیدہ سمو دیتا ہے جس سے اس کی تمام زندگی کا ایک رخ متعین ہو جاتا ہے اور زندگی پاکیزہ و پاکباز ہو جاتی ہے اور اس میں آفاقیت اور ہمہ گیری پیدا ہو جاتی ہے اور انسان واقعی زندگی میں ان مثالیوں (Ideals) کو بروئے کار لانے اور اس کی خاطر جدوجہد کرنے میں لگا رہتا ہے ــــ اور یہ مرد و عورت دونوں کا مشترک مقصد ہے کیونکہ اپنے وجود اور خارجی واقعی زندگی میں اس عقیدے کے بروئے کار لانے اور اس کے برپا کرنے کا مطالبہ دونوں سے ہے[1]

---

[1] دیکھیے مصنف کی کتاب "معرکۃ التقالید"، کا باب "حین نکون مسلمین"۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ـ

(آلِ عمران: ۱۹۵)

”جواب میں ان کے رب نے فرمایا، میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کر دوں گا، اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔“

اسلام جسمانی صلاحیتوں کو نہ تو کچل کر نفس کی گہرائیوں میں اتار دیتا ہے (Repressed) اور نہ ان کو ضائع ہونے دیتا ہے بلکہ عملی جدوجہد سے زائد صلاحیتوں کو دوسری دلچسپیوں کی جانب متوجہ کرتا ہے مثلاً جسمانی ریاضت اور شاہسواری، جس سے جسم بھی مضبوط ہو اور جہاد کی تیاری بھی ہو اور اس طرح اسلام جسمانی قوت کو حسی اور مادی لذتوں سے بلند کر کے اسے ایک اعلیٰ بلند ترین مقصد جہاد ـــــ کی جانب متوجہ کر دیتا ہے۔ اور لڑکیوں اور عورتوں کو تدبیر منزل (گھریلو انتظام) کی طرف متوجہ کرتا ہے جو بجائے خود ایک مکمل اور عمدہ ریاضت ہے، جس سے عورتوں کے نسوانی فنون اُجاگر ہوتے ہیں اور پاکیزہ اور ستھرے طریقے پر نسوانی وجود مصروف رہتا ہے اور اس کی فاضل جسمانی قوت مفید اور پاکیزہ عمل میں صرف ہو جاتی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسلام جس قسم کا معاشرہ برپا کرتا ہے اس میں فطری میلانات کو ضرورت سے زائد نہیں ابھارا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اسلام مطلقاً ہر قسم کے اسراف سے منع کرتا ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ (الانعام: ۱۴۱)

"اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اسلام انسان کو کھانے پینے کے اسراف سے منع کرتا ہے۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ (الاعراف: ۳۱)

"اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو۔"

اور اسلام لذتوں، آسائشوں اور آسودگیوں میں اسراف سے منع کرتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (المؤمنون: ۳۳)

"جنہوں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا، جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا۔"

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا۔ (الفرقان: ۱۷-۱۸)

"اور وہی دن ہوگا جب کہ تمہارا رب ان لوگوں کو بھی گھیر لائے گا اور ان کے ان معبودوں کو بھی بلائے گا جنہیں یہ آج اللہ کو چھوڑ کر پوج رہے ہیں، پھر وہ ان سے پوچھے گا، کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے، وہ عرض کریں گے پاک ہے آپ کی ذات ہماری تو یہ بھی مجال نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا مولیٰ بنائیں مگر آپ نے ان کو اور ان کے

باپ دادا کو خوب سامان زندگی دیا، حتیٰ کہ یہ سبق بھول گئے اور شامت زدہ ہو کر رہ گئے۔"

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ۔ (سباء: ۳۴)

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے۔"

اسلام ملکیت کے اسراف سے بھی منع کرتا ہے اور حصول مال کی حدود متعین کر دیتا ہے کہ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے حاصل کیا جانے والا مال حلال ہے اور اس کے سوا حلال نہیں ہے، چنانچہ غصب سے اور چوری سے حاصل ہونے والا مال ممنوع ہے، دوسروں کا مال کھا لینا ممنوع ہے اور لوگوں کے حقوق دبا لینا ممنوع ہے اور سود اور ذخیرہ اندوزی حرام ہے کہ یہی ہر دور میں مال و دولت کے ایک جگہ اکٹھا ہو جانے کا سبب بنے رہے ہیں۔ مال و دولت کے حصول کے طریقوں پر پابندیاں عائد کرنے کے ساتھ اسلام نے اس کے خرچ کرنے کے مصارف پر بھی پابندیاں عائد کی ہیں اور مال کو حلال و طیب بنانے کے لیے زکوٰۃ اور انفاق کے طریقے لازم کیے ہیں اور والدین اور رشتہ داروں پر مال کا خرچ کرنا لازم قرار دیا ہے اور یہ تمام وسائل ملکیت میں اسراف کو روکنے کے لیے اور بخل نفس کو دور کرنے کے لیے اختیار کیے گئے ہیں۔

اسلام نے قتل میں اسراف سے منع کیا ہے۔

وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا۔ (الاسراء: ۳۳)

"اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائیگی۔"

اسلام نے جنس کے معاملے میں بھی اسراف سے منع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں جنس کو برانگیختہ کرنے والے عوامل نہیں ہوتے۔ اور اسلامی معاشرے میں جنسی اختلاط صنف نازک کا بناؤ سنوار اور عریانی، رقص و موسیقی راگ رنگ، فحش لٹریچر اور بے حیائی اور بے راہ روی کو پھیلانے والے دیگر امور نہیں پائے جاتے[1]

اسلام ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دیتا ہے جو متوازن اور معتدل ہو اور جس میں ایسے توازن اور اعتدال کے حامل افراد رہتے ہوں جن کی روح، عقل اور جسم پوری طرح بروئے کار آئیں۔ اور جو صاف ستھرا پاکیزہ اور حق و سچائی اور خیر و فلاح پر مبنی معاشرہ ہو۔

---

[1] بحوالہ سابق۔

باب ہفتم

# انسانی وجود کے متوازی خطوط

گزشتہ صفحات میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اسلام روح، عقل اور جسم کی تربیت کے لیے کیا طریقے اختیار کرتا ہے اور کس طرح اسلامی منہاج اور انسانی وجود کے مختلف پہلوؤں میں ارتباط پیدا کرتا ہے اور کس طرح اسلام انسانی وجود کے ان تینوں پہلوؤں — روح، عقل اور جسم — میں توازن قائم کرتا ہے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کر کے انسان کو احکام الٰہی کی تعمیل کی جانب متوجہ کر دیتا ہے، اس باب میں ہم نفس انسانی کی مزید خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

روح، عقل اور جسم تو نفس انسانی کی ایسی وسیع اور عریض خصوصیات ہیں جو زیادہ وسیع دائرے میں اور زیادہ گہرائی کے ساتھ مؤثر ہیں۔ مگر انسانی نفس میں ان کے علاوہ کچھ ایسی خصوصیات، (Characteristics) بھی موجود ہیں، جو اس طرح ہیں جیسے کسی ساز میں موٹے تاروں کے ساتھ باریک تار بندھے ہوئے ہوں اور اسلام بیک وقت مضراب نفس کے ان تمام تاروں کو چھیڑ کر "انسانیت کاملہ" کا ایک متوازن ہم آہنگ اور خوش آواز نغمہ پیدا کر دیتا ہے!

یہ مہین اور باریک تار جو نفس کے مضراب میں برابر برابر بندھے ہوئے ہیں متوازی اور مقابل ہونے کے باوجود مختلف نغمہ بلند کرتے ہیں — بیم و رجا، محبت و نفرت، واقعیت و تخیل پسندی، حسیت و معنویت، محسوسات و غیر محسوسات، انفرادیت و اجتماعیت، سلبیت و ایجابیت، فرائض پسندی اور نفلی امور کی تکمیل — انسانی نفس میں اس قسم کے متوازی اور مقابل تار موجود ہیں، جو انسانی وجود کا سر رشتہ زندگی سے قائم رکھتے ہیں اور اس کے پورے وجود کو

مضبوطی سے باندھے رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ان متوازی اور مقابل خطوط سے اس کے آفاق میں وسعت پیدا ہوتی ہے اس کے پہلوؤں میں تنوع پیدا ہوتا ہے اور اس کا میدانِ حیات وسیع تر ہو جاتا ہے اور انسان کا کائنات کی تمام مخلوق سے جداگانہ اور منفرد وجود تشکیل پا جاتا ہے اور اس کا عجیب اور معجزانہ سرچشمہ ذرۂ خاک اور نفخۂ روح ہوتا ہے۔

اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام فطرت سے ہم آہنگ رہتے ہوئے اس کے مضراب نفس کے تمام تاروں کو بیک وقت اور یکسانیت کے ساتھ چھوتا ہے۔ جس سے انسان میں حد درجہ توازن اور اعتدال پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا ہر پہلو اور اس کے وجود کا ہر گوشہ بروئے کار آجاتا ہے۔

ہم درج ذیل باب میں بیان کریں گے کہ اسلام کس طرح نفس کی مختلف دوگانہ خصوصیات کو بروئے کار لا کر ان کو مقاصد کی تکمیل میں لگاتا ہے۔

## بابِ ہشتم

# بیم و رجاء

بیم و رجا نفس انسانی کی دو متضاد خصوصیات ہیں جو انسان کے نفس میں بیک وقت موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فطرتاً نفس انسانی کبھی خوف زدہ ہو جاتا ہے اور کبھی پر امید ہو جاتا ہے اور جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدائش کے ساتھ ہی اس میں یہ دونوں متضاد کیفیات پہلو بہ پہلو جنم لے لیتی ہیں، چنانچہ وہ تاریکی سے ڈرتا ہے، تنہائی سے خوف زدہ ہوتا ہے، گر جانے اور چوٹ لگ جانے کا خوف ہوتا ہے، ان مناظر اور ان لوگوں سے ڈرتا ہے جن سے وہ مانوس نہیں ہے اور امان و راحت کی امید رکھتا ہے، گرمائی کی آرزو رکھتا ہے، دودھ پیتے ہوئے ماں کی گود میں چھپ جانا چاہتا ہے اور بعد ازاں ماں کی گود باپ کے پہلو کے لیے اور جن لوگوں سے اسے آرام ملتا ہو ان کے پاس جانے کے لیے مچلتا ہے۔

جوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے بیم و رجا کی ان کیفیات کا دائرہ بھی پھیلتا جاتا ہے اور ان میں تنوع پیدا ہوتا جاتا ہے، اور ان کے تنوع اور وسعت سے اس کے جذباتِ حیات اور جذبات کے بارے میں اس کی روش متعین ہوتی جاتی ہے۔

بچپن کی حدود سے گزرنے کے بعد انسان موت سے ڈرنے لگتا ہے اور تنگ دستی سے ڈرتا ہے لاچارگی اور ناکامی سے خوف کھاتا ہے، رسوائی اور ذلت سے خوفزدہ ہوتا ہے حسی اور معنوی تکلیفوں سے ڈرتا ہے اور معلوم اور نا معلوم سے خائف رہتا ہے۔

انسان ان سب مخاوف (Phobias) سے ڈرتا ہے اور انسان کی یہ خوف کی کیفیت زیادہ قوی اور زیادہ وسیع ہوتی ہے۔

انسان رجاء کی کیفیت کا بھی حامل ہوتا ہے انسان راحت امن اور استقرار کا اسی طرح متمنی ہوتا ہے جیسا کہ وہ بچپن میں تھا لیکن قدرے بلند سطح پر۔ انسان قوت کی امید رکھتا ہے، اور عزت اور نعمت کی خواہش رکھتا ہے اور ایسی ایسی تمنائیں اور آرزوئیں رکھتا ہے جن کا سلسلہ کہیں منقطع نہیں ہوتا اور ایک تمنا تکمیل سے ہمکنار ہوتی ہے تو فوراً ہی دوسری آرزو کا شگوفہ کھل اٹھتا ہے۔

بیم و رجا کی باہم پیوست اور نفس کی گہرائیوں میں جاگزیں یہ کیفیات انسانی زندگی کا رُخ متعین کرتیں اس کے مقاصد و اعمال کا تعین کرتیں اور اس کے افکار و شعائر پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور انسان اپنی بیم و رجار کی کیفیات کی وسعت اور ان کی نوعیت کے لحاظ سے اپنا منہاجِ حیات مقرر کرتا ہے اور اپنے طرزِ عمل کو اپنی بیم و رجار کی کیفیات سے ہم آہنگ کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت سے ڈرنے والا کارزار جنگ و جدل سے پیچھے رہتا ہے، تنگدستی سے ڈرنے والا طلب مال و دولت میں لگا رہتا ہے۔ قوت و اقتدار سے ڈرنے والا ٹکراؤ اور آویزش سے دُور رہتا ہے اور تکلیفوں سے اور شکست و ناکامی سے ڈرنے والا کشمکش حیات سے دور رہتا ہے اور زندگی کے میدان میں مقابلے اور آگے بڑھ کر جدوجہد کرنے سے گریز کرتا ہے، اور جس شخص کو ان میں سے کوئی بھی مخاوف نہ ہوں وہ دباؤ سے آزاد ہوتا ہے اور کارزارِ حیات میں غلبہ اور قوت کے ساتھ حصہ لیتا ہے۔

اور جو شخص عزت، اقتدار مرتبہ اور مال و دولت کا خواہاں ہوتا ہے وہ اس کے حصول کے راستے اختیار کرتا اور اس کی اساس پر اپنے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔ اور جس شخص پر ان آرزوں اور تمناؤں کے حصول کا غلبہ نہ ہو وہ ان کے دباؤ سے آزاد اور اپنے نفس کا مالک ہوتا ہے اور اسے خواہشوں کی تکمیل کے لیے اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرنا پڑتا۔

غرض بیم و رجاء کی یہ دونوں کیفیات انسانی نفس کے اندر موجود ہوتی ہیں اور انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور ایک کامیاب اور مؤثر نظام تربیت ان دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی نہ صرف یہ کہ صحیح رخ پر راہنمائی کرتا ہے بلکہ اس امر کو بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ ان کیفیات میں کوئی انحراف (Diversion) یا بگاڑ پیدا نہ ہونے پائے اور یہ کیفیات صحیح طریقے پر کام کرتی رہیں اور انسان کے لیے نقصان دہ ہونے کے بجائے مفید ثابت ہوں۔

جب ایک ماہر فنکار مضراب سنبھالتا ہے تو پہلے اس کے ڈھیلے تاروں کو کستا ہے اور تمام تاروں کی دیکھ بھال کرنے کے بعد اور یہ دیکھنے کے بعد کہ وہ اپنی جگہ پر بالکل موزوں ہیں پھر ان سے وجد آفریں نغمے کی لَے بلند کرتا ہے۔

اسلام بھی انسان کے مضراب نفس کی دیکھ بھال کر کے اور اس کے ڈھیلے تاروں کو کسنے اور تمام تاروں کو موزوں کیفیت میں لانے کے بعد اس مضراب کے تاروں کو چھیڑتا ہے چنانچہ اسلام بیم و رجاء کی کیفیات کی بھی اصلاح کر کے نفس سے ہر "غلط خوف" اور ہر "منحرف رجاء" کو ختم کر دیتا ہے اور انسانی نفس کو مستقیم بنا دیتا ہے کہ نفس انہی باتوں سے ڈرنے جو فی الحقیقت ڈرنے کی ہیں اور انہی آرزوؤں کو پنپنے دے جن کی فی الواقع رجا اور امید کی جا سکتی ہے۔

## موت کا خوف اور اسلام

اسلام سب سے پہلے انسان کے سر سے ان تمام مخاوف کا بوجھ اتار دیتا ہے جو انسان کے شانوں کو زخمی کیے رکھتے ہیں، مگر فی الواقع ان مخاوف کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور انسان نہ تو انہیں دور کر سکتا ہے اور نہ ان میں کوئی تغیر کر سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام انسان کے نفس سے موت کے خوف (Thanstophobia) کو دور کرتا ہے کیونکہ یہ خوف بے فائدہ اور لایعنی ہے کیونکہ انسان نہ تو موت کو ٹال سکتا ہے اور اس کے لیے اس شدنی سے مفر ممکن ہے، سوائے اس کے کہ اس اعصاب شکن خوف کو وہ اپنے وجود پر لاد کر اپنی صلاحیتوں کو بے سُود برباد کر بیٹھے۔

اسلام نے موت کے حق الیقین اور اٹل ہونے کو بار بار اور مختلف انداز میں بیان کیا ہے اور موت کے خوف کو انسان کے نفس سے دور کیا ہے، کیونکہ اندیشہ موت تو موت کو نہیں ٹال سکتا۔

اِنَّا نَحْنُ نُمِیْتُ وَاِلَیْنَا الْمَصِیْرُ۔ (قٓ: ۴۳)

"ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی اس دن سب کو پلٹنا ہے۔"

وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا۔ (المنافقون: ۱۱)

"جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو اللہ کسی شخص کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا۔"

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ (آل عمران: ۱۸۵)

"آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے۔"

اَیْنَمَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ۔ (النساء: ۷۸)

"رہی موت، تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آکر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔"

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ۔ (آلِ عمران: ۱۵۴)

"ان سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔"

## تنگدستی کا خوف

غرض اسلام نے انسان کے نفس سے موت کے غیر ضروری خوف کو دور کیا ہے تاکہ اس غیر ضروری خوف میں انسان کی صلاحیتیں رائیگاں نہ ہوں اور اسی طرح رزق نہ ملنے کے خوف اور اندیشے کو بھی اسلام نے دور کیا ہے۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ۔ (یونس:۳۱)

"ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے۔ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔"

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ۔ (سباء:۲۴)

"(اے نبیؐ) ان سے پوچھو کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے، کہو، اللہ۔"

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (فاطر:۳)

"کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو۔"

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ۔ (الملک:۲۱)

"کون ہے جو تمہیں رزق دے سکتا ہے اگر رحمٰن اپنا رزق روک لے۔"

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ (الرعد:۲۶)

"اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے۔"

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ (الروم:۳۷)

"کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ

رِزْقًا۔ فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ۔ (العنکبوت: ۱۷)

"درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہیں کوئی بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔"

وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔ (الذاریات: ۲۲)

"آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔"

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ۔ (العنکبوت: ٦٠)

"کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے۔"

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ۔

(الحجر: ۲۰)

"اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔"

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ (الذاریات: ۵۸)

"اللہ تو خود ہی رزاق ہے۔ بڑی قوت والا اور زبردست۔"

## نقصان پہنچنے کا خوف

اسی طرح اسلام نے انسان کے اس خوف کو دور کیا ہے کہ دوسرے انسان اسے کوئی ضرر اور تکلیف پہنچائیں گے یا زمین کی کسی قوت و طاقت سے اسے نقصان پہنچے گا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ۔

(الاعراف: ۱۸۸)

"اے نبیؐ، ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔"

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (التوبہ: ۵۱)

"ان سے کہو، ہمیں ہرگز کوئی (برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے، اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (النساء: ۷۸)

"اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ اے نبیؐ یہ آپ کی بدولت ہے۔ کہو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔"

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔

(المائدہ: ۷۶)

"ان سے کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا۔"

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ۔ (الانعام: ۴۶)

"ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ تمہاری بینائی اور سماعت تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا اور کون سا خدا ہے جو یہ قوتیں تمہیں واپس دلا سکتا ہو۔"

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ
قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ۔

(الانعام: ۶۳،۶۴)

"اے نبیؐ، ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے اس نے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور شکرگزار ہوں گے۔ کہو اللہ تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔"

أَأَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً إِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا
تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ۔ (یٰسٓ: ۲۳)

"کیا میں اسے چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لوں، حالانکہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ ان کی شفاعت میرے کام آسکتی ہے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکتے ہیں۔"

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا
يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

(فاطر: ۲)

"اللہ جس رحمت کا بھی دروازہ لوگوں کے لیے کھول دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دوسرا کھولنے والا نہیں وہ زبردست اور حکیم ہے۔"

إِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ
ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ۔ (آلِ عمران: ۱۶۰)

"اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو۔"

## ان دیکھے نتائج کا خوف

اسلام نے انسان کے ان مخاوف کو بھی دور کیا ہے جو موجود و معلوم کے نتائج کے بارے میں اسے درپیش ہوں۔

وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ (البقرۃ:۲۱۶)

"ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔"

فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔

(النساء:۱۹)

"ہو سکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔"

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۔ (لقمان:۳۴)

"اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے۔"

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۔ (الطلاق:۱)

"تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت پیدا کر دے۔"

غرض اسلام ایک ایک کر کے نفس انسانی سے لایعنی اور غیر مفید مخاوف کو دُور کرتا ہے اور اس کو اس بوجھ سے آزاد کرتا ہے تاکہ انسانی آزادی اور قوت کے ساتھ اور اللہ کی تقدیر پر مطمئن ہو کر اپنی صلاحیتیں تعمیری کاموں میں صرف کر سکے۔

## حقیقی خوف

بعدازاں اسلام انسانی نفس میں حقیقی خوف کو ابھارتا ہے کہ اصل خوف و خشیت اللہ سبحانہٗ سے ہونی چاہیئے اور اسی سے ڈرتے رہنا چاہیے، اس لیے کہ روئے زمین کی تمام قوتیں اور طاقتیں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہی ہر نفع اور نقصان کا مالک ہے، وہی دینے والا اور وہی لے لینے والا ہے۔ اس لیے انسان کو صرف اللہ سے ڈرنا چاہیے اور ان چیزوں سے ڈرنا چاہیے جن سے اللہ ڈرائے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران: ۱۷۵)

"یہ دراصل شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا ہے لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا، اگر حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔"

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ (الزمر: ۳۶)

"اے نبیؐ، کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے، یہ لوگ اس کے سوا دوسروں سے تم کو ڈراتے ہیں، حالانکہ اللہ جسے گمراہی میں ڈال دے اسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے۔"

قُلْ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ (الانعام: ۱۵)

"کہو، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے (خوفناک) دن مجھے سزا بھگتنی پڑے گی۔"

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ۔ (المائدہ: ۹۴)

"تاکہ اللہ جان لے کہ تم میں سے کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔"

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ۔ (الانعام: ۵۱)

"اور اے نبیؐ، تم اس (علم وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کرد جو اس کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔"

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ۔

(النور: ۳۷)

"وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آجائے گی۔"

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا۔ (الدھر:۷)

"نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔"

إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا۔ (الدھر: ۱۰)

"ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے۔"

یہ ہولناک دن جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی، یہی قلب مومن کا اصل خوف ہے اور یہی قرآن کے تخویف کا وسیع باب ہے۔ ہر چند کہ عذاب کا بیان کرنے والی آیات بہت سی ہیں لیکن ہم یہاں ان آیات کو بیان کرتے ہیں جو زیادہ نمایاں اور جو تمام مراحل کے جملہ مخاوف پر مشتمل ہیں۔ اور قرآن کریم جہاں حسی عذاب کو تخویف کے ایک ذریعے کے طور پر استعمال کیا ہے وہاں متعدد ذرائع اور بھی اختیار کیے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ۔ (النساء: ۵۶)

"جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزا چکھیں۔"

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

(البقرۃ: ۲۴)

"تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔"

أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ۔ (الصافات: ۶۲-۶۸)

"بولو، یہ ضیافت اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟ ہم نے اس درخت

کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے، وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلتا ہے، اس کے شگوفے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔ جہنم کے لوگ اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر اس پر پینے کے لیے انہیں کھولتا ہوا پانی ملے گا اور اس کے بعد ان کی واپسی اسی آتش دوزخ کی طرف ہو گی۔"

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ۔ (الحاقہ: ۳۰-۳۷)

"پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اسے جہنم میں جھونک دو پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا لہٰذا آج نہ یہاں اس کا کوئی یار غم خوار ہے اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔"

قرآن کریم نے تخویف کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا ہے کہ عذاب حسی اور عذاب معنوی کو اس طرح ملا کر بیان کیا ہے کہ اس میں عذاب حسی کا پہلو غالب ہے۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔

(الحج: ۱۹-۲۲)

"ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان کے لیے آگ کے لباس

کاٹے جا چکے ہیں، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے اور ان کی خبر لینے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے۔ جب کبھی وہ گھبرا کر جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے کہ چکھو اب جلنے کی سزا کا مزہ۔"

اس آیت میں شدید اور ہولناک عذاب حسی بیان کیا گیا ہے اور "غم" کے لفظ کے استعمال سے اس محسوس عذاب پر نفسیاتی اور غیر حسی عذاب کی جھلک بھی دکھائی گئی ہے۔

اور کہیں کہیں قرآن کریم میں حسی اور معنوی عذاب برابر بیان ہوئے ہیں۔

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ۔

(البقرۃ: ۸۵)

"پھر تم سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔"

دنیا کی رسوائی اور ذلت عذاب قیمت کی فوری تمہیدی قسط ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس دنیا کی رسوائی اور ذلت بھی اللہ کی جانب سے ہے اور اس ذات کے حکم سے ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر عزت اور ذلت ہے اور یہ ایسی ذلت ہے جس کو انسان دور کرنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اس لیے انسان کو اس ذلت و رسوائی سے ڈرنا چاہیے۔

اور کہیں کہیں، قرآن کریم میں عذاب معنوی کو عذاب حسی پر غالب کر کے بیان کیا گیا ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ۔ (الهمزة: ۶، ۷)

"اللہ کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک پہنچے گی۔"

جی ہاں صرف یہی نہیں کہ آگ جو کہ ایک حسی عذاب ہے لپک رہی ہوگی بلکہ وہ لپک کر دلوں تک پہنچ کر ان کو خاکستر کر دے گی اور گناہگاروں کے دلوں کے اندر اور ان کے گناہوں کی کیفیت سے پوری طرح باخبر ہو جائے گی۔

کہیں قرآن نے خالص معنوی عذاب بیان کیا ہے۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ۔

(الانفطار: ۱۹)

"یہ وہ دن ہے جب کسی شخص کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا، فیصلہ اس دن بالکل اللہ کے اختیار میں ہوگا۔"

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ۔ (عبس: ۳۴-۳۷)

"اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔"

إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ۔ (الحج: ۱-۲)

"حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے جس روز تم اسے دیکھو گے حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔"

عذاب کی یہ تمام ہولناکیاں خالص نفسیاتی ہیں اور اس قدر شدید ہیں کہ نفس پگھل کر رہ جائے اور سکڑ کر رہ جائے۔ اسی طرح یہ آیات بھی ملاحظہ کیجیے۔

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ۔ (المعارج: ۴۳-۴۴)

"جب یہ اپنی قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑے جا رہے ہوں گے جیسے اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف دوڑ رہے ہوں ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہونگی، ذلت ان پر چھا رہی ہوگی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔"

هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ۔ (المرسلات: ۳۵-۳۷)

"یہ وہ دن ہے جس میں وہ نہ کچھ بولیں گے اور نہ انہیں موقعہ دیا جائیگا کہ کوئی عذر پیش کریں، تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔"

ان آیات میں معنوی ذلت و رسوائی کو عذاب کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اور اس معنوی تعذیب کی ان آیات میں اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ۔ (البقرہ: ۱۷۴)

"قیامت کے روز اللہ ان سے ہرگز بات نہ کرے گا نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا۔"

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ۔ (آل عمران: ۷۷)

"اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔"

عذاب کی مندرجہ بالا آیات تمام درجات اور جملہ انواع پر مشتمل ہیں، کیونکہ انسانوں کی نفسیاتی ساخت باہم ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، زیادہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو محسوس اور مادی اشیاء ہی کو مدنظر رکھتے ہیں اور کچھ لوگ اس معیار سے بلند ہوتے ہیں اور ان کی نظر میں معنوی حالات اور نفسیاتِ کیفیات کی بھی اہمیت ہوتی

ہے اور یہ حالات وکیفیات ان پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ شخص واحد مختلف حالات میں مختلف کیفیات سے گزرتا ہے اور اس پر بعض ظروف و احوال میں کچھ امور اثر انداز ہوتے ہیں اور بعض دوسرے ظروف و حالات میں دوسرے امور اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے ہر درجے اور ہر مرحلے کے خوف کو مؤثر طریقے پر پیدا کیا ہے تاکہ تمام انسانوں کو اور انسانوں کے جملہ حالات کو جامع ہو جائے (اور جس حد تک خوف اور خشیت الٰہی انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے وہ پیدا ہو جائے)۔

## اسلام نے رجاء و امید کی کیفیت کو اُبھارا ہے

انسان کو "منہاج حق" پر قائم رکھنے کے لیے اسلام نے جس طرح خوف و خشیت کو ابھارا ہے اسی طرح اس نے فطرتِ انسانی میں موجود رجاء و امید کی کیفیت کو اس مقصد کے لیے ابھارا ہے اور جھوٹی اور بے قیمت آرزوؤں اور تمناؤں کو ختم کر کے ایسی امیدوں کو جلا بخشی ہے جن کی فی الواقع حقیقی قدر (Value) ہو اور جن کی تکمیل کے لیے صحیح ذرائع اختیار کیے جائیں۔

انسان کی دنیا کی زندگی میں بے شمار آرزوئیں، تمنائیں اور امیدیں ہوتی ہیں، چنانچہ انسان دنیا کی اَن گنت نعمتوں کا خواہش مند ہوتا ہے، مال و دولت کا آرزو مند ہوتا ہے، اولاد کی تمنا ہوتی ہے، اولاد نرینہ کی کسک ہوتی ہے، عزت، قوت، شوکت اور اقتدار کا خواہاں ہوتا ہے اور ہر نعیم ارضی اور نفسیاتی اور جسمانی آسودگی اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہے۔

اسلام بھی پاکیزہ آسودگیوں کے حصول سے منع نہیں کرتا، اور نہ ہی اسلام ترک دنیا اور رہبانیت کی دعوت دیتا ہے بلکہ اسلام بڑی وضاحت سے انسان کو "طیبات رزق" اور ارضی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دیتا ہے لیکن اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ خواہشات کی تکمیل میں اس طرح اُلجھ کر رہ جائیں کہ دارِ آخرت کی حقیقی اور ہمیشہ رہنے والی قدروں (Values) کو فراموش کر بیٹھیں،

اسی لیے قرآن نے متعدد مقامات پر اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ طیباتِ ارض ممنوع نہیں ہیں لیکن آخرت کی باقی رہنے والی نعمتیں زیادہ بہتر ہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (الاعراف: ۳۲)

"اے نبیؐ، ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں، کہو، یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصتاً انہی کے لیے ہونگی۔"

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ۔ (اٰلِ عمران: ۱۴-۱۵)

"لوگوں کے لیے مرغوبات نفس ـــ عورتیں، اولاد، سونے، چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں ـــ بڑی خوش آیند بنادی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے کہو، میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔ اللہ اپنے بندوں کے رویئے پر گہری نظر رکھتا ہے۔"

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا۔ (الکہف: ۴۶)

"یہ مال اور یہ اولاد محض دنیاوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں۔"

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (الکہف: ۲۸)

"اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو۔"

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔ (النساء: ۷۷)

"ان سے کہو کہ دنیا کا سرمایۂ زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔"

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔
(العنکبوت: ۶۴)

"اصل زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے، کاش کہ یہ لوگ جانتے۔"

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (الزخرف: ۳۵)

"یہ تو محض حیات دنیا کی متاع ہے اور آخرت تیرے رب کے ہاں صرف متقین کے لیے ہے۔"

اسلام قلب انسانی کو اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ وہ طیبات ارض سے استفادہ ل رزق کی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف بھی متوجہ رہے اور زندگی کے

معاملے اور وقت کے ہر لمحے میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھے۔

## قرآن کریم اور رجاء

اس سے قبل عذاب آخرت کا بیان ہوا جو تخویف (ڈرائے) کا ایک وسیع باب ہے اب اس مقام آخرت کی نعمتوں کا بیان ہوتا ہے جو رجاء و امید کی وسیع جولانگاہ ہے۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ مُّتَّکِئِیۡنَ عَلَیۡہَا مُتَقٰبِلِیۡنَ یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ وَ کَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ لَّا یُصَدَّعُوۡنَ عَنۡہَا وَ لَا یُنۡزِفُوۡنَ وَ فَاکِہَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوۡنَ وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَہُوۡنَ وَ حُوۡرٌ عِیۡنٌ کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَکۡنُوۡنِ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ (الواقعہ ۱۵: ۲۴-)

"مرصع تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھیں گے ان کی مجلسوں میں ابدی لڑکے شراب چشمۂ جاری سے لبریز پیالے اور کنٹر اور ساغر لیے دوڑتے پھرتے ہوں گے جسے پی کر نہ ان کا سر چکرائے گا نہ ان کی عقل میں فتور آئے گا اور وہ ان کے سامنے طرح طرح کے لذیذ پھل پیش کریں گے کہ جسے چاہے چن لیں اور پرندوں کے گوشت پیش کریں گے کہ جس پرندے کا چاہیں استعمال کریں اور ان کے لیے خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی ایسی حسین جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ سب کچھ ان اعمال کی جزا کے طور پر انہیں ملے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔"

قرآن کریم میں جہاں محسوس نعمتیں بیان کی گئی ہیں وہاں ہر منظر میں معنوی نعمتوں کا بھی بیان ہوا ہے چنانچہ مذکورہ بالا آیت میں بھی متعدد محسوس نعمتوں کا بیان کرنے کے بعد معنوی نعمتوں کا بیان ہوتا ہے اور محسوس نعمتوں کے منظر کا بیان ایک دلکش اور پاکیزہ فضا میں ہوتا ہے جس میں نہ کوئی لغزش و خطا ہے اور نہ کوئی ناروا و ناشائستہ بات بلکہ ہر جانب سلامتی چھائی ہوئی ہے اور سلامتی کی صدائیں جنت کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلی جاتی ہیں۔

غرض قرآن کریم میں کہیں تو خالص معنوی نعمتوں کو بیان کیا گیا ہے اور کسی مقام پر

معنوی نعمتیں محسوس نعمتوں کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ۔ (الحج: ۲۴)

"اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہاں وہ سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیے جائیں گے اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔ ان کو پاکیزہ بات قبول کرنے کی ہدایت بخشی گئی اور انہیں خدائے ستودہ صفات کا راستہ دکھایا گیا۔"

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ۔ (المطففین: ۲۲-۲۴)

"بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے اور اونچے مسندوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے، ان کے چہروں پر تم خوشحالی کی رونق محسوس کرو گے۔"

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ۔ (الغاشیہ: ۸-۱۶)

"کچھ چہرے اُس روز بارونق ہوں گے، اپنی کارگزاری پر خوش ہوں گے، عالی مقام جنت میں ہوں گے، کوئی بیہودہ بات وہاں نہ سنیں گے، اس میں چشمے رواں ہوں گے، اس کے اندر اونچی مسندیں ہوں گی ساغر رکھے ہوئے ہوں گے گاؤ تکیوں کی قطاریں لگی ہوں گی اور نفیس فرش بچھے ہوں گے۔"

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ ۔(عبس: ۳۸،۳۹)

"کچھ چہرے اُس روز دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے۔"

یَا اَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۔ (الفجر: ۲۷-۳۰)

"اے نفس مطمئن۔ چل اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔"

اس آخری آیت میں پہلے خالص روحانی نعمتوں سے آغاز کیا گیا۔ اور نفس انسانی کو اللہ کی رضا اور اطمینان کی وسعتوں کی جانب بلایا گیا اور خود اللہ نے اس نفس پاکباز کو اپنی جانب دعوت دی اور اس پر اپنی اعلیٰ ترین رحمتیں نچھاور فرمائیں اور اپنی جانب انتساب فرما کر اس کی عزت افزائی فرمائی اور پھر فرمایا کہ اے نفس مطمئنہ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری لافانی نعمتوں کی جنتوں میں داخل ہو جا۔

اسی طرح سورۂ مریم میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَہُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ (مریم: ۹۶)

"یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔"

اس آیت میں یہ بیان ہوا کہ اللہ سبحانہٗ کی اپنے مومن اور پاکباز بندوں پر جب نعمتوں کی انتہا ہو جاتی ہے تو اللہ سبحانہٗ ان سے محبت فرمانے لگتا ہے۔ اور یہاں مومن بندوں کی سب سے قیمتی اور سب سے اعلیٰ متاع ہوتی ہے۔

لوگوں کی متعدد اقسام اور مختلف درجات ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ زندگی کے محسوس پہلو کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے معنوی پہلو کو ترجیح

دیتے ہیں اور متعدد لوگ ان دونوں حالتوں کے درمیان میں رہتے ہیں اور بسا اوقات ایک ہی لمحہ میں ان دونوں حالتوں سے گزرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم نے نعمتوں کے بیان میں حسّی اور معنوی دونوں نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور محسوس نعمتوں کو اس قدر خوبصورت اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جو عالم محسوسات کو ترجیح نہیں دیتے وہ بھی ان نعمتوں کے تذکرے سے لطف اندوز ہو سکیں۔

## ترغیب و ترہیب کی افادیت

غرض خوف و رجاء دو ایسے متوازی خطوط ہیں جن کے ذریعے اسلام نے نفس انسانی کو کنٹرول کیا ہے اور نفس میں امیدیں پیدا کی ہیں اور اسے ڈرایا ہے، اور اس سے وعدے کیے ہیں اور اس کو دھمکایا ہے اور ان سب امور کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں صلاح و تقویٰ کے بیج افزائش پا سکیں اور پروان چڑھ سکیں۔

قرآن کریم کی جملہ ہدایات، تمام فرامین اور سارے احکام اور ہر قسم کی ممانعتیں (Prohibitions) انہی دو امور۔ ترغیب اور ترہیب ۔ سے وابستہ ہیں، اور قرآن کریم بار بار ترغیبات اور ترہیبات کو بیان کر کے ان امور کو نفس انسانی کی گہرائیوں میں اجاگر کرتا اور ان کے ذریعے ایسی شعوری اور لاشعوری قوت کو ابھار دیتا ہے جو ہر وقت خیر کی جانب متوجہ رکھتی اور برائیوں سے دُور لے جاتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ (الکہف: ۱۰۷، ۱۰۸)

"البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کی میزبانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی اس جگہ سے نکل کر کہیں جانے کو ان کا جی نہ چاہے گا۔"

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔ (یونس: ۶۳-۶۴)

"جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا دنیا اور آخرت کی زندگی میں ان کے لیے بشارت ہی بشارت ہے۔"

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (غافر: ۷-۹)

"عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں، اے ہمارے رب، تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پس معاف کر دے اور عذاب دوزخ سے بچالے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرا رستہ اختیار کر لیا ہے اے ہمارے رب اور داخل کر ان کو ہمیشہ رہنے والی ان جنتوں میں جن کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں ان کو بھی وہاں ان کے ساتھ ہی پہنچا دے، تو بلا شبہ قادر مطلق اور حکیم ہے اور بچادے ان کو برائیوں سے جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں سے بچا دیا اس پر تو نے بڑا رحم کیا یہی بڑی کامیابی ہے۔"

قرآن کریم کی متعدد آیات میں "ایمان" اور "عمل صالح" کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ (الصف : ۱۰-۱۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچادے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا یہ بڑی کامیابی۔"

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ (آل عمران: ۱۹۵)

"جواب میں ان کے رب نے فرمایا، میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔"

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۱)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (التوبہ: ۲۴)

”اے نبی، کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کیا کرتے۔“

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔

(التوبہ: ۶۸)

"ان منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں کے لیے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہی ان کے لیے موزوں ہے ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔"

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (الفرقان: ۶۸-۷۰)

"جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا، قیامت کے روز اسے مکرر عذاب دیا جائے گا، اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو، ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔"

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (البقرہ: ۲۶۲)

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دکھ دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے

کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔"

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (البقرہ: ۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں، تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خواری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس حکم کے بعد پھر اعادہ کرے وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔"

وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﹰالَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۔

(الہمزہ: ۱-۹)

"تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے، جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا، وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو

کہ کیا ہے وہ چکنا چور کر دینے والی جگہ، اللہ کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک پہنچے گی، وہ ان پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (اس حالت میں کہ وہ) اونچے اونچے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے)۔"

وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (اٰلِ عمران: ۱۳۳، ۱۳۴)

"دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ ان خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔"

غرض اس طرح اسلام خوف و رجاء کے ان دونوں متوازی تاروں پر حیات انسانی میں پیدا ہونے والے ہم پہلو نغمات چھیڑتا ہے اور اس طرح نفس انسانی کو دنیاوی زندگی کے مخاوف سے آزاد کرتا اور اسے آسائشات حیات سے چمٹے رہنے کی خواہش سے بلند کرتا اور اسے زندگی کی ہر ایک جولان گاہ میں حقیقی اور واقعی آزادی عطا کرتا ہے اور اسے اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ سیاست و اقتصاد اور اجتماعی تعمیر و ترقی کے جملہ امور کو پاکیزہ اخلاق، پاکیزگی ضمیر اور رضائے الٰہی کی بنیادوں پر استوار کرے۔ انسانی ضمیر تہذیب یافتہ ہو کر اس میں ایسی خشیت الٰہی اور تقویٰ خداوندی پیدا ہو جائے کہ معمولی سی توجہ اور راہنمائی اس کو رضائے الٰہی کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ کر دے اور اس کے قلب میں یہ احساس جاگزیں ہو جائے کہ یہ عمل اللہ کی رضا کے مطابق ہے اس لیے اسے ضرور انجام دینا ہے اور یہ امر رضائے الٰہی کے خلاف ہے اس لیے اس سے بچنا اس پر لازم ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی اولین جماعت جو قرآنی تربیت کے

زیر سایہ پروان چڑھی تھی اس کی فزوں تر حساسیت اور اللہ پر اعتماد و یقین کامل کا یہی حال تھا کہ وہ اپنے شب و روز احکام الٰہی کی تعمیل میں لگے رہتے تھے اور ان کی اسی روش کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

## باب نہم

# محبّت و نفرت

محبت و نفرت انسانی نفس کی دو مزید ایسی خصوصیات ہیں جو بیک وقت اور متوازی طور پر موجود ہیں اور نفس انسانی اور حیات انسانی کی بہت بڑی وسعتوں پر اثر انداز ہیں جس طرح کہ خوف و رجا متوازی طور پر اور بیک وقت موجود انسانی نفس کی ایسی پر اثر خصوصیات ہیں جو انسانی زندگی کے بیشتر پہلوؤں پر چھائی ہوئی ہیں۔ اور اسلام نے جس طرح خوف و رجا کی خصوصیات کو صحیح رُخ عطا کیا ہے اسی طرح اس نے نفس انسانی میں موجود محبت و نفرت کی خصوصیات کو مستحکم کر کے انہیں ہم آہنگی توازن اور اعتدال بخشا ہے اور ان کی حقیقی کارکردگی اور عمل کا تعین کیا ہے۔

تقاضائے فطرتِ انسانی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے اور اپنے وجود سے محبت رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر حسّی اور معنوی لذت سے لطف اندوز ہو، وہ چاہتا ہے کہ وہ نمایاں ہو، طاقتور ہو غالب ہو اور اقتدار کا حامل ہو، وہ بہت سی آسائش اور بے شمار نعمتیں اپنے دامن میں سمیٹ لینے کا خواہش مند رہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بڑی عمر پائے بلکہ اسے ہمیشگی حاصل ہو جائے اور تمام کائنات کا محور و مرکز بن جائے۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔ (العادیات: ۸)

"اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔"

ان خواہشوں، آرزوؤں اور تمناؤں کے حصول میں حائل ہونے والی ہر مادی اور معنوی رکاوٹ کو انسان ناپسند کرتا ہے اور ان انسانوں سے نفرت کرتا ہے جو اس کے درپے آزار ہوں، جو اسے نقصان پہنچائے اور جو اس کے ان حقوق میں حصہ بٹائیں جنہیں وہ محض اپنے لیے مخصوص سمجھتا ہے۔

بہر حال جذباتِ محبت و نفرت انسان کے نفس کی گہرائیوں میں موجود ہیں اور اسلام فطرت کے ان میلانات سے برسرِ پیکار ہونے کی بجائے ان کو مہذب اور شائستہ بناتا ہے اور ان کو منظم اور منضبط کرتا ہے کیونکہ اگر محبت و نفرت کے جذبات بغیر تنظیم انضباط کے رہ جائیں تو جذبات نفس کو تباہ کر دیں اس کی قوتوں کو ضائع کر دیں اور انسان کو غلام بنالیں اور نہ صرف یہ کہ یہ جذبات دوسروں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں بلکہ یہ قوتیں نفس کی گہرائیوں میں باہم متصادم ہو کر خود نفسیاتی وجود کے لیے مہلک بن جائیں۔

اسی لیے اسلام نے محبت و نفرت کے جذبات پر روح اور عقل کے ضَوابط قائم کیے ہیں اور ان ضوابط کو اللہ کی ذات سے پیوست کر دیا ہے۔

اسلام انسان کو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ وہ اپنی ذات سے محبت رکھے کیونکہ یہ ایک طاقتور فطری جذبہ ہے اور ایسا جذبہ ہے جو انسان کو عمل و کارکردگی اور تعمیر و ترقی پر ابھارتا ہے۔ جو ظاہر ہے خود اسلام کے بھی مقاصد ہیں اور اسلام بھی یہی چاہتا ہے کہ انسان بہر طور آمادۂ عمل رہے۔

مگر اسلام کی نظر میں حُبِ نفس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ انسان لذتوں کے حصول کے پیچھے دوڑتا رہے بلکہ اسلام کی نظر میں ہر لحظہ لذتوں کے تعاقب میں رہنا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر لحظہ نفس میں گزرنے والے وسوسوں کے تعاقب میں رہنا نفس کو ہلاکت میں ڈال دینا ہے۔

## اسلام کی نظر میں حبِ ذات کا مفہوم

دراصل اسلام کی نظر میں حُبِ ذات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو نصیحت کرتا رہے اور اس کی صحیح سمت میں راہنمائی کرے، ایسی راہنمائی جو اسے دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کی جانب راہنمائی کرے اور آخرت کی فلاح بطورِ خاص ملحوظ ہو اس لیے کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے اور اس کی نعمتیں اور نقمتیں دائمی ہیں، جب کہ دنیا کی زندگی محض لہو و لعب اور فانی زندگی ہے اور دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی باقی اور دائمی زندگی پر ترجیح دینا حماقت اور نادانی ہے۔

اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا۔

(الحدید: ۲۰)

"یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہوگئے پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔"

ظاہر ہے کہ زندگی کی حفاظت اسی طرح ہوسکتی ہے اور حُبِ ذات کے فطری جذبے کی تکمیل کا صحیح راستہ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کو شہوتوں کا غلام بن جانے اور آخرت کی رُسوائی اور عذاب سے بچائے!

اسلام اسی تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان کے خوف ونفرت کے جذبات کو صحیح رخ دیتا اور ان کی مناسب راہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم جذبہ حُب کو بروئے کار لانے کے لیے اس ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے جذبات محبت بیدار کرتا ہے جو منعمِ حقیقی ہے اور جس نے انسان کو زندگی عطا کی ہے اور انسان کو تمام قوتیں، صلاحیتیں اور خصوصیات بخشی ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ۔ (التغابن: ۳)

"اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت بنائی ہے اور بڑی عمدہ بنائی ہے۔"

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ۔

(الرحمٰن: ۱-۴)

"نہایت مہربان (خدا) نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔"

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۔ (الاعلیٰ: ۲،۱)

"(اے نبیؐ) اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔"

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًا ۔ (مریم: ۹)

"اس سے پہلے میں تجھے پیدا کر چکا ہوں جب کہ تو کوئی چیز نہ تھا۔"

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۔ (الانفطار: ۶، ۷)

"اے انسان، کس چیز نے تجھے اپنے اُس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے نِک سُک سے درست کیا، تجھے متناسب کیا۔"

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ۔ (الروم: ۵۴)

"اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت سے تمہاری پیدائش کی ابتدار کی پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی۔"

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (الصافات: ۹۶)

"اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔"

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۔ (الاسراء: ۷۰)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔"

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ (التین: ۴)

"ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔"

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ۔ (السجدہ: ۷)

"جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا، گارے سے کی۔"

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ۔ (البلد: ۸-۱۰)

"کیا ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور (نیکی اور بدی کے) دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھا دیئے۔"

اللہ ہی نے انسان کے لیے روئے زمین پر زندگی کی تمام سہولتیں فراہم کی ہیں اور اسے ہر قسم کی آسانیاں بخشی ہیں تاکہ زندگی دمادم رواں دواں رہے۔ اور حیات انسانی نکھرتی اور سنورتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (البقرہ: ۲۹)

"وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔"

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ۔ (الحج: ۶۵)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے اور اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔"

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ۔ (الجاثیہ: ۱۳)

"اس نے زمین اور آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ (الانعام: ۱)

"تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔"

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا۔ (النحل: ۸۱)

"تمہارے لیے سائے کا انتظام کیا، پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں۔"

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (الروم: ۲۱)

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔"

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ۔ (الزخرف: ۱۲)

"وہی ہے جس نے یہ تمام جوڑے پیدا کیے اور جس نے تمہارے لیے کشتیوں اور جانوروں کو سواری بنایا تاکہ تم ان کی پشت پر چڑھو۔"

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ۔ (یٰسٓ: ۷۱-۷۳)

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے

ان کے لیے مویشی پیدا کیے ہیں اور اب یہ ان کے مالک ہیں، ہم نے انہیں اس طرح ان کے بس میں کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں، کسی کا یہ گوشت کھاتے ہیں، اور ان کے لیے طرح طرح کے فوائد اور مشروبات ہیں، پھر کیا یہ شکر گزار نہیں ہوتے؟"

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ. وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ۔

(النحل: ۶۶—۶۹)

"اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں، یعنی خالص دودھ، جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے (اسی طرح کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔ اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا، اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس، اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لیے۔"

اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان اور بڑا رحیم ہے اور وہ اپنے بندوں کو ان کی قوت سے

زیادہ کا مکلف نہیں بناتا، اور ہر معاملے میں اس خدائے برتر نے انسانیت کی بھلائی کا پہلو پنہاں فرما دیا ہے۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ (الحج: ۷۸)

"اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔"

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ: ۱۸۵)

"اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔"

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶)

"اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمے داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔"

مزید برآں یہ کہ اللہ اپنے خطا کار اور گناہ گار بندوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ۔

(آل عمران: ۱۳۴-۱۳۶)

"ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں — اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے، اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں — کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو — اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے کیسا اچھا بدلہ ہے نیک اعمال کرنے والوں کے لیے۔"

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔ (الفرقان: ۷۰)

"اِلَّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو، ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔"

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ۔ (الزمر: ۵۳)

"(اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔"

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ (النساء: ۴۸)

"اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔"

إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا۔ (الزمر: ۵۳)

"یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔"

اسلام اللہ کی پیدا کردہ کائنات سے محبت کا جذبہ ابھارتا ہے اور انسان اور کائنات کے درمیان صداقت اور دوستی کا تعلق قائم کرتا ہے اور باہمی یگانگت اور رشتۂ اخوت استوار کرتا ہے، تعلق عبادت پیدا کرتا ہے کہ کائنات کی ہر شئے اسی کی حمد اور تسبیح میں مصروف ہے اور اللہ سبحانہٗ نے تمام کائنات کو انسان کے مفادات کی تکمیل میں لگا دیا ہے۔ نیز یہ کہ ساری زندہ کائنات اس زمین پر انسان کے ساتھ شریک زندگی ہے اور خاص طور پر بنی نوع انسان تمام ایک ہی نفس سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے تمام انسانوں کے درمیان رشتۂ اخوت اور تعلق محبت استوار ہونا چاہیے، اس لیے کہ تمام انسان بلحاظ تخلیق بھی بھائی بھائی ہیں اور بلحاظ

رحم بھی آپس میں بھائی ہیں اور چونکہ ان کے مفادات مشترک اور ان کا آغاز اور ان کا انجام مشترک ہے اس لیے بھی وہ بھائی بھائی ہیں اور قرآن اسی تعلق کو انتہائی دلنشین پیرایہ میں بیان کرتا ہے اور انسانی وجدان کو جلا عطا فرماتا ہے۔

یَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ۔

(النساء : ۱)

"لوگو، اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔"

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ (آل عمران : ۱۰۳)

"اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔"

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (الحشر : ۹)

"اور جو لوگ مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دار الہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں

کرنے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔"

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ (الحجرات: ۱۱)

"آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو۔"

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ (الحجرات: ۱۲)

"اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔"

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔ (البقرہ: ۲۳۷)

"آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔"

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی متعدد احادیث مروی ہیں۔ مثلاً فرمان نبوتؐ ہے کہ۔

"کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔" (البخاری)

اور فرمایاؐ۔

"سلام کرو ہر شخص کو جسے تم جانتے ہو اور جسے نہیں جانتے۔"

(بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

اور فرمایاؐ۔

"تمہارا اپنے بھائی کی خاطر مسکرانا بھی صدقہ ہے۔" (ابن حبان، بیہقی)

نیز فرمایاؐ۔

"اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اگرچہ نبی نہیں ہیں مگر نبی اور شہید ان پر رشک کرتے ہیں صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہؐ یہ کون لوگ ہیں آپؐ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نور الٰہی کی بنا پر ان لوگوں سے محبت

کرتے ہیں جو ان کے رحم اور ان کے نسب سے نہیں ہیں، ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور منبروں پر بیٹھے ہوں گے جب لوگ خوفزدہ ہوں گے انہیں کوئی خوف نہیں اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا۔ بعد ازاں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

(نسائی، ابن حبان)

غرض یہ تمام ہدایات انسان کی اس جانب راہنمائی کرتی ہیں کہ انسان باہم پاکیزہ، صاف اور شغاف محبت رکھیں اور اپنی ذات سے محبت میں توازن اور اعتدال قائم رکھیں اور اس کا صحیح مقام پر اظہار کریں اور اپنی ذات کی خاطر دوسرے برادر انسانوں پر ظلم و زیادتی نہ کریں اور دوسروں کے حقوق غصب نہ کریں۔

## نفرت کا رُخ شر کی قوتوں کی جانب

جب کہ اسلام نے نفرت کی خصوصیت کو شر کی قوتوں کی جانب متوجہ کیا ہے اور انسان کو ہدایت کی ہے کہ وہ شر اور برائی کو ہر رنگ اور ہر صورت میں ناپسند کرے اور انہیں برا سمجھے۔ اور اسلام نے حکم دیا ہے کہ ظلم خواہ کسی بھی صورت میں ہو اور کسی بھی نوعیت میں ہو یہ بہر حال ایک برائی ہے جسے بُرا سمجھنا چاہیے اور جس کو روکنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمان الٰہی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تمہارے مابین بھی حرام قرار دیا ہے اس لیے اب تم باہم ظلم نہ کرو" (مسلم)

اسی طرح کسی پر زیادتی کرنا بھی برائی ہے اور اس برائی اور شر کی مزاحمت کرنی چاہیے۔

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ۔ (البقرہ: ۱۹۴)

"لہٰذا جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو"

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ۔ (البقرہ: ۱۷۹)

"عقل و خرد رکھنے والو، تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔"

معاشرے کے کمزور لوگوں سے ناانصافی روا رکھنا بھی شر ہے، اس کو بھی برا سمجھنا چاہیے اور اس کی مزاحمت کرنی چاہیے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا۔ (النساء: ۷۵)

"آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو، جو کمزور پاکر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔"

بلکہ خود اپنی ذات سے ناانصافی بھی ظلم ہے اور قرآن نے اس کی مزاحمت کا بھی حکم دیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَّلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا فَأُولٰئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا۔ (النساء: ۹۷-۹۹)

"جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے، ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ ہاں جو

مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔"

لوگوں کو ان کے دینِ (حق) کے بارے میں آزمائش میں ڈال دینا بھی شر ہے اور اس شر کو بھی برا سمجھنا چاہیے اور اس کی بھی مزاحمت کرنی چاہیے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ (البقرہ ۴:۱۹۱)

"مگر فتنہ قتل سے بھی زیادہ برا ہے۔"

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔

(البقرہ ۴:۱۹۳)

"تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کیلئے ہو جائے۔"

زمین میں فساد پھیلانا اور خدا اور رسول سے برسرِ پیکار ہونا اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا بھی ظلم ہے اور شر ہے اور اس شر کو بھی برا سمجھنا چاہیے اور اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ (المائدہ ۵:۳۳)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔"

تمام کھلی اور چھپی برائیاں قابلِ نفرت اور قابلِ مزاحمت شر ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (النور ۲:)

"زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو

اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامنگیر نہ ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔"

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۔ (النور: ۱۹)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔"

## صراط مستقیم سے انحراف بھی قابلِ نفرت امر ہے

اللہ سبحانہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے ہر انحراف (Diversion) قابلِ نفرت اور قابل مزاحمت شر اور برائی ہے۔

"جو شخص تم میں سے کوئی برائی دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے اسے برا کہے اور جو یہ بھی نہ کرے وہ دل میں برا سمجھے۔ جو ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔" (بخاری، مسلم)

ہر برائی اور ہر شر کا منبع شیطان ہے۔ وہی انسانوں کو بہکا کر شر اور برائی کی جانب لے جاتا ہے اس لیے اس سے مکمل نفرت کی جانی چاہیے اور اس سے پوری طرح برسرِ پیکار رہنا چاہیے اور اس سے کوئی سمجھوتہ اور تعاون نہیں ہونا چاہیے۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۔ (یٰس: ۶۰-۶۲)

"آدم کے بچو، کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری ہی بندگی کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے مگر اس کے باوجود اس نے تم میں سے ایک گروہ کثیر کو گمراہ کر دیا کیا تم عقل نہیں رکھتے۔"

مومن اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ ساری زندگی باطل کی قوتوں اور شیطانی برائیوں کے خلاف برسرِ پیکار رہتا ہے اور شر کی طاقتوں پر خیر کی قوتوں کو غالب کر دینے کے جہاد میں مصروف رہتا ہے اور اس سے اس کی زندگی میں محبت و نفرت میں توازن اور اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔

باب دہم

# واقعیت اور خیال

فطرتِ انسانی میں دو متوازی قوتیں واقعیت اور خیال کی موجود ہیں اور ان دونوں قوتوں کا بروئے کار آنا انسانی وجود کے تحقق کے لیے ناگزیر ہے۔ مگر ان دونوں قوتوں کے بارے میں دنیاوی نظام انتہا پسندی اور عدم توازن کا شکار رہے ہیں، چنانچہ آج جس طرح واقعیت کی ایک لہر آئی ہوئی ہے اسی طرح ایک زمانہ تھا کہ ہر طرف رومانویت یعنی خیال کا غلبہ تھا۔

رومانویت ایک انحراف پر مبنی تھی اور اس میں واقعیت کو کلیتہً نظر انداز کر کے صرف تصورات وخیالات ہی کو سب کچھ تصور کر لیا گیا تھا اور آج کی واقعیت بھی ایک انحراف ہے کہ اس میں محدود اور محسوس دنیا ہی کو سب کچھ تصور کر لیا گیا ہے اور انسان مادیت اور حیوانیت میں گھر کر رہ گیا ہے[1]

اس مادیت کی ابتدائی حدود ڈارونیت قدیم نے قائم کی تھیں[2]۔ اور اس کے نتیجے میں انسان محدود اور محسوس فوری ضرورتوں کا بندہ بن گیا اور اس کے تصورات سے ایک کامل وافضل اور حسین زندگی کا تصور اوجھل ہو گیا اور انسان محض ایک جانور اور ایک مشین بن کر رہ گیا، کیونکہ اس انسان نے واقعیت پر تکیہ کر لیا اور خیال کو بالکلیہ خیر باد کہہ دیا۔ جب کہ اسلام انسان کی جملہ صلاحیتوں اور قوتوں کو بیک وقت بروئے کار لاتا ہے اور انسان میں توازن اور اعتدال پیدا کرتا ہے تاکہ انسان میں آفاقیت اور کمال پیدا ہو سکے اور انسان "انسانیت" کے لائق روش اختیار کر سکے۔

---

[1] مصنف کی کتاب معرکۃ التقالید، اور فی النفس والمجتمع ملاحظہ کیجیے۔

[2] قدیم ڈارونیت کی اصطلاح جدید ڈارونیت سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ان دونوں قوتوں میں بھی توازن اور اعتدال پیدا کیا ہے اور واقعیت اور خیال دونوں صلاحیتوں کو پوری طرح بروئے کار آنے کا موقعہ فراہم کیا ہے اور انسان کو موقع فراہم کیا ہے کہ وہ زمین کی تمام ضرورتوں کو پورا کرے ہر طرح کی ایجادات کرے اور ہر قسم کی تنظیم میں حصہ لے اور انسان کو اجازت دی ہے کہ وہ نظام حکومت چلائے اور معاشرے کی اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور مادی تنظیم کرے اور زمین کے خزانے تلاش کر کے انہیں اپنے کام میں لائے اور جنگ و صلح ہر دور میں دوسرے ممالک سے تعلقات قائم کرے۔

لیکن یہ نہیں کہ وہ دنیائے واقعیت میں اس طرح الجھ کر رہ جائے کہ اس کے جذبات ہی ٹھٹھر کر رہ جائیں اور اس کے تصورات ہی مرجھا جائیں اور اس کے افکار کے کنول کمھلا جائیں اور مادی دنیا کی کشمکش اور تنازع للبقاء کا بالا اس کی قوت تخیلہ کو مار جائے اور ہر فکر بلند اور ہر وقیع تصور مادی دنیا کے کینہ اور حسد کی نظر ہو جائے۔

دراصل اسلام کا نقطۂ نظر فطرتِ انسانی کے مطابق اور طبیعت کائنات کے مطابق ہے، اس لیے کہ کائنات کی ہر شئے میں ایک ٹھوس واقعیت موجود ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک حسن اور ایک تصوریت موجود ہے۔ پہاڑ ایک ٹھوس حقیقی وجود کے بھی حامل ہیں اور ان میں ایک حسن و جمال بھی ہے وہ برف سے ڈھکے ہوئے بھی ہیں اور وہ سرسبز و شاداب بھی ہیں ... بادل پانی لیے ہوئے بھی ہیں، اور رنگا رنگ اور حسین بھی ہیں، ان میں خوشنما منظر بھی رونما ہوتے ہیں اور قوس قزح بھی ابھرتی ہے۔ نباتات محض نباتات ہی نہیں بلکہ ان پر خوش رنگ پتے اور خوشنما پھول بھی ہوتے ہیں اور پھولوں کا حسن اور ان کی مہک نظر کو تازگی اور دماغ کو رونق بخشتی ہے۔ پرندے صرف ایک حیوانی وجود ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں رنگوں کا حسین امتزاج بھی ہوتا ہے وہ چہکتے گاتے اور اچھلتے اور کودتے بھی ہیں۔ اور ہر حیوان اچھلنا کودنا اور خوش فعلیاں کرنا اور انسان کے لیے باعثِ لطف

واستعجاب بنتا ہے۔

غرض کائنات کی ہر شئے کی جہاں ایک ٹھوس حقیقت اور ایک واقعی وجود ہے وہاں اس کا ایک احساس لطیف اور پیکرِ جمال بھی ہے، تو گویا اس رنگا رنگ مہکتی دمکتی کائنات میں صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو ہر لطافت اور حسن سے عاری صرف ایک مادی اور واقعی وجود ہے؟ ظاہر ہے یہ بات وہی لوگ کہہ سکتے جن کی فطرت میں کجی پیدا ہو گئی ہو اور جو فطرتِ انسان اور طبیعتِ کائنات سے برسرِ پیکار ہو چکے ہوں۔

اسلام اس تنگ اور محدود واقعیت کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان واقعی اور عملی زندگی بھی گزارے اور گاہے گاہے اس عادی بندھن سے آزاد بھی ہو جائے، یعنی واقعیت اور مادیت کو بھی اختیار کرے اور تصوریت اور خیال کی بھی سیر کرے۔ اور اس تصوریت اور خیال کی مدد سے کمال مطلق کے حصول کی فکر کرے اور اس کے مطابق اپنی واقعی زندگی کی اصلاح کرے تاکہ وہی خیال اور تصور ایک وقت گزرنے کے بعد واقعی صورت اختیار کرے اور اس طرح مرحلہ بمرحلہ معیارِ انسانیت ترقی کرتا رہے۔

اسلام انسان کے خیال اور تصور کو نہ صرف یہ کہ تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے غذا بھی فراہم کرتا ہے اور اس کے سامنے مناظر مشاہد اور صورتیں اور حالات لاتا ہے۔ مثلاً جنت کے بارے میں فرمان نبوت ہے۔

”وہاں ایسی بیش قیمت نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہونگی، نہ کسی کان نے سُنی ہوں گی اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال بھی گزرا ہو گا“

یہ حدیث مبارک ہمیشہ کے لیے اور پوری انسانیت کے لیے جمال و کمال کے تصور کا ایک دریچہ وا کر دیتی ہے اور یہ تصور کمال و جمال اپنے دامن میں ایک حسین بلند اور رفیع مقصد لیے ہوئے ہے کیونکہ اللہ رب العزت کی کوئی بھی تخلیق بے مقصد نہیں ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ۔ (آل عمران : ۱۹۱)

"پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔"

بلکہ اس تصور کمال و جمال کا مقصد یہ ہے کہ روئے زمین پر بسنے والا انسان اپنے قلب کی اصلاح کرے اور دنیا میں رہتے ہوئے بھرپور عملی زندگی اس طرح گزارے کہ اس کا قلب آسمان کی جانب متوجہ ہو اور وہ ہر عمل میں ثواب آخرت رضائے الٰہی اور مغفرتِ خداوندی کا طلبگار ہو۔ اس طرح واقعیت اور خیال دونوں باہم گرذاتِ الٰہی کے تصور سے مِل جائیں اور دونوں کی یک جہتی سے نفس اور زندگی کی اصلاح ہو جائے۔

باب یازدہم

# حسیّت اور معنویّت

حسیّت اور معنویت بھی انسان کی دو خصوصیات ہیں جو ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہیں اور دونوں مل کر "انسان" کا رُخ متعین کرتی ہیں۔ حسی قوت کا تعلق انسان کے حواس، اعصاب اور اس کے کیمیاوی، عضویاتی اور حیاتیاتی عمل سے ہے جب کہ معنوی صلاحیت کا انسان کو یہ یقینی علم حاصل نہیں ہے کہ یہ کیا ہے اور کہاں ہے؟ بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک تجریدی اور تصوری تفکیر کی صلاحیت کا نام ہے جس کی بدولت انسان کلیات اور معنویات کا ادراک کر لیتا ہے اور اسے یہ ادراک ہو جاتا ہے کہ فضیلت کیا ہے؟ اعلیٰ قدریں کیا ہیں؟ اور عدل و حق کیا ہے؟ اور جمال کیا ہے؟ وغیرہ۔

جولیان ہکسلے (Julian Huxley) اپنی کتاب "انسان دورِ جدید میں" ــــ انسان کی انفرادیت کے زیرِ عنوان لکھتا ہے کہ

"انسان کی سب سے اولین اور واضح و منفرد خصوصیت اس کا تصوری فکر پر قادر ہونا ہے .... اس بنیادی خصوصیت کے کئی اہم نتائج رونما ہوئے جن میں سب سے اہم روایات کا نشوونما ہے .... انسان کی یہ خصوصیات جنہیں حیاتیاتی سے زیادہ نفسیاتی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ انسان کی مندرجہ ذیل تین خصوصیات سے پیدا ہوتی ہیں:-

۱۔ انسان عام اور خاص فکر پر قدرت رکھتا ہے۔

۲ ۔ انسان کے عقلی اعمال میں نسبتی وحدت ہے جب کہ حیوان کے عقل و عمل میں فرق ہے۔

۳۔ انسانوں میں قبیلہ قوم جماعت جیسی اجتماعی وحدتیں ہیں اور

انسان ان سے متعلقہ روایات وثقافت کے پابند ہیں۔

عقل انسانی کے ماقبل انسان سے مرحلۂ انسان تک کے مراحل کے بہت سے نتائج مرتب ہوئے ہیں جو حیاتیاتی لحاظ سے بالکل منفرد ہیں، ہم ان میں سے محض ریاضی علوم موسیقی کی صلاحیتیں، فنکارانہ تخلیقات، مذہب اور مثالی محبت ہیں "

بہر حال انسان میں حسیت اور معنویت کی دونوں قوتیں موجود ہیں اور ان دونوں قوتوں میں سے جو قوت دراصل مظہر انسانیت ہے اور جو انسان کی انفرادیت ہے اور جس کا حیوان میں وجود نہیں ہے وہ معنویت کی قوت ہے وہ معنوی قوت جو کلیات معنویات اور مجرد امور کا ادراک کر سکتی ہے۔ اور بیسویں صدی کی جاہلیت جسے ختم کرنے کے درپے ہے اور یہ چاہتی ہے کہ انسان کی معنوی قوت کا بالکلیہ انسداد ہو جائے اور اس کی جگہ وہ حسی قوت لے لے جو انسان اور حیوان میں مشترک ہے۔

جدید جاہلیت میں معنوی قوت کا استعمال صرف سائنسی نظریات اور تحقیقات ہی میں ہوتا ہے بلاشبہ دنیائے سائنس بڑی وسیع ہے اور ہر روز اس میں نئے انکشافات کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور انسانیت ارتقار کی جانب قدم بڑھاتی رہتی ہے لیکن معنویت صرف سائنس کے دائرے میں محدود نہیں ہے بلکہ علاوہ علم وسائنس کے فن، عقیدہ، فضائل، اخلاق اور اقدار عالیہ پر بھی مشتمل ہے۔

ہر چند کہ جدید دور میں شب و روز فن کے ارتقار کی باتیں ہوتی رہتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ فن کی دنیا بھی حیوانیت اور مادیت کی نذر ہو کر گھٹ گئی ہے اور فن کی روانی، سبک روی، دلکشی اور اس کے کمال اور حسن وجمال کو واقعیت نگل گئی ہے۔ اور عقیدہ اور اس کے زیر اثر ابھرنے والے فضائل واخلاق اور اقدار عالیہ تو اس دور میں جدید جاہلیت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں اور اب یہ حقیقتیں قدیم جاہلیت کی طرح تمسخر اور مذاق کا سبب بن گئی ہیں اور انسان جوں جوں اپنے اصلی انسانی وجود سے کنارہ کش ہوتا جا رہا ہے اسی قدر مادیت اور حیوانیت کے گرداب میں پھنستا جا رہا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ۔

(الاعراف: ۱۷۵- ۱۷۶)

" اور اے نبیؐ ، ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا، آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا، یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں ہو کر رہا اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعے بلندی عطا کرتے مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا، لہٰذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے "

اسلام ہر معاملے میں فطرتِ انسانی کو ملحوظ رکھتا ہے اور تمام ظروف اور عوامل کے ساتھ انسانیت کو ترقی دیتا اور ارتفاع عطا کرتا ہے اور کسی بھی مرحلے پر اسلام جاہلیت سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ اسلام تو جاہلیت کو مٹا کر انسانیت کو حقیقی علم و معرفت سے آشنا کرتا ہے اور اس ارتقاء میں حسیت اور معنویت دونوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔

## اسلام میں حسی لذتوں کا حصول جائز ہے

اسلام کی نظر میں تمام روا حسی لذتیں جائز ہیں اور طعام و لباس اور مسکن و جنس کی وہ تمام لذتیں اور آسائشیں جائز ہیں جو فرد کو یا اجتماع کو نقصان نہ پہنچائیں اور جو انسان اپنے لیے وقتاً فوقتاً اسائشیں ایجاد کرتا رہے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام انسان کی اصل قوت اور معنوی صلاحیت کی جانب توجہ دیتا ہے اس لیے کہ اس صلاحیت کی بناء پر ہی انسان حیوان سے ممتاز ہے اور یہی انسانیت کی حقیقی اساس ہے۔

اولاً اسلام انسانیت کو ایک وسیع اور جامع عقیدہ عطا کرتا ہے اس عقیدہ کو نفس انسانی میں جاگزیں کرنا اور اس کے ذریعے انسانیت کو معنوی قوت عطا کرتا ہے۔ اس عقیدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت پر ایمان لا کر خالص اسی کی عبادت کی جائے، یہ ایمان رکھا جائے کہ اللہ سبحانہ نے تمام کائنات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور زمین پر اسی حق کو قائم کرنا، اس کے قیام کے لیے جہاد کرنا اور صلاح وتقویٰ کی اساس پر اجتماعیت کو وجود میں لانا ہی "فریضۂ انسانی" ہے تاکہ اس فرض کی تکمیل سے ایک ایسا صاف ستھرا اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آسکے جس کے تمام افراد اللہ پر اور اللہ کے نازل کردہ احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان احکام کو اپنی عملی زندگی میں بروئے کار لاتے ہوں!

اس عقیدۂ جاودانی کے زیر سایہ زندگی بذاتِ خود اس قدر سرور آفریں ہے کہ دنیا کی کوئی لذت اس کی ہمسر نہیں ہوسکتی، اس عقیدے کی بدولت انسانیت کا رشتہ اللہ سبحانہ سے استوار ہوجاتا ہے اور انسان میں اس قدر آفاقیت پیدا ہوجاتی ہے کہ انسان اس کائنات کا ایک جز اور حصہ بن جاتا ہے اور انسان اپنے مختصر سے وجود میں بند ہونے کے بجائے ایک عظیم تر ناموس کا حصہ بن جاتا ہے۔

آج جس قدر اسرارِ کائنات سے پردہ اٹھتا جارہا ہے سائنس اس حقیقت کو ثابت کرتی جارہی ہے چنانچہ ایٹمی قوت کی دریافت اور کائناتی کشش کا معلوم ہوجانا سائنس کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ ہے۔ جس سے عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ مادی اور غیر مادی تقسیم لایعنی ہے اور فی الحقیقت تمام کائنات باہم مربوط رواں دواں قوتوں کے اجتماع کا نام ہے کہ اگر یہ ربط باہم ختم ہوجائے تو کائنات میں فساد پیدا ہوجائے۔ انسان بھی انہی کائناتی قوتوں میں سے ایک قوت ہے جس پر خود ناموس کائنات اور ارادۂ الٰہی اثر انداز ہے اور اس لحاظ سے جب انسان عبادت الٰہی میں مصروف ہوتا ہے تو وہ درحقیقت ناموس اکبر کی وحی کی تکمیل میں لگا ہوا ہوتا ہے اور جب وہ محبت سے کائنات کی جانب اور جذبۂ اخوت کے ساتھ انسانیت کی

جانب متوجہ ہوتا ہے تو وہ دراصل اسی ناموس کائنات کو متحقق کرتا ہے کہ کائنات تمام باہم مربوط اور رواں دواں قوتیں ہیں، جن میں سے انسان بھی ایک حصہ ہے!

## فضائل اخلاق کائنات کا ایک حصہ ہیں

اس لحاظ سے تمام فضائلِ اخلاق مثلاً سچائی، پاکیزگی، پاکبازی اور استقامت اور تمام اقدار عالیہ مثلاً حق، عدل، جمال اور کمال سب اس کائنات اور انسان کے وجود کا ایک حصہ بن جاتے ہیں اور انسان اس کائنات کی ایک ایسی قوت بن جاتا ہے جو فطرت کے ساتھ رواں اور ناموسِ فطرت سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور جب کبھی وہ ان فضائل اخلاق سے دُور ہوتا ہے اور ان اقدار عالیہ سے گریز کرتا ہے تو وہ دراصل ناموسِ کائنات سے منحرف اور قوت کائنات سے جدا ہو جاتا ہے اور اپنی ذات کی تنگنائیوں میں محصور ہو کر رہ جاتا ہے اور خواہشوں کے جنگل میں پھنس کر اور شہوتوں کے سراب میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

زندگی کا یہی تصور ایمانی ہے جس کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سائنس ایک واقعی حقیقت کے طور پر ثابت کرتی جارہی ہے اور اسلام نے اسی تصورِ ایمانی کو اساسی قاعدہ اور اسے معنوی قوت کی مکمل غذا قرار دیا ہے ... مگر اسلام میں یہ تصور محض ایک تصور نہیں ہے بلکہ یہ ایک بامقصد تصور ہے جس کا مقصد قلب انسانی کی اصلاح اور اس کو فطرتِ الٰہی پر استوار کرنا ہے۔ اسی لیے اسلام ایسے تجریدی فلسفہ کو تسلیم نہیں کرتا جو بحث و تحقیق کا ایک چکر مکمل کر کے پھر اسی جگہ پہنچا دے اور انسان کو زندگی کے لیے کارآمد کوئی حقیقی غذا فراہم نہ کرے۔

اسلام ملکوت میں غور و فکر کی بہت پراثر اور پرزور دعوت دیتا ہے مگر اسلام کی اس دعوت کا تعلق عمل شعور اور واقعی حقیقت سے ہے اور یہ غور و تأمل انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتا اور اس کی عقل کی تربیت کرتا ہے۔ اور اس تأمل اور غور و فکر سے ایمان کی جانب رسائی حاصل ہوتی ہے اور ایمان عمل و جہاد پر آمادہ کرتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

(آلِ عمران : ۱۹۰ — ۱۹۱)

"زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں ان ہوشمند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب، ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔"

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ۔ (آلِ عمران : ۱۹۵)

"جواب میں ان کے رب نے فرمایا، میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔"

غرض اس طرح اسلام میں حسیت اور معنویت واقعی زندگی میں مربوط اور نفس کے اندر ہم آہنگ ہو جاتی ہیں اور دین اسلام دینِ فطرت بن جاتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ (الروم : ۳۰)

"قائم ہو جاؤ، اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔"

باب دوازدہم

# محسوس امور پر یقین اور مغیبات پر ایمان[1]

یہ دونوں خصوصیات بھی فطری طور پر انسانی وجود میں موجود ہیں کیونکہ یہ انسان ہی ہے جو محسوسات پر بھی یقین رکھتا ہے اور مغیبات پر بھی ایمان رکھتا ہے، جب کہ حیوانات نہ محسوسات پر یقین رکھتے ہیں اور نہ مغیبات پر ایمان بہرحال محسوسات پر یقین کرنے کا تعلق چونکہ انسان کی اس حسّی قوت سے ہے جو حیوانات میں بھی موجود ہوتی ہے اس لیے محسوسات پر یقین انسان کی کوئی بہت بڑی خوبی نہیں ہے بلکہ انسان کی اصل خوبی اور اللہ سبحانہٗ کی عظیم نعمت انسان کا مغیبات پر ایمان لانا ہے۔

باوجودیکہ اس حقیقت کی تائید خود علم تجربی — سائنس — بھی کرتی ہے — جیسا کہ پکسلے کا بیان پہلے گزر چکا ہے مگر جاہلیت جدیدہ نے انسان کی بصیرت کو کچلا دیا ہے اور انسان اس حقیقت کے ادراک سے عاجز ہو کر مادیت اور واقعیت کے تنگ دائرے میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

ہر چند کہ مغرب کے اقتصادی نقطۂ ہائے نظر میں اختلاف ہے مگر وہ مارکس کی اس مادہ پرستانہ رائے سے پوری طرح اتفاق رکھتے ہیں کہ "اس دنیا کی حقیقت صرف اس کی مادیت میں منحصر ہے" اور انسان کی زندگی تمام تر ایک مادی زندگی ہے[2]

جب کہ اسلام انسان کی تمام صلاحیتوں کا اعتراف کرتا اور انہیں غذا فراہم کرتا ہے اور اسلام

---

[1] ابتدائی نظر میں یہ تین عنوانات — واقعیت اور خیال، حسیت اور معنویت اور محسوس امور پر یقین اور مغیبات پر ایمان — یکساں مفہوم کے حامل معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں فرق ہے جو قارئین کرام ان کی تفصیل سے محسوس کریں گے۔

[2] ملاحظہ کیجیے الانسان بین المادیۃ والاسلام اور معرکۃ التقالید — ان میں سے پہلی کتاب کا راقم الحروف کا ترجمہ "اسلام اور جدید مادی افکار" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (س۔ صدیقی)

انسان کی محسوسات پر یقین رکھنے کی صلاحیت کا اعتراف بھی کرتا ہے اور اسے غذا فراہم کرتا ہے اور اسے دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے سامنے پھیلی ہوئی مادی کائنات کو اپنے احساسات کی گرفت میں لائے، اس سے تجربات حاصل کرے اور اس کے اندر چھپے ہوئے قوتوں کے خزانے کو استعمال کرے۔

ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ علم تجربی (سائنس) مغربی تہذیب کی ایجاد نہیں ہے بلکہ بقول پروفیسر ایچ آر گب جدید تجربی اسکول مسلمان محققین کے ہاتھوں یوروپ منتقل ہوا ہے اور مسلمان سائنس دانوں کے طفیل ہی جدید سائنس کے ظہور پذیر ہونے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

غرض مسلمان دانشور اپنی دینی ہدایات کے مطابق مادی کائنات اور انسان کی مادی قوتوں پر یقین رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہایت باریک بینی سے کائنات کی باریکیوں کا مشاہدہ کر کے اس کے قوانین اخذ کیے اور اس میں پنہاں قوتوں کو کام میں لائے اور صحیح معنی میں انسانیت کے لیے مفید علوم ایجاد کیے۔ مثلاً مسلمانوں نے طب کے میدان میں بے انتہا ترقیات حاصل کیں، اور اٹھارہویں صدی تک طب عربی مغرب کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہی اور بصارت کے بارے میں ابن الہثیم کے نظریات انیسویں صدی تک مغرب میں شامل درس رہے۔ اور کیمیا کا لفظ جو یوروپی زبانوں میں موجود ہے عربی ہے اور اسی طرح فلکیات سے متعلق بیشتر الفاظ عربی ہیں۔

## اسلام اور انسانی محسوسات

اسلام نے انسانی احساسات کو متوجہ کیا ہے کہ وہ مادی دنیا کے محسوسات کو محسوس کریں اور اللہ سبحانہ کی قدرت اور اس کی تخلیق کا مشاہدہ کر کے اس کی ذات سے تعلق قائم کریں اور اپنے نفس کی تربیت کریں اور اس تربیت نفس کے لیے قرآن نے بینائی، شنوائی اور ذوق کی قوتوں کو متوجہ فرمایا ہے۔ چنانچہ بصارت سے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔

(الرعد: ۲)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں"

اَفَلَا يَنظُرُونَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ

(الغاشیہ: ۱۷، ۲۰)

"تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی؟"

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ۔ (النور: ۴۳)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے، پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں"

اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ۔ (الانعام: ۹۹)

"پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو"

قوت سمع کو اس طرح متوجہ کیا جاتا ہے۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ۔ (الرعد: ۱۳)

"بادلوں کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے"

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ۔

(البقرہ: ۱۹)

"یا پھر ان کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ اندھیری گھٹا اور کڑک اور چمک بھی ہے"

بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ۔ (الحاقہ: ۶)

"اور عاد ایک بڑی شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیئے گئے۔"

اور قوت ذائقہ کو اس طرح متوجہ کیا ہے۔

صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۔ (الرعد: ۴)

"جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دُہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے، مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر۔"

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۔ (النحل: ۶۶)

"ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں، یعنی خالص دودھ، جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔"

غرض اسلام ہر حاسۂ جسم کو متنبہ کرتا ہے اور اسے تدبیرِ معاش کے راستے سمجھاتا ہے اور اسے متوجہ کرتا ہے کہ وہ انسانی مفاد سے متعلق مادی قوتوں کو حاصل کرے اور کائنات میں موجود اللہ کی نشانیوں پر غور کرے اور اللہ سبحانہٗ کے معجزۂ تخلیق کا مشاہدہ کرے ـــــ ان امور کے پیش نظر دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اسلام مادی موجودات اور محسوسات کی جانب متوجہ کرتا ہے اس قدر کوئی دنیاوی مادی نظریہ بھی متوجہ نہیں کرتا۔

جب کہ مغربی مادیت اسی قریبی حقیقت یعنی محسوسات پر یقین پر ٹھٹھر کر رہ گئی اور اس نے "روح" کے وجود کا انکار کر دیا اس لیے کہ روح کو نہ آنکھ دیکھتی ہے نہ کان سنتا ہے اور نہ اسے چکھ کر یا چھو کر معلوم کیا جا سکتا ہے اور مغربی مادیت نے اللہ کا بھی انکار کر دیا کہ "ذات الٰہی تو نگاہ کی رسائی سے ماوراء ہے۔" اور ذات باری حواس کی گرفت سے باہر ہے اور جو شئے حواس کی گرفت سے باہر ہو وہ اُن کے نقطۂ نظر کے مطابق موجود نہیں ہوتی۔

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۔ (الکہف: ۵)

"بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ محض جھوٹ بکتے ہیں۔"

## جدید جاہلیت: گرفتار لعنت

جدید جاہلیت ایک ایسی بدترین لعنت میں گرفتار ہے کہ تاریخ انسانیت کی کوئی جاہلیت اس قدر بدترین لعنت میں گرفتار نہ ہوئی ہوگی۔ اس لیے کہ قدیم جاہلیتیں تو پسماندگی اور ناواقفیت اور بدعقلی کا شکار تھیں مگر آج کی جدید جاہلیت تو علوم و فنون سے آراستہ، ترقی کی معمار اور عقل و دانش کی علم بردار ہے ... لیکن حقیقت یہ ہے کہ

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ۔ (الروم: ۷)

"لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں۔"

روح پر عدم ایمان اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہ ہونے کی بناء پر مغرب پستیوں کی لامتناہی گہرائیوں میں گر چکا ہے اور اخلاق و سیاست اور زندگی کے ہر شعبے میں مکمل طور پر حیوان بن چکا ہے اور مادیت اور اباحیت نے انسانیت کا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔ انسانیت کی پستی کا عالم یہ ہے کہ ہر جگہ انسان دوسرے انسان کا گلا کاٹ رہا ہے اور چوتھائی صدی میں دو جنگیں ہو چکی ہیں اور تیسری مکمل تباہی کا منہ کھولے سر پر آن کھڑی ہے، ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، انسان خواہشوں اور لذتوں پر مرمٹا ہے اور دنیا کی لذتوں کی حرص و آز نے ایک دائمی قلق اور غیر متناہی اضطراب پیدا کر دیا ہے اور ایسی کشمکش اور کشاکش کو جنم دے دیا ہے جو اعصاب کو تباہ کر رہی ہے اور انسانی وجود کے لیے مہلک ثابت ہو رہی ہے ___ اور یہ دراصل اللہ پر اور آخرت پر عدم ایمان، روح کے وجود سے انکار اور مغیبات پر یقین نہ رکھنے کے نتائج ہیں!

اسلام تو دینِ فطرت ہے اس لیے اس نے اس لغزش کا سدباب کر دیا ہے اور غیب پر ایمان کو مومنین کی اولین صفت قرار دیا ہے، اس لیے کہ خود اللہ سبحانہٗ کی ذات باعتبار حواس غیب ہے اگرچہ روح اللہ سبحانہٗ کے وجود کا ادراک کر لیتی اور پوری طرح

اس کے وجود سے آشنا ہو کر اس ذات باری سے تعلق قائم کرلیتی ہے!

الٓمّٓ - ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

(البقرہ: ۱-۳)

"الف، لام، میم - یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

## قرآن میں شیطان کا ذکر

قرآن نے ایمان بالغیب کو اساسیات ایمان میں سے قرار دیا ہے اور اسے حیات انسانی کی بنیاد بتایا ہے اس لیے کہ جب تک ایمان نہ ہو انسان کی زندگی مستقیم نہیں ہو سکتی، جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ عدم ایمان کی بنا پر اس مغربی جاہلیت میں انسان کی زندگی کس قدر غیر مستقیم اور ناہموار ہو چکی ہے۔

باوجودیکہ وجود الٰہی پر اور آخرت پر ایمان اسلام کے اساسی عقائد میں سے ہے اور انسان کی دنیا اور آخرت کی درستی کے لیے یہ عقیدہ ناگزیر ہے مگر اسلام نے ایمان بالغیب کے معاملے میں صرف اسی عقیدے پر اقتصار نہیں کیا ہے بلکہ فرشتوں، جنوں اور شیطان کے ذکر سے اس ایمان بالغیب کی صلاحیت کو مزید تقویت بہم پہنچائی ہے، اور شیطان کے وجود کی قرآن نے تفصیل سے وضاحت کر کے اس کے شر سے ڈرایا ہے اور بتایا ہے کہ

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ - (الاعراف: ۲۷)

"وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔"

اور بتایا ہے کہ شیطان ازل سے ہی بنی نوع آدم کا دشمن ہے اور وہ مسلسل اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ انسانوں کو راہ حق سے بہکا دے اور انہیں جنت میں لے جانے والی صراط مستقیم سے بھٹکا کر جہنم کی

راہ پر لگا دے۔

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (الانفال: ۴۸)

"ذرا خیال کرو اس وقت کا جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا، اور کہنے لگا میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے، اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔"

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (ابراهیم: ۲۲)

"اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تم کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک

بنا رکھا تھا، میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے۔"

## قرآن میں جنّوں کا ذکر

ان آیات سے معلوم ہوا کہ درحقیقت شیطان اہم کردار ادا کرتا ہے کہ اس کے وجود کی بنا پر انسانیت شر کی قوتوں سے مقابلے اور مزاحمت کے لیے تیار ہو جاتی ہے اور اس طرح نفوس انسانی کی اصلاح ہوتی اور حیات انسانی سنور جاتی ہے۔ جب کہ جنوں کا کردار شیطان سے مختلف ہے جیسا کہ سورۂ احقاف میں اجمالی اشارہ اور سورۂ جن میں بالتفصیل تذکرہ موجود ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا
سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ
نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا وَّاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً
وَّلَا وَلَدًا وَّاَنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا وَّاَنَّا
ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا وَّاَنَّهُ
کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ
رَهَقًا وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا وَّاَنَّا
لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ
شُهُبًا وَّاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ
یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی
الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ
وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ
فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓی اٰمَنَّا
بِهٖ فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا وَّاَنَّا
مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِکَ

تَحَرَّوْا رَشَدًا وَ اَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاءً غَدَقًا۔ (الجن: ۱-۱۶)

"اے نبیؐ، کہو، میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنّوں کے ایک گروہ نے غور سے سُنا، پھر (جاکر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا، ہم نے ایک بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اب ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے، اس نے کسی کو بیوی یا بیٹا نہیں بنایا ہے، اور یہ کہ ہمارے نادان لوگ اللہ کے بارے میں بہت خلافِ حق باتیں کہتے رہے ہیں اور یہ کہ ہم نے سمجھا تھا کہ انسان اور جن خدا کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنّوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنّوں کا غرور اور بڑھا دیا، اور یہ کہ انسانوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا تمہارا گمان تھا کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر نہ بھیجے گا اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ پہرے داروں سے پٹا پڑا ہے اور شہابوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور یہ کہ ہم پہلے سُن گن لینے کیلیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پالیتے تھے، مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے گھات میں شہاب ثاقب لگا ہوا پاتا ہے، اور یہ کہ ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آیا زمین والوں کے ساتھ کوئی بُرا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب انہیں راہِ راست دکھانا چاہتا ہے اور یہ کہ ہم لوگوں میں سے کچھ صالح ہیں اور کچھ اس سے فروتر ہیں، ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور یہ کہ ہم سمجھتے تھے کہ نہ زمین میں ہم اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں، اور یہ کہ ہم نے جب ہدایت کی تعلیم سُنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، اب جو کوئی بھی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا اسے کسی حق تلفی یا ظلم کا خوف نہ ہوگا، اور یہ کہ ہم میں سے کچھ مسلم (اللہ کے اطاعت گزار) ہیں اور کچھ حق سے منحرف۔ تو جنہوں نے اسلام (اطاعت کا راستہ) اختیار کر لیا، انہوں نے نجات کی

راہ ڈھونڈلی اور جو حق سے منحرف ہیں وہ جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔ اور (اے نبیؐ کہو، مجھ پر یہ وحی بھی کی گئی ہے کہ) لوگ اگر راہ راست پر ثابت قدمی سے چلتے تو ہم انہیں خوب سیراب کرتے۔"

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ (الاحقاف: ۲۹)

"(اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے) جب ہم جنوں کے ایک گروہ کو تمہاری طرف لے آئے تھے تاکہ قرآن سنیں۔ جب وہ اس جگہ پہنچے (جہاں تم قرآن پڑھ رہے تھے) تو انہوں نے آپس میں کہا، خاموش ہو جاؤ پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے۔ انہوں نے جا کر کہا، اے ہماری قوم کے لوگو، ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی، راہنمائی کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف۔"

## مغیبات پر ایمان انسانی فطرت ہے

اسلام دین فطرت ہے اس لیے وہ ہر چھوٹے بڑے فطری طریقے کو اختیار کرتا ہے چونکہ مغیبات پر ایمان انسان کی فطرت ہے اس لیے اسلام اس راستے سے اپنے عقیدہ کو نفس انسانی میں جاگزیں کرتا ہے اور اس فطرت کو بیدار کرے اس کا دائرۂ اثر بڑھاتا ہے اور اسے وسعت عطا کرتا ہے اور اسی مقصد کے لیے قرآن کریم نے جنوں کا ذکر کیا ہے تاکہ اس ذکر سے انسانی فطرت کے مغیبات پر ایمان کے پہلو کو تقویت ملے اور یہ زیادہ مؤثر ہو جائے۔

اوپر جن دو مقامات پر جنوں کا ذکر آیا ہے، وہ آیات درج ہو چکی ہیں اور ان کے علاوہ حضرت سلیمانؑ کے واقع میں اور جستہ جستہ اور کئی مقامات پر جنوں کا ذکر آیا ہے۔ مگر اس تذکرے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان جنوں کے بارے میں تفصیلی بحثوں میں الجھ جائیں

اوران کی تعداد اوران کے اخلاق و عادات پر تحقیق کرنے لگیں اور یہ تفتیش کرنے لگیں کہ جنوں سے انسانوں کے رابطہ کی کیا صورت ہے اور انسان کس طرح انہیں اپنا تابع فرمان بنا سکتے ہیں اور یہ کہ جن کس قدر قوت و طاقت کے مالک ہیں ـــــ جیسا کہ مسلمان اپنی تاریخ کے فرصت کے اوقات میں ان بحثوں میں الجھ چکے ہیں۔

دراصل جنوں کا ذکر مقصد انسانی نفس میں وسعت پیدا کرنا ہے تاکہ انسان احساسات کے تنگ دائروں سے نکل کر زیادہ وسیع اور زیادہ مکمل کائنات کا تصور کر سکے، کیونکہ کائنات میں جو خدا کی نشانیاں بکھری ہوئی ہیں انسان اپنے حواس سے ان کا ادراک نہیں کر سکتا لیکن بہر حال یہ آیات موجود ہیں اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت انسان اپنی نگاہ بصیرت سے ان کا ادراک کرے اور یہ ادراک اسے ایمان کی جانب لے جائے۔

مزید یہ کہ قرآن میں جنوں کا ذکر بے مقصد نہیں ہے بلکہ اس تذکرے کا اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی جملہ مخلوقات اس پر ایمان رکھتی ہیں، اور اس کی تسبیح کرتی ہیں اور اسے پکارتی ہیں، سوائے ان گمراہوں کے جن کا ابدی ٹھکانہ جہنم بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحقاف میں جنوں کے ایمان لانے اور دعوتِ اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے اور ان کے عقیدۂ توحید پر ایمان لانے کو بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ شیطان نے ایمان کے بجائے کفر اور سرکشی اور بغاوت کی راہ اختیار کی، اور اپنے ساتھ بہت سے انسانوں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ملائکہ بھی اللہ سبحانہ کی مخلوق ہیں، اور اللہ سبحانہ کی قدرت تخلیق کا مظہر ہیں۔ اسی لیے فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (فاطر: ۱)

"تعریف اللہ ہی کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے (ایسے فرشتے) جن کے دو دو تین تین اور چار چار بازو ہیں، وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

یہی فرشتے اللہ کے بندوں پر وحی الٰہی لے کر آتے ہیں۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ

(الشعراء: ۱۹۳،۱۹۴)

"اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق کو) متنبہ کرنے والے ہیں۔"

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ۔ (غافر: ۱۵)

"اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح نازل کر دیتا ہے، تاکہ وہ ملاقات کے دن سے خبردار کر دے۔"

فرشتگان ہمیشہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔ (التحریم: ۶)

"جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

یہ فرشتے مومنین کے لیے استغفار بھی کرتے ہیں۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ۔ (غافر: ۷)

"عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں، وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پس معاف کر دے اور عذاب دوزخ سے بچالے، ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرا راستہ" (تفہیم القرآن)

فرشتوں کا یہ خالص اور بے لوث ایمان اُن کی پاکیزگی اور رفعت ظاہر کرتا ہے اور مومنوں کے دلوں میں ان کے لیے جذبات محبت پیدا کرتا ہے۔ غرض اسلام ان مغیبات کا ذکر کر کے انسان کی قوت ایمانی کو تازہ کرتا اور اسکے وجود کو کمال عطا کرتا ہے۔

باب سیزدہم

# انفرادیت اور اجتماعیت

انسان جن دوگانہ خصوصیات کا حامل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادیت کا بھی احساس رکھتا ہے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق رکھنے اور ان کے ساتھ مل جل کر رہنے کی خواہش بھی رکھتا ہے اور یہ انسان کی ایک ایسی خصوصیت اور انسانی وجود کا ایک ایسا مظہر ہے جو انسانی زندگی پر بہت گہرائی کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے اس لیے کہ درحقیقت معاشرے کا وجود انسان کی اسی دوگانہ خصوصیت میں ہم آہنگی کی بنیاد پر قائم ہے اور انسان کے متعدد خود ساختہ نظامات اور فلسفہ ہائے معاشرت اسی خصوصیت کے ہر دو پہلوؤں کے درمیان عدم توافق کی بنا پر ناکام ہوئے ہیں کہ کہیں انسان کے انفرادیت کے پہلو کو اس قدر اہمیت دے دی گئی کہ اس کے نتیجے میں قابل نفرت "انانیت"، ابھر آئی، سماجی روابط ٹوٹ پھوٹ گئے اور معاشرتی توانائی اور انسانی ربط باہم کی قوت مفلوج ہو کر رہ گئی۔ اور کہیں انسان کے اجتماعی پہلو کو اس قدر ترجیح دی گئی کہ اجتماعیت کی بڑھی ہوئی قوت نے انفرادیت کو کچل ڈالا اور سماج کے سامنے فرد ایک بے حیثیت ذرہ ہو کر رہ گیا!

## سرمایہ داری اور اشتراکیت

یہ اسی غلط روش کا نتیجہ ہے کہ آج کی دنیا پر ہمیں دو باہم متصادم اور برسر پیکار نظریات مسلط نظر آتے ہیں۔ ایک طرف مغرب کا نظام سرمایہ داری ہے جو فرد کی انفرادیت پر قائم ہے۔ اس نظام میں فرد کو بڑی وسیع آزادی عطا کی گئی ہے اور اس کو اس قدر حریت بخش دی گئی ہے کہ وہ چاہے تو دوسروں کی تکلیف دہی کا باعث بن سکتا ہے اور جس طرح چاہے بے روک ٹوک اپنی خواہشوں کو عملی جامہ پہنا

سکتا ہے اور اپنی آرزوؤں کو شرمندۂ تعبیر کر سکتا ہے، وہ ہر اخلاق کو پامال کر سکتا ہے، اور ہر روایت کو ٹھکرا سکتا ہے اور وہ اس امر کا پابند نہیں ہے کہ وہ کسی کے حقوق کا خیال رکھے اور دوسروں کی رعایت سے اپنے تصرفات پر کنٹرول کرے۔ وہ اپنے مال سے دوسروں کو لوٹ سکتا ہے، ان کی محنتوں کا استحصال کر سکتا ہے اور ان کا خون نچوڑ کر اپنی تجوریاں بھر سکتا ہے اور ہر بے راہ روی اختیار کر سکتا ہے اور ہر لذتِ گناہ سے لطف اندوز ہو سکتا ہے اور اپنی اس روش سے معاشرے کی سیاست اور حکومت میں فساد پھیلا سکتا ہے اور زندگی کے بارے میں لوگوں کے تصور میں بگاڑ پیدا کر سکتا ہے ــــ اور وہ یہ سب کچھ اس لیے کر سکتا ہے کہ اسے شخصی اور انفرادی آزادی حاصل ہے اور اس کی اس آزادی پر کوئی قدغن لگانے والا نہیں ہے۔

دوسری جانب مشرق میں اشتراکیت ہے جو اجتماعیت کے نظریے پر قائم ہے، اس نظام میں اجتماعیت کا یا بالفاظ دیگر ریاست کا دائرۂ اثر اس قدر وسیع ہے کہ اس میں فرد کی ہر فکر و عمل پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں اور ان کو کوئی اجازت نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ غلیظ و ناپاک حسی لذتوں کے ذریعے اپنی گھٹی ہوئی قوتوں کی نکاسی کرتے رہیں ــ لیکن جہاں تک معاشرتی سیاست یا حکومتی انتظام کا تعلق ہے تو وہ افراد کے لیے شجرِ ممنوعہ ہے۔ اور یہ ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں کو جس نظم میں باندھنا چاہے باندھ دے، اور ریاست کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کے اعمال متعین کرے، ان کی رہائش کی جگہ کا تعین کرے اور حتیٰ کہ ان کے افکار، مشاعر اور ان کے طریقۂ احساس کو بھی متعین کرے۔ اور یہ ریاست کا حق ہے کہ وہ ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے ذریعے لوگوں پر حکمرانی کرے، لوگوں کے گھروں میں ان کی جاسوسی کرے اور جو کوئی بھی حکومت وقت پر تنقید کی جسارت کرے اسے تطہیر کے شکنجے میں کس دے اور دم مارنے کی اجازت نہ دے۔ اس لیے کہ حکومت پر تنقید دراصل ایک ناروا بورژوائی حرکت ہے جس کی مقدس اجتماعیت بے حقیقت

اور بے وزن فرد کو ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ "انفرادیت" اور "اجتماعیت" کے یہ دونوں ہی فلسفے ایک بدیہی اور کھلی حقیقت سے ناآشنا ہیں اور ان کی ساری خرابی کی اصل بنیاد یہی ہے کہ یہ دونوں ہی فلسفے حقیقت سے گریزاں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ فلسفۂ انفرادیت میں یہ تصور کر لیا گیا ہے کہ انسان میں جبلی طور پر جذبۂ انفرادیت موجود ہے، اور چونکہ انفرادیت جبلت کے طور پر موجود ہے اس لیے سماج ایک خارجی امر ہے جو اس پر باہر سے مسلّط کر دیا گیا ہے جس میں نہ صرف یہ کہ فرد کے ارادے کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ اجتماعیت فرد کے وجود کے لیے تباہ کن ہے اس لیے لازماً فرد کو اجتماعیت سے برسرِ پیکار ہونا چاہیے اور معاشرتی بندھنوں کو توڑ ڈالنا اس کا حق ہونا چاہیے! جب کہ فلسفۂ اجتماعیت میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اصل شئے اجتماعیت ہے اس لیے کہ انسان ناتواں اور کمزور بچے کی صورت میں وجود میں آتا ہے اور اسے زندہ رہنے اور نشوونما پانے کے لیے معاشرے کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے اور اگر معاشرہ موجود نہ ہو تو یہ بچہ پرورش نہیں پا سکتا، بعد ازاں انسان ہر ہر قدم پر دیگر بنی نوع انسان اور ان کے اجتماع کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ اجتماعیت ہی اصل ہے اور یہی انسان کے لیے ناگزیر ہے اور اس اجتماعیت کے تحفظ کے لیے انفرادیت کو روند ڈالنا اور فرد کے وجود کو مٹا ڈالنا بالکل درست اور صحیح ہے۔

## اصل حقیقت

بات دراصل یہ ہے کہ یہ دونوں فلسفے اس حقیقت سے ناآشنا ہیں ـــــ یا انہوں نے اس حقیقت کو ملحوظ نہیں رکھا ہے کہ انسان متعدد ایسی دوگانہ خصوصیات کا حامل ہے جو نظرِ ظاہر بیں کو باہم متضاد نظر آتی ہیں مگر فی الواقع وہ متضاد نہیں ہیں بلکہ وہ ہر خصوصیت کے دونوں پہلو باہم ایک توافق اور ہم آہنگی کی کیفیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ محبت و نفرت ۔ بیم و رجا ۔ سلبیت و ایجابیت ۔ حسیت و معنویت ۔ اور موجودات پر یقین اور موجودات سے ماوراء پر یقین ۔ انسان کی ایسی دوگانہ خصوصیات

ہیں جن کے ہر دو پہلو باہم متصادم اور متضاد نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ان کے توافق اور ارتباط ہی انسان کا وجود تشکیل پاتا ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ خصوصیات ہر دو پہلوؤں کے ساتھ موجود ہیں اور جب ان میں سے کوئی پہلو مقررہ نسبت سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو وہ دوسرے پہلو کو دبانا شروع کر دیتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے انسان کے نفس میں اضطراب اور کشمکش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور پھر یہی اضطراب معاشرے میں سرایت کر جاتا ہے۔ لیکن اگر ہر خصوصیت کے ہر دو پہلو متوازن اور معتدل رہیں تو نفس کے اندر اضطراب رونما ہو اور نہ اس اضطراب سے معاشرہ متأثر ہو، اور نہ فرد اور اجتماع میں نفرت پیدا ہو۔ ہر چند کہ یہ ایک دشوار مرحلہ ہے مگر ناممکن نہیں ہے اور انسان کی زندگی میں تو ہر مرحلہ ہی مرحلۂ دشوار ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ۔ (البلد: ۴)

"درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔"

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ۔

(الانشقاق: ۶)

"اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔"

انسان کی مشقت اور کاوش تو ہر شئے میں ہے، فکر و شعور سے لے کر حرکت و عمل تک ہر شئے میں کاوش ہے اور ہر شئے جہد مسلسل کی متقاضی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ایک کاوش مقصود تک پہنچانے والی ہے اور دوسری جد و جہد رائگاں ہو جانے والی ہے۔ ایک بامقصد اور مبنی بر ہدایت ہے اور دوسری بے مقصد اور گمراہی پر مشتمل ہے، ایک سے دنیا بنتی اور آخرت سنورتی ہے اور دوسری سے دنیا کی زندگی تباہ اور آخرت کی زندگی برباد ہو جاتی ہے!۔

## انفرادیت اور اجتماعیت میں ہم آہنگی

اسلام انفرادیت اور اجتماعیت کے ان فطری میلانات میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ دونوں میلانات نہ صرف یہ کہ انسان کی فطرت میں داخل ہیں بلکہ ان دونوں کی تربیت

اور استقامت بھی ناگزیر ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے وہ اس امر کو ملحوظ رکھتا ہے کہ انسان میں انفرادیت اور اجتماعیت کے ہر دو رجحانات موجود ہیں، اور وہ ان دونوں رجحانات کے مابین اس طرح پلٹے کھاتا رہتا ہے جس طرح ایک خوابیدہ شخص کروٹیں بدلتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام انسان کے ان دونوں میلانات کو غذا فراہم کرتا اور ان میں ارتباط اور توافق پیدا کرتا اور ان دونوں میں استقامت تخلیق کرتا ہے۔

اگر انسان اس طرح اجتماعیت کے دیوتا کی بھینٹ چڑھ جائے کہ اس کی ذات کا وجود ختم اور اس کی شخصیت منعدم ہوجائے تو وہ ایک ایسے سماج کو وجود دے گا جو پست اور کمزور ہو اور جس پر ایک سخت گیر اور جابر آمر مسلط ہو، اور جب بھی وہ آمر ہٹے معاشرہ تزلزل اور ابتری سے دوچار ہوجائے۔

اور اگر انسان کی ذات اور شخصیت اس قدر نمایاں ہوجائے کہ وہ سرکش بن جائے تو وہ نہ تو خود سماج کا ایک فرد بن کر رہ سکتا ہے بلکہ ایسے افراد سماج کی ٹوٹ پھوٹ کا سبب بن جائیں گے۔

اس لیے ضروری ہے کہ "انسان" متوازن ہو اور اس کی انفرادیت اور اس کی اجتماعیت میں اعتدال اور ہم آہنگی ہو، اور معاشرے کے تمام افراد کا شخصی وجود مستحکم ہو اور وہ جماعتی سطح پر ایک دوسرے سے اس طرح تعاون کرتے ہوں، جیسے وہ سب ایک ہی عمارت کے پتھر ہوں۔ اور یہی وہ سماج ہے جسے اسلام تشکیل کرتا ہے۔ اور اس کے لیے مختلف ذرائع اور طریقے اختیار کرتا ہے۔

اسلام قلبِ انسانی کا خالقِ انسان — اللہ سبحانہٗ سے تعلق قائم کرکے اس کی انفرادیت کو نمار دیتا، اس کی شخصیت کی تکمیل کرتا اور اس کے مثبت وجود کو توانائی بخشتا ہے، اور خدا بندے کا دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والا یہ تعلق انفرادی شخصیت کی نشوونما کرتا ہے۔

مومن کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جن میں وہ کائنات کی ہر شئے کو فراموش کر دیتا ہے اور وجودِ الٰہی کے سوا اور کچھ اس کے پیشِ نظر نہیں رہتا اور ان گہرے استغراق کے لمحات

میں اس کا دل نورِ خالق سے منور ہو جاتا ہے اور اسے کائنات میں اپنا مثبت انفرادی کردار ادا کرنے کی توانائی میسر آجاتی ہے اور اسے ہر حادثے ہر واقعے اور ہر موقعے سے نمٹنے کی زبردست قوت مل جاتی ہے۔ اسے یہ ادراک حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کے وجود کو اللہ نے کس قدر قوت اور توانائی عطا فرمائی ہے اور وہ کس قدر مختار اور با ارادہ مخلوق ہے چنانچہ نہ وہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھکتا ہے نہ کسی انسان سے مغلوب ہوتا ہے اور نہ کسی مادی قوت اور مادی قدر کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس جو نورِ الٰہی کی قوت ہے وہ ان مادی قوتوں سے کہیں زیادہ ہے اور ان پر فتحیاب ہو جانے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آمریتیں مذہب کو ناپسند کرتی ہیں کیونکہ ایک جانب تو یہ آمریتیں "قوت ایمانی" کی مزاحمت کرنے کے قابل نہیں ہوتی اور دوسری جانب ایمانی قوت ہر طاغوت کا سر کچل دیتی اور ہر آمریت کو ملیا میٹ کر دیتی ہے اس لیے کہ ایمانی قوت کے سامنے ہر دم یہ اصول رہتا ہے کہ۔

"جو منکر تمہیں نظر آئے اسے مٹا دو"

غرض انسان کا اللہ سے ربط و تعلق اسے ایک زبردست قوت عطا کرتا اور اسے بہت زیادہ توانائی بخشتا ہے اور اس کی انفرادی اور ذاتی قوت اس قدر ابھر آتی ہے کہ وہ سماج کے تجر زنگار میں دریا برد نہیں ہو سکتا۔

اللہ سے ربط و تعلق کے علاوہ اسلام میں انفرادی مسئولیت (Personal Responsibility) کا تعلق بھی انفرادیت کو نشوونما دیتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ۔ (فاطر: ۱۸)

"کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا"

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۔ (المدثر: ۳۸)

"ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے"

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا ۔ (البقرہ: ۴۸)

"اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا"

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ۔ (القیامہ: ۱۴-۱۵)

"بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔"

ان آیات سے علم ہوا کہ اسلام کی نظر میں ہر فرد اپنے اعمال کا ذمے دار اور ان پر جواب دہ ہے، وہ نہ تو اپنے اعمال کی ذمے داری اور جواب دہی دوسرے فرد کی جانب منتقل کر سکتا ہے اور نہ دوسرے کسی فرد کا بوجھ خود اٹھا سکتا ہے ۔ اس انفرادی مسئولیت کا احساس فی الحقیقت شعور انسان کے وجود میں اس کی انفرادیت کو ابھارتا اور جلا بخشتا ہے۔

## تعلق باللہ اور اسلامی اخوت

اسلام اِن دو طریقوں سے انسان کی انفرادیت کو نشوونما عطا کرتا اور اسے جلا دیتا ہے مگر ربط الٰہی اور تعلق باللہ سے انسان میں جو شفافیت اور نورانیت پیدا ہوتی ہے وہ انسان کے دل میں اپنے بھائی کے لیے گداز پیدا کر دیتی ہے اور انسان کے دل میں اپنے بھائیوں سے محبت کا جذبہ ابھار دیتی ہے۔ اور انسان محبت ایثار اور قربانی کی آخری حدوں کو چھونے لگتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (الحشر: ۹)

"جو لوگ مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دار الہجرت میں مقیم تھے یہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔"

دراصل انسان کی انسان سے محبت ہی وہ حقیقی عامل ہے جو ربط باہم پیدا کرتا اور انسان اجتماع کو وجود بخشتا ہے اور اسی محبت انسان کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ ایک قلعہ کی طرح مضبوط بن جاتا ہے اور افراد اس کے اندر پتھروں کی طرح پیوست رہتے ہیں۔

یہی وہ رشتۂ محبت و اخوت تھا جس کی اساس پر اولین اسلامی معاشرہ قائم ہوا تھا، جس کا ہر فرد اپنی مستقل شخصیت کے حامل ہونے کے باوجود اور ہر ایک اپنے جداگانہ کارناموں کے باوجود ایک ایسا معاشرہ تشکیل پایا تھا جو پوری طرح مربوط پیوست اور مضبوط تھا، اور جذبہ محبت و ایثار اور قربانی نے گویا شخصیت کے دائروں کو مٹا کر سب کو سمیٹ کر ایک اسلامی وجود ایک اسلامی تشخص عطا کر دیا تھا اور ایک اسلامی سماج میں ڈھال دیا تھا۔ اور قرآن نے اس جماعت کی تعاون، مشاورت اور اتفاق کے اصولوں پر تربیت فرمائی۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ: ۲)

"جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔"

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا۔ (آل عمران: ۱۰۳)

"اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔"

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ (التوبہ:)

"مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔"

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ (الفتح: ۲۹)

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر

سخت اور آپس میں رحیم ہیں "

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۔ (الشوریٰ : ۳۸)

" وہ اپنے معاملات آپس کے شوریٰ سے چلاتے ہیں "

نیز قرآن کریم نے اس اسلامی معاشرے کو اجتماعی راہنمائی بھی عطا کی اور ایسی اجتماعی ذمے داریاں بھی سپرد کیں جو درحقیقت انفرادی ذمے داریاں بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (اٰل عمران : ۱۱۰)

" اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو "

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (المجادلہ : ۲۲)

" تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے، وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے وہ اللہ

کی پارٹی کے لوگ ہیں، خبردار رہو اللہ کی پارٹی کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً۔

(الانفال: ۲۵)

"اور بچو اس فتنہ سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ۔

(التوبہ: ۱۲۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جنگ کرو ان منکرین حق سے جو تمہارے پاس ہیں۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ۔ (محمد: ۷)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔ (الحجرات: ۶)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ۔ (الصف: ۱۰-۱۱)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچا دے، ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔"

نظریہ اسلامی طبعاً اس امر کا متقاضی ہے کہ ایک ایسی باہمی کفالت کی حامل جماعت موجود ہو جو جملہ اجتماعی ذمے داریوں کو پورا کرے، اور ایک ایسا معاشرہ موجود ہو جس میں ابھرتی ہوئی نسلوں کی تربیت ہو سکے، انہیں اسلامی فضیلتوں سے آراستہ کیا جا سکے، انہیں اسلامی آداب کی تعلیم دی جا سکے اور ان کو نظریہ اسلامی کا

حامل اور پیرو کار بنایا جا سکے۔ کیونکہ یہ ایسے امور ہیں جنہیں افراد تنہا انجام نہیں دے سکتے بلکہ ان کی تکمیل کے لیے اجتماعی جد وجہد ضروری ہے اور اجتماعی کاوشوں ہی سے یہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔[۱]

غرض اس طرح اسلامی جماعت کے عمل اور مقصد میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے اور جماعت کے افراد ربط الٰہی اور تعلق باللہ کی اساس پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے اور ایثار و قربانی سے پیش آتے ہیں۔ اور ایک ایسا سماجی نظام وجود میں آجاتا ہے جس میں انفرادیت اور اجتماعیت باہم ہم آہنگ ہو جاتے اور جملہ افراد کے مابین اخوت کے رشتے استوار ہو جاتے ہیں۔

## پابندی و بے قیدی

انسانی وجود میں دو ایسے متضاد وصف پائے جاتے ہیں کہ ان کے تضاد کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے کہ یہ دونوں بیک وقت ایک ہی نفس میں کس طرح موجود رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جذبات و میلانات کی دوئی (Ambivilence) انسانی وجود کی ایک عام خصوصیت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے اور اس میں روح پھونکی گئی ہے (یعنی انسان ایک مادی اور روحانی وجود ہے) اس حقیقت کے منکشف ہو جانے کے بعد یہ تضاد قابل تعجب نہیں رہتا بلکہ یہ امر قابل تعجب ہو جاتا ہے کہ اسلام نے کس طرح ان متضاد جذبات کو یکجا کر کے انہیں ایک مربوط نظام میں پیوست کر دیا ہے۔

انسان میں ایک جذبۂ پابندی موجود ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان بعض متعین اشیاء کا پابند ہو اور ان کو اپنے اوپر نافذ کرے اور اگر وہ خارجی پابندیوں سے آزاد ہو تو از خود اپنے اوپر کچھ قیود عائد کر لے۔ اور اگر ایسا نہ ہو

---

[۱] آئندہ ملاحظہ کیجیے "اسلامی معاشرہ"

تو مطلق بے قیدی (Anarchy) وجود میں آجائے جو درحقیقت انسانی طبیعت کے برخلاف ہے۔

انسانی طبیعت میں موجود پابندی کے اس گہرے میلان کے باوجود انسان میں ایک میلان بے قید ہونے کا بھی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ کچھ امور اپنی مرضی اور اپنے ارادے سے انجام دے اور اس پر کوئی پابندی اور قید نہ ہو۔

یہ دونوں فطری میلانات بڑی گہری تاثیر کے حامل ہیں اور نفسِ انسانی اور حیاتِ انسانی کو بہت متاثر کرتے ہیں ـــــ اور دراصل پابندی کا میلان ہی وہ اساس ہے جس پر حکومت قائم ہوئی اور مختلف انسانی نظام تشکیل پاتے ہیں اور ہر قسم کے اجتماعی اقتصادی اور سیاسی ادارے وجود میں آتے ہیں۔ یعنی یہ سب اس لیے وجود میں آتا ہے کہ انسان طبعاً اس بات کا خواہشمند ہے کہ ایک متعین نظام کی پابندی کرے اور ایک شخص کو منتخب کرے، یا ایسے ادارے کو تشکیل دے جو اس پر نگرانی کرے، اور اسی میلان کے نتیجے میں معاشرے کی اجتماعی صورت ظہور پذیر ہوتی ہے، ریاست کا وجود ابھرتا ہے اور ادارے تشکیل پاتے اور نظام حکمرانی وجود میں آتے ہیں۔

پابند ہونے کا یہ شعور ہی انسانی تخلیق کاری اور انسان کے مستقل پیش قدمی کرتے رہنے کی بنیاد ہے، اس لیے کہ انسان یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ ان پابندیوں سے آزاد ہو جائے اور یہ محسوس کرے کہ درحقیقت یہ پابندیاں اور قیود نہیں ہیں بلکہ اس کا ذاتی ارادہ ہے۔ اور یہ دونوں امور نفس میں اور معاشرے میں ایک تحریک پیدا کر دیتے ہیں۔

## ان خصوصیات کا انحراف

بہرحال نفسِ انسانی کی یہ دونوں مذکورہ بالا خصوصیات (Characteristics) فطری ہیں اور اگر ان کا عام اصولوں سے ربط ختم ہو جائے اور صحیح و غلط کا شعور مٹ جائے تو یہ بھی اسی طرح فطرت سے منحرف (Divert) ہو جاتی ہیں جس طرح نفسِ انسانی کی دیگر خصوصیات منحرف ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ انسان کا پابندی قبول کر لینے

نا میلان اور حدود و قیود کو برداشت کرنے کا جذبہ منحرف ہو کر کسی انسان کی، کسی نظام کی کسی عادت کی یا معاشرے کی کسی رسم اور روایت کی غلامی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور انسان اس صورت میں اپنے نفس کے میلانات اور اپنے جسم کی خواہشات کا تابع بن جاتا ہے اور پابندی سے آزاد ہونے کا ظاہری میلان خواہشوں کی غلامی اور لذتوں کی بندگی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ —— اور بسا اوقات ان دونوں میلانات کا انحراف بیک وقت رونما ہو جاتا ہے کہ ایک جانب انسان ریاست کے یا نظام کے یا کسی فرد کے غلام بنے ہوئے ہوتے ہیں اور دوسری جانب وہ اخلاقی قیود سے آزاد ہو کر شہوتوں کے غلام بنے ہوئے ہوتے ہیں — اور اسی طرح دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے مکمل غلامی اور مکمل حیوانیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اسلام نفس انسانی کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتا اور ان کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ جہاں انسان پر کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے تو ایک ایسی لازمی اور ضروری مقدار میں پابندیاں اور حدود و قیود متعین کرتا ہے جو انسانی معاشرے کے لیے انتہائی ناگزیر ہیں، اور ایسے احکام، ممنوعات، تعلیمات اور تنظیمات کا پابند بناتا ہے کہ جن کے بغیر انسانی سماج پنپ نہیں سکتا ..... مگر اسلام انسان پر حکومت و ریاست کی، حکمرانوں کی، سماج کی اور سماجی روایات کی پابندیاں عائد نہیں کرتا .... بلکہ اسلام نے انسان پر جو پابندیاں عائد کی ہیں وہ اللہ کی پابندیاں ہیں اور کسی بھی انسان کی پابندیاں نہیں ہیں۔ اسلام کے اس طریقۂ کار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ کی بندگی سے عبودیت سے اور غلامی سے بالکلیہ آزاد ہو جاتا ہے۔

## اسلام کا طریقۂ کار

اسلام انسان کے عدم پابندی کے میلان کو اس طرح بروئے کار لاتا ہے کہ نفس انسانی میں پہلے یہ جذبۂ شوق ابھارتا ہے کہ انسان جو کچھ بھی فرائض انجام دے رہا ہے اور جو ذمے داریاں بھی پوری کر رہا ہے وہ کسی ذاتی غرض کی تکمیل کے لیے نہیں کر رہا ہے بلکہ خالصتاً اللہ کے لیے کر رہا ہے جو ایمان کا ایک حقیقی ثمرہ ہے۔

لازمی اور ناگزیر پابندیاں عائد کرنے کے بعد اسلام انسان کو آزادی عطا فرماتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اور اپنے ارادے سے اپنی اور دیگر بنی نوعِ انسان کی فلاح وصلاح کے امور انجام دے تاکہ اس کے درجاتِ ایمانی اور تقرب الٰہی میں اضافہ ہو۔

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا۔ (الانعام: ۱۳۲)

"ہر شخص کا درجہ اس کے عمل کے لحاظ سے ہے"

اسلام نے انسان پر جو حدود عائد کی ہیں اور جو فرائض اس کے ذمے لگائے ہیں وہ بہت متنوع اور گوناگوں ہیں اور عبادات اور معاملات اور سیاست اور مالیات اور قوانین دیوانی فوجداری اور بین الاقوامی قوانین پر مشتمل ہیں — ظاہر ہے کہ عبادات کے علاوہ تمام پہلو وہی ہیں جو ہر قانون میں موجود ہوتے ہیں اور ان کے نفاذ کے لیے ہیئت مقتدرہ کی ضرورت ہے۔ بہرحال اسلام نے ان شعبوں میں جو عبادات کا اضافہ کیا ہے یہی اصل بنیادی فرق ہے اسلام میں اور دیگر نظام ہائے حیات میں۔ کیونکہ اسلام کے علاوہ دیگر نظام ہائے حیات انسان کے قلب کی اصلاح اور باطن کی درستگی کا کوئی نسخہ اپنے بیاض میں نہیں رکھتے، اور ان کی ساری جدوجہد کا خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا ظاہر اجلا ہو جائے خواہ اس کا مَن کتنا ہی گندا رہے اور اس کے باطن کی دنیا خواہ کتنی ہی آلودہ رہے، اور اس قسم کے ہر نظام کا، جس میں انسان کے ظاہر کی اصلاح ہی کو مدنظر رکھا گیا ہو، انجام یہ ہوتا ہے کہ اس نظام کے اصول و مبادی رفتہ رفتہ کمزور پڑتے جاتے ہیں اور اس کے اندر سے ہر انسانی خوبی ختم ہوتی جاتی ہے، اور معاشرے کے افراد کے مابین ارضی غنیمتوں کی لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو جاتا ہے، کشمکش حیات اور تنازع للبقا فروغ پا جاتے ہیں اور انسانی وجود کی دیواریں منہدم ہو جاتی اور اس کا وجود حیرانی و پریشانی اور اعصابی کھچاؤ میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو آج کے دور میں ایک وبائی بیماری کی طرح پوری انسانیت پر چھائی ہوئی ہے۔

بعدازاں اسلام ہر پابندی کی تکمیل کو عبادت قرار دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ
أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ
إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ
تَأْوِيلًا۔ (النساء: ۵۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

آیتِ مذکورہ بالا میں سب سے پہلے اللہ کے حکم اور اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہوا اور اس کے بعد میں اُولوالامر کی اطاعت کا حکم ہوا مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کی اطاعت درحقیقت اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق ہو، ورنہ بذاتِ خود اولوالامر قابلِ اتباع نہیں ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا
نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ۔ (المائدہ: ۳۸)

"اور چور خواہ عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا۔"

یہاں چور کی سزا کو اللہ کی طرف سے نکال (عبرت انگیز) سزا قرار دیا اور بتایا کہ اس عبرت انگیز سزا میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ قانون الٰہی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى
فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ
أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ۔ (البقرہ: ۲۸۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی مقرر مدت کے لیے تم آپس میں لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے وہ لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہے (یعنی قرض لینے والا) اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیے۔"

وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۲۸۲)

"معاملہ خواہ بڑا ہو چھوٹا میعاد کی تعیین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے۔"

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (البقرہ: ۲۸۲)

"اللہ کے غضب سے بچو، وہ تم کو صحیح طریقِ عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہو۔"

غرض اسلام میں ہر قانون ہر راہنمائی اور ہر ہدایت کا تعلق اللہ سے ہے اور
،کی بناء پر ہر پابندی ہر ذمے داری اور ہر فرض کی تکمیل اللہ کی عبادت ہے
بل سزا کے خوف سے نہیں بلکہ محبت الٰہی کی بناء پر ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا۔ (طٰہٰ: ۱۱۲)

"اور کسی ظلم اور حق تلفی کا خطرہ نہ ہوگا اس شخص کو جو نیک عمل کرے ر اس کے ساتھ وہ مومن ہو۔"

فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ۔ (الانبیاء: ۹۴)

"پھر جو نیک عمل کرے گا اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو اس کے کام کی ناقدری نہ ہوگی۔"

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ۔ (البقرۃ: ۲۶۵)

"جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات وقرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو۔"

لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ (النساء: ۱۱۴)

"لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر وبیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی، ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ وخیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ تو یہ البتہ بھلی بات ہے۔ اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا ہم اسے بڑا اجر عطا کریں گے۔"

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ۔ (الممتحنہ: ۱)

"اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔"

از خود اپنے طور پر کوئی عملِ خیر انجام دینے کا ایک درجہ یہ آتا ہے کہ نفس کو کرنے کا اختیار دیا جائے اور اسے عمل کا شوق دلایا جائے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (البقرۃ: ۱۸۴)

"اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرلے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزہ رکھو۔"

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ (البقرۃ: ۲۷۱)

"اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے، تمہاری بہت سی برائیاں اس طرزِ عمل سے محو ہو جاتی ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو بہر حال اس کی خبر ہے۔"

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ۔ (النساء: ۲۵)

"اور جو شخص تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں (محصنات) سے نکاح کرسکے اسے چاہیے کہ تمہاری ان لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے جو تمہارے قبضے میں ہوں اور مومنہ ہوں، اللہ

تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے۔ تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو، لہٰذا ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کر لو اور معروف طریقے سے ان کے مہر ادا کردو تاکہ وہ حصارِ نکاح میں محفوظ (محصنات) ہو کر رہیں، آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں۔"

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (النور: ۶۰)

"اور جو عورتیں جوانی سے گزری بیٹھی ہوں، نکاح کی امیدوار نہ ہوں، وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ تاہم وہ بھی حیاداری ہی برتیں تو ان کے حق میں اچھا ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

## عمل خیر پر آمادہ کرنے کا ایک اور درجہ

اس کے بعد عمل خیر پر آمادہ کرنے کا ایک اور درجہ آتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم بہت ہی سحر انگیز، دلکش اور پُر نور تصویر نگاہوں کے سامنے رکھتا ہے کہ انسان پورے شعور اور احساس کے ساتھ جس قدر ہو سکے اپنی مرضی اور بغیر کسی جبر اور قہر کے اس عملی صورت کو اختیار کرے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا

خَالِدُوْنَ۔ (المؤمنون: ۱-۱۱)

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے دور رہتے ہیں، زکوٰۃ کے طریقے پر عامل رہتے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں، وہی زیادتی کرنے والے ہیں، اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہ مؤمنین کے اعمال کی ایک صورت ہے اور اس صورت کے اختیار کرنے پر تمام مؤمنوں کو مجبور نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی ان اعمال کے اختیار کرنے کی براہِ راست دعوت دی گئی ہے بلکہ یہ ایک دلکش، خوبصورت اور حسین تصویر نگاہوں کے سامنے رکھ دی ہے کہ جو چاہے اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے اس تصویرِ عمل کو اپنالے اور اس سانچے میں ڈھل جائے۔ اور اسی طرح کی یہ مثال لیجیے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (فصلت: ۳۰-۳۲)

"جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں

ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔"

اور اسی طرح یہ مثال لیجیے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا وَّالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَھَنَّمَ اِنَّ عَذَابَھَا کَانَ غَرَامًا اِنَّھَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَ کَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَّکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا وَّالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا خٰلِدِیْنَ فِیْھَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔

(الفرقان: ۶۳-۷۶)

"رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل

ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام، جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں، جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے رب جہنم کے عذاب سے ہم کو بچالے، اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے، وہ تو بڑا ہی بُرا مستقر اور مقام ہے۔ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اسے مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ الّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لاکر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سُنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے۔ آداب و تسلیمات سے ان کا استقبال ہوگا وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے کیا ہی اچھا ہے وہ مستقر اور وہ مقام ''

یہ تربیت کا ایک بہترین مثالی نمونہ ہے کہ نفس انسانی سے کسی عمل کا مطالبہ اس طرح کیا جائے کہ اسے یہ احساس تک نہ ہو کہ اس سے کسی عمل کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ صرف ایک خوبصورت و دلکش اور حسین نمونہ سامنے رکھ دیا جائے اور

اس میں اس قدر کشش ہو کہ انسان خود بخود اس کی طرف کھنچتا چلا آئے اور اس نمونے کو اپنانے کی سعی کرے۔

# سلبیّت اور ایجابیّت

نفس انسانی میں یہ دو متضاد خصوصیات سلبیت اور ایجابیت اس کی تخلیق کے وقت سے موجود ہوتی ہیں، یعنی جب جنین (Embryo) تشکیل پاتا ہے تو وہ دو خلئیوں یعنی بیضۂ انثیٰ (Ovum) اور منی کے کیڑے سے وجود میں آتا ہے، اور اس وقت ان دونوں کا راستہ جدا جدا ہوتا ہے۔ بیضہ، بیضہ دانی سے رحم کی جانب جا رہا ہوتا ہے اور منی کا کیڑا رحم سے اندرونی جھلیوں کی طرف چل رہا ہوتا ہے تاکہ وہ بیضہ کو بار آور بنا سکے۔ جنین انہی دو قوتوں کا خلاصہ ہے یعنی اس میں بیک وقت سلبیت اور ایجابیت موجود ہوتی ہیں۔

یہ عملِ تخلیق کی ایک حیرت انگیز حقیقت ہے جو اس امر کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ اسی بنا پر نفس انسانی میں سلبیت اور ایجابیت کی یہ دو متضاد خصوصیات پیدا ہوتی ہیں۔ اگر انسانوں کو بغیر راہنمائی اور ہدایت کے یونہی چھوڑ دیا جائے تو ان کی فطرت دائیں اور بائیں منقلب ہوتی رہے گی اور اس میں استقامت پیدا نہیں ہوگی، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ سلبیت کسی فرد، یا عادت یا رسم و رواج کی غلامی میں بدل جائے گی اور اس غلامی سے نہ صرف یہ کہ وجود انسانی مسخ ہو کر رہ جائے گا بلکہ انسان پر اور اس کے رسوم و رواج اور عادات پر عائد شدہ نگرانی کے اٹھ جانے سے فساد اور بگاڑ کا دروازہ کھل جائے گا۔ کیونکہ بغیر شعوری نگرانی کے اصلاح نہیں ہو سکتی اور نہ غلام افراد شعوری نگرانی کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں۔

انسان جب کسی نظام حکومت یا ریاست کا غلام بن جاتا ہے تو اس کی ذات منعدم اور اس کی شخصیت مفقود ہو جاتی ہے، اس میں یہ صلاحیت باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنے مسائل زندگی کے بارے میں اپنی کوئی رائے اختیار کر سکے اور خود بھی راہنمائی

کے فرائض سنبھال سکے اور قیادت کی ذمے داریاں ادا کر سکے۔ اس پر جو احکام وہدایات جاری کیے جاتے ہیں وہ انہیں بلا پس و پیش قبول کرتا چلا جاتا ہے اور کبھی یہ تجزیہ نہیں کرتا کہ یہ احکام وہدایات اس کی زندگی اور معاشرے کی فلاح کے لیے مفید ہیں یا باعث نقصان اور سبب فساد ہیں۔

اور جب کوئی انسان کسی عادت کا یا خواہش کا غلام بن جاتا ہے تو وہ اپنی اسی عادت کا تابع فرمان ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کی آزادی مجروح اور اس کی ایجابیت بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس کی اپنی عادت یا خواہش پر کنٹرول کی قوت بالکلیہ ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور زیادہ وقت تک اس عادت یا خواہش سے گریز اس کے لیے ممکن نہیں رہتا بلکہ بسا اوقات اس کے ترک کر دینے سے اس کی جان پر بھی بن آتی ہے، جیسے شراب نوشی، نشہ آور اشیاء، سگریٹ اور چائے وغیرہ کی عادتیں انسان کے ارادہ اور اختیار کی قوت کو مجروح کر کے رکھ دیتی ہیں۔

اور کبھی انسان کسی سماجی روایت کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے، اور اس روایت کی تکمیل میں لگا رہتا ہے خواہ دل میں وہ اس روایت کو ناپسند ہی کرتا ہو اور اس طرح اس کا کردار منافقانہ ہو جاتا ہے اور افراد کے اس طرز عمل سے پورے معاشرے میں نفاق کا شجر خبیث پھوٹ نکلتا ہے۔

## ایجابیت کا انحراف

ایجابیت میں جب انحراف پیدا ہوتا ہے تو وہ ضد، عناد، اصرار اور تشدد کا راستہ اختیار کر لیتی ہے اور انسان برائیوں کے ارتکاب میں شدت اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ انسان اپنے وجود کا اثبات اور اپنی ذات کا ظہور چاہتا ہے، جس کے لیے وہ تخریب کا راستہ بھی اختیار کرتا ہے کہ تخریب کا عمل تعمیر سے بہت آسان ہے، اسی طرح وہ سرکشی اختیار کر لیتا ہے کہ سرکشی پست نفوس کے لیے زیادہ قابلِ قبول ہوتی ہے اور وہ برائیوں کے مختلف رنگ اختیار کرتا ہے تاکہ اس کی جانب انگلیاں اٹھائی جائیں، اور وہ ہر اخلاقی قید سے آزاد ہو جاتا ہے جیسا کہ وجودیّت (Existentialism) اسی کی قائل ہے کہ فرد

اپنی ذات کے اثبات کے لیے جس بات کو درست سمجھے وہی درست ہے اور معاشرے کو اس کا راستے میں رکاوٹ بننے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایجابیت کا انکار خدا کے انکار اور خدا کی نافرمانی پر بھی منتج ہوتا ہے اور انسان اس لیے خدا کی نافرمانی پر اتر آتا ہے کہ اسے آزاد فکر اور جری کہا جا سکے۔

غرض فطرتِ سلیمہ سے انحراف کے متعدد رنگ اور متنوع صورتیں ہیں، کیونکہ فطرتِ سلیمہ اپنی ذات کے اثبات اور اپنے وجود کو بروئے کار لانے کے لیے عمل خیر اختیار کرتی ہے۔ اور اعمال خیر کے اس قدر بلند درجات ہیں جن تک ظاہر ہے وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو ایجابیت کے حامل ہوں، جو اپنے نفوس کے مالک ہوں اور انہیں حق کی جانب متوجہ رکھتے ہوں اور خیر کی جانب راہنمائی کرتے ہوں اور فلاح کا راستہ دکھاتے ہوں۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا۔ (الفرقان: ۷۴)

"اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔"

## اللہ سبحانہ کے بالمقابل سلبیت کاملہ

اسلام سلبیت اور ایجابیت کی دونوں قوتوں کو بروئے کار لاتا ہے، ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھ کر انسانی وجود کو صحت و استقامت بخشتا ہے۔ ....... گھڑی اسی صورت میں وقت بتاتی ہے جب اس کے تمام پرزے اپنی اپنی صحیح جگہ پر لگائے گئے ہوں!

اسلام کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے بالمقابل انسان میں سلبیت کاملہ ہونی چاہیے اور کائنات کی تمام مادی قوتوں کے بالمقابل انسان میں ایجابیت کاملہ ہونی چاہیے ..... یہی وہ منہاج ہے جس کے ذریعے نفس صالح اور مستقیم رہ سکتا ہے۔

اللہ سبحانہ کے بالمقابل سلبیت کاملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی خالق ہے وہی مدبر ہے وہی مالک ہے وہی ہر کام کا کرنے والا ہے وہی مارتا اور جلاتا ہے، وہ جسے چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے، وہی اپنے بندوں پر قادر ہے اور وہ جو چاہتا

ہے سو کرتا ہے — جب کہ انسان کو اس ذات برحق کے بالمقابل کوئی اختیار حاصل نہیں اور انسان اپنے آپ کو یا کسی اور کو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ بس اصل حقیقت یہی ہے کہ اللہ ہی مالک و مختار ہے ... اس لیے اس ذات کی جناب میں انسان کا رویہ تسلیم و رضا ہی کا ہونا چاہیے اور اس کے ارادے، اختیار اور حکم پر کوئی اعتراض کوئی سوال اور کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

یہ تسلیم و رضا ہی بہتر ہے یہی انسانیت کے لیے موزوں اور مناسب ہے اور یہی انسان کے لیے فضیلت ہے ... یہ ایک مساوی قوت و حیثیت کی ذات کو تسلیم کرنا نہیں ہے کہ اس سے انسان کے نفس میں چبھن محسوس ہو اور یہ کسی جابر دشمن قوت کی بالادستی کو تسلیم کرنا بھی نہیں ہے بلکہ یہ اس پروردگار کی تسلیم و رضا ہے جس کی رحمتیں تمام موجودات کو محیط اور اس کی کرم فرمائی ہر شئے پر حاوی ہے، جس نے خود اپنی رحمت کے ذکر سے اپنے کلام کی ہر سورہ کا آغاز فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔"

یہ اس خالق و مالک کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے جو عطا کرنے والا، بخشنے والا، منعم و وہاب ہے جس نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کیں، جس نے انسان کو حسین پیکر میں جلوہ گر کیا، جس نے کائنات کی ہر شئے کو انسان کا تابع فرمان بنا دیا اور اسے زندگی کی ہر آسائش اور فروغ حیات کی ہر سہولت ارزانی فرمائی ... اس لیے انسان جب اس ذات باری کی جناب میں تسلیم و رضا سے سر جھکاتا ہے تو اس میں جذبۂ محبت و عشق کارفرما ہوتا ہے .. اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ بلاشبہ اللہ سبحانہ اپنے تمام بندوں پر غالب و قاہر ہے اور اسے غلبہ اور قوت کے تمام وسائل حاصل ہیں اور وہی پوری کائنات کا بادشاہ ہے ... لیکن وہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور ان سے رضامند ہے اور انہیں بھی اپنی محبت اور اپنی رضامندی کی دعوت دیتا ہے۔

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ ۔ (آل عمران:۳۱)

"اے نبیؐ لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔"

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

(المائدۃ ۵: ۱۱۹)

"اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے یہی بڑی کامیابی ہے۔"

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔ (الشوریٰ: ۱۰)

"وہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔"

## کائنات کے بالمقابل ایجابیت کاملہ

یہی وہ کامل تسلیم اور مکمل رضا ہے جس سے انسان اشیائے کائنات، اشخاص اور واقعات کے بالمقابل اپنی کامل ایجابیت سے مستفید ہوتا ہے... یہ ایک عجیب احساس ہے جو نفس مؤمنہ میں پیدا ہوتا ہے کہ اور جو مؤمن کو تعمیر کرنے والا، بنانے سنوارنے والا، بلند اور رفیع اور معزز مجاہد بنا دیتا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (المنافقون: ۸)

"عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کے لیے ہے۔"

اسی ایمانی قوت سے مومنین کو لوگوں کے بالمقابل عزت حاصل ہوتی ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ (آل عمران: ۱۳۹-۱۴۰)

"دل شکستہ نہ ہو غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔"

اور اسی ایمانی قوت کے طفیل مومنین کو واقعات کے بالمقابل عزت حاصل ہوتی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ۔ (الجاثیہ: ۱۳)

"اس نے آسمانوں اور زمین کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے۔"

غرض ایمانی قوت مومن کو ہر شئے کے بالمقابل اور ہر جانب سے عزت عطا کرتی ہے اور یہ ایمان کا معجزہ ہے کہ اللہ کی جناب میں مکمل تسلیم و رضا سے یہ عجیب قوت حاصل ہوتی ہے جو ہر شئے پر غالب اور ہر شئے سے بلند تر ہوتی ہے۔ اور انسان ہر مادی طاقت ہر سماجی قوت ہر عادت کی غلامی، روایات کی بندش، اقتصادی جبریت اور ریاست کی قہریت سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ مومن کی نظر میں کوئی بھی قوت جبریت کی حامل نہیں ہے سوائے اللہ کی سنت کے اور سنت اللہ میں کوئی رد و بدل ممکن نہیں ہے اور مومن کا کائنات کی قوت قادرہ ہونا سنت اللہ ہی ہے جو ناموس اکبر سے ہم آہنگ اور اس کی رمز آشنا ہے، اور اس لیے کہ کائنات کی تمام قوتیں انسان کے تابع بنا دی گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ دور اول کے مسلمانوں نے جن کے دل ایمان کی قوت سے لبریز تھے ایک ایسا سیاسی، اقتصادی، اجتماعی فکری اور روحانی نظام برپا کیا جس کی کوئی نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے اور جسے انسانی ضرورتوں اور حالات کی جبریت نے تخلیق نہیں کیا، بلکہ مومنین کی جماعت نے ایمانی قوت سے کام لیتے ہوئے اپنے ارادے سے اسے وجود بخشا۔ یہی ایمانی قوت تھی جس کی بنا پر اس وقت کی تمام مادی قوتیں، تمام اجتماعی توانائیاں اور تمام انسانی صلاحیتیں ان کے تابع بن گئی تھیں، اور وہ مختصر سی جماعت قریش کے مکر و فریب ان کی قوت و طاقت اور ان کی روایات کے بالمقابل کامیاب ہو گئی تھی بلکہ اس ایمانی قوت سے انہوں نے پوری انسانیت

کے مکروفریب اور ان کی قوت وطاقت کا مقابلہ کیا تھا، اور یہی قوتِ ایمانی تھی جس کے بل بوتے پر حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ کا مقابلہ فرمایا تھا اور فتح ونصرت حاصل کی تھی۔

ان مثالوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ اللہ جل شانہٗ کے بالمقابل بالکلیہ سلبیت اختیار کرلینے سے انسان کو زبردست ایجابی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔

---

# تربیت کے ذرائع

گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلام کس جزرسی اور باریکی سے انسان کے نفس کی تمام گہرائیوں کو سمیٹتا، اور اس کی تمام خصوصیات کو صحیح رخ دیتا اور ہر پہلو سے ان کو نشوونما دے کر انہیں بروئے کار لاتا ہے۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ اسلام محض اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ انسان کے سامنے شخصیت کا نمونہ پیش کر کے بھی انسانی نفس کی تربیت کرتا ہے اور وعظ و نصیحت کے ذریعے بھی تربیت کرتا ہے اور جزاو سزا کے ذریعے بھی تربیت کرتا ہے۔ اور قصص و واقعات اور عادات کو بھی تربیت کے ذرائع بناتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک طریقہ نفس پر اپنا گہرا اثر چھوڑتا ہے۔

## شخصیت کا نمونہ بطور تربیت

تربیت انسانی کے لیے شخصیت کا نمونہ سامنے لانا اور اس کی اقتداء کرنا تربیت کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے ... حقیقت یہ ہے کہ تربیت کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کر دینا بڑا آسان ہے اور ایک مکمل جامع اور دلکش نظام تربیت وضع کر دینا بھی ایک آسان کام ہے ... لیکن اس نظام کا عملی صورت میں برپا ہونا بہت مشکل ہے حالانکہ کوئی نظام حقیقی روپ اسی وقت اختیار کرتا ہے جب وہ انسانوں کی ایک جماعت میں عملاً جلوہ گر ہو، جسے لوگ اپنی عملی زندگی میں برتتے ہوں اور جس کے تقاضوں کو عملاً پورا کرتے ہوں!

اللہ سبحانہ کو علم تھا کہ اس بلند ترین منہاج کے بروئے کار آنے کے لیے ایک ایسے انسان کی ضرورت ہے جو اس منہاج کو عملاً برپا کر کے اسے حقیقی روپ عطا کر سکے اور اس کی زندگی نمونہ بن سکے اور اس کی شخصیت مقتدا بن سکے۔ اسی مقصد کے لیے اللہ سبحانہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو انسانیت کاملہ کا نمونہ اور اسوۂ حسنہ کا پیکر بنا کر مبعوث فرمایا۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ (الاحزاب ۲۱)

"درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ تھا"

حضرت عائشہؓ سے جب آپؐ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا، کہ آپؐ کا اخلاق قرآن تھا۔ ... بڑا مختصر بڑا با معنی اور بڑا سچا جواب ہے، یعنی آپؐ کی حیاتِ طیبہ قرآن کریم کا عملی نمونہ اور مثالی پیکر تھی، اور جس طرح قرآن کریم ایک عظیم کائناتی قوت ہے، اسی طرح ذات بابرکت بھی اللہ سبحانہٗ کی تخلیق کا اس قدر عظیم شاہکار تھی جس میں کائنات کی قوتیں مجتمع اور ناموس کائنات مکمل ہو گیا تھا اور آپؐ کا وجودِ اقدس سراپا نور اور نور مجسم بن گیا تھا۔

آج سائنس کی اس حقیقت تک رسائی ہو چکی ہے کہ مادہ (Matter) دراصل طاقت (Energy) ہے اور طاقت اشعاع (Radiation) میں بدل جاتی ہے ... انسان بھی ایک طاقت ہے جو نور میں بدل جاتی اور سراپا نور بن جاتی ہے۔

محمد بن عبد اللہؐ بھی سراپا نور اور نور مجسم تھے اور آپؐ کے نور سے ساری دنیا اور ساری کائنات منور ہے اور ہمیشہ منور رہے گی۔

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۙ
دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

"اے نبیؐ ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر"

یہی نور تھا جس سے لوگوں نے ہدایت پائی اور صحابہ کرام کے سینے اس نور سے منور ہو گئے اور انہوں نے آپؐ سے ایسی محبت کی کہ روئے زمین پر کبھی کسی انسان نے کسی دوسرے انسان سے ایسی محبت نہ کی ہو گی، بلکہ آپؐ سے ان لوگوں نے بھی محبت کی جو آپؐ کے لائے ہوئے دین کے مخالف اور اس نئی ہدایت کے دشمن تھے۔

پھر جب معرکہ حق و باطل برپا ہوا، جس کا برپا ہونا بالکل طبعی تھا، تو آپؐ اس

معرکہ میں کامیاب و کامران ہوئے اور آپ کا کامیاب و کامران ہونا بھی طبعی تھا، اس فتح و نصرتِ حق کے بعد تمام تاریکیاں چھٹ گئیں اور نور محمدی پورے جزیرہ نمائے عرب پر سراج منیر بن کر روشن ہو گیا، اور ساری دنیا کے لیے اور ہمیشہ کے لیے نور ہدایت بن گیا جس سے تا قیامت انسان مستفید ہوتے رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت پر انوار تھی اور آپؐ کی شخصیت بڑی ہی عظیم اور ہمہ گیر تھی آپؐ بیک وقت مختلف اور متنوع حیثیتوں کے حامل تھے، اور ہر حیثیت اور ہر جہت میں آپؐ کا کمال اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ آپؐ کی شخصیت کا روحانی پہلو اس قدر وسیع اور ہمہ گیر اور مکمل تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری روحانیت آپؐ کی ذات والا صفات میں جلوہ گر تھی۔

آپؐ میں جسمانی قوت اس قدر کمال پر تھی جیسے کسی جری ترین آدمی کے اندر ہو سکتی ہے آپؐ جب چلتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ زمین آپؐ کے قدموں کے ساتھ لپٹ رہی ہے، ہر معاملے کو اس طرح نمٹاتے جیسے آپؐ اس میں بہت دلچسپی رکھتے ہوں، اور جنگ میں اس طرح تیز رفتاری دکھاتے جیسے آپؐ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوں، حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں بہادر ترین افراد ہی جنگ کے موقع پر آپؐ کے پاس ٹھہر سکتے تھے۔ آپؐ شادیاں فرماتے اور لطائف حیات سے پوری طرح مستفید ہوتے، پورے ہاتھ سے اور جذبے اور شوق سے لوگوں کو سلام فرماتے، جب آپؐ مسرور ہوتے تو پوری طرح مسرور ہوتے اور خوشی آپؐ کے چہرۂ انور سے پھوٹ نکلتی اور صحابۂ کرام آپؐ کی خوشی کو محسوس فرما لیتے اور جب آپؐ ناراض ہوتے تو ناراضگی چہرے سے پوری طرح مترشح ہوتی اور پیشانی انور پر ایک رگ ابھر آتی۔ —— اور یہ سب امور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آپؐ میں کس قدر جسمانی قوت تھی اور کس طرح ہر پہلو میں اس قوت کا اظہار ہوتا تھا۔

آپؐ ایک سیاسی شخصیت بھی تھے اور اس پہلو سے آپؐ افراد امت کو اکٹھا کر کے ان سے تاریخ کا عظیم ترین کام لے رہے تھے اور ایک عظیم امت برپا کر رہے تھے اور

اس امت کی تعمیر و ترقی میں آپؐ اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر رہے تھے۔

آپؐ ایک مرد مجاہد اور ایک فوجی جرنیل بھی تھے، آپؐ جنگ کے منصوبے بناتے، لشکر روانہ فرماتے جنگوں میں خود شرکت کرتے اور فاتح بن کر آتے اور جنگوں میں اس طرح منہمک رہتے جیسے آپؐ کو جنگوں کے سوا کوئی اور کام ہی نہ ہو۔

آپؐ باپ بھی تھے شوہر بھی تھے اور کثیر الاخراجات خاندان کے سربراہ بھی تھے اور اپنے خاندان کی مالی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ان کی شعوری فکری اور نفسیاتی ضرورتوں کی بھی تکمیل فرماتے تھے اور آپؐ نے یہ ذمے داریاں بھی اس طرح پوری کیں کہ روئے زمین پہ کوئی شخص اس قدر کمال و تمام کے ساتھ ان ذمے داریوں کو پورا نہیں کرسکتا۔

آپؐ دوست اور ساتھی بھی تھے اور رشتہ دار بھی تھے اور ان حیثیتوں میں لوگوں کی پریشانی سے غمگین بھی ہوتے، آپؐ کے دل میں لوگوں کے بارے میں فکر و تامل بھی رہتا، آپؐ ان کی عیادت بھی فرماتے، ملاقات کے لیے بھی تشریف لے جاتے، ان کی مدد بھی کرتے اور ان سے محبت و شفقت سے پیش آتے اور اس سرگرمی سے یہ تمام امور انجام دیتے کہ اگر کوئی اور شخص اس طرح ان امور کو انجام دے تو اسے اپنی پوری زندگی لوگوں کے معاملات کے لیے وقف کرنی پڑے۔

آپؐ عابد بھی تھے اور جب عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے تو آپؐ کی عبادت میں شغف اور انہماک یہ عالم ہوتا کہ آپؐ کو دنیا کی کوئی خبر نہ رہتی، نہ دل میں کوئی خیال آتا اور نہ کسی جانب توجہ مبذول ہوتی۔

اور ان سب حیثیتوں اور جہتوں کے ساتھ آپؐ نے تاریخ عالم کی سب سے عظیم اور ہمہ گیر تحریک کی راہنمائی بھی فرمائی۔ آپؐ کی یہ تمام حیثیتیں آپؐ کی ذات میں ایک ہم آہنگی توازن اور خوبی کے ساتھ جمع تھیں اور یہ دراصل ایک کائناتی نور تھا جو آپؐ کی ذات میں جلوہ گر تھا اور آپؐ محبوب عالمین بن گئے اور متبوع قرار پائے۔

خداوند کریم کا یہ معجزہ ہے کہ جس طرح اس نے اپنی آخری کتاب۔ قرآن کریم۔ کو ایک مکمل جامع اور عظیم صورت میں نازل فرمایا اور اس کو معجزہ بنایا، اسی طرح اس نے

اپنے آخری نبی — حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کو ایک مکمل جامع اور عظیم صورت میں مبعوث فرمایا اور آپؐ کی ذات کو قرآن کریم کی طرح ایک کائناتی نشانی بنا دیا۔ — اسی لیے حضرت عائشہ رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ آپؐ کا اخلاق قرآن تھا۔

## انسانیت کی تاریخ میں سب سے بڑی مثالی شخصیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں لوگوں کے لیے ایک مثالی نمونہ بن کر تشریف لائے تھے اور آپؐ کو دیکھنے والے آپؐ کے اندر یہ تمام خصوصیات اور اوصاف عملاً دیکھتے تھے اور ان کی تصدیق کرتے تھے، یعنی جو باتیں جو ہدایات اور جو احکام وہ قرآن میں تلاوت کرتے اس کو عملاً ذات نبوتؐ میں جلوہ گر دیکھتے، جس پر ان کے نفوس میں تحریک ہوتی اور ان کے جذبات متأثر ہوتے اور وہ کوشش کرتے کہ آفتاب نبوتؐ کی چند کرنیں اپنے دامن میں سمیٹ لیں، اس کے چشمۂ صافی سے حسبِ مقدور اپنی پیاس بجھا لیں، اور اس کے نور نبوتؐ سے اپنی روح کو فیضیاب اور منور کر لیں۔

انسانیت کی تمام طویل تاریخ میں آپؐ کی ذات اقدسؐ سب سے بڑا عملی نمونہ اور مثالی پیکر تھی، آپؐ نے قول سے پہلے اپنے عمل سے انسانوں کو ہدایت و تربیت دی اور آپؐ کی تربیت سے دنیا میں ایک مثالی امت برپا ہوئی جس کے بارے میں اللہ سبحانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۔ (آل عمران : ۱۱۰)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اور اللہ سبحانہٗ نے اس امت پر احسان کرتے ہوئے فرمایا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (اٰل عمران:۱۶۴)

"درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔"

آپؐ کی سیرت طیبہ، آپؐ کی حیات اطہر، آپؐ کی سنت مطہرہ، آپؐ کی زندگی کا مثالی نمونہ اور عملی مظہر ایک خاص دور ایک مخصوص قوم اور ایک متعین علاقے کے لیے نہیں تھا بلکہ ذات گرامی ہمیشہ کے لیے ہر نسل اور ہر قوم کے لیے عملی نمونہ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء:۱۰۷)

"اے نبیؐ، ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ (سباء:۲۸)

"اور (اے نبیؐ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

آپؐ کی سیرت طیبہ اور آپؐ کی سنت مطہرہ آج بھی زندہ ہے اور اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک نظام کائنات قائم رہے گا، اور جب بھی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے گا ہمیشہ وہ نفس پر اثر انداز ہوگی روح کو جلا بخشے گی اور قلب کو نور سے منور کرے گی! دورِ نبوتؐ میں جن صحابۂ کرام نے ذات اطہر سے براہ راست تعلیم و ہدایت حاصل کی، ان کے قلوب نور سے منور ہو گئے تھے اور انہیں اس نور سے اس قدر عظیم قوت و طاقت حاصل ہو گئی تھی کہ باوجود ایک قلیل تعداد ہونے کے انہوں سے تاریخ انسانیت کے سب سے حیرت انگیز اور سب سے عظیم کارنامے انجام دیئے۔ اور آج بھی جو شخص اشتیاق و محبت کے جذبات سے سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے اس کو ذات نبوت سے نور اور قوت

حاصل ہو سکتی ہے!

اور یہ فی الواقع کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے اس لیے کہ قومیں اپنے ان مقامی ہیروز کے سہارے اپنی زندگی کا سفر طے کر لیتی ہیں جن کے کارنامے محدود اور مقامی ہوتے ہیں، اور جب کوئی انسانیت کی سطح پر ہیرو (Hero) ابھرتا ہے تو اس کی زندگی نسبتاً زیادہ جامع اور زیادہ مؤثر اور تا دیر باقی رہنے والی ہوتی ہے ــــ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جس ذات کو اللہ سبحانہٗ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور پوری کائنات کی نشانی بنا کر مبعوث فرمایا اس کی زندگی کس قدر ہمہ گیر، اس کی تاثیر کس قدر باقی رہنے والی ہو سکتی ہے۔

آپؐ کو اللہ سبحانہٗ نے پوری انسانیت کے لیے اور تمام ادوار اور اقوام کے لیے مبعوث فرمایا اور آپؐ کو تمام انسانیت کے لیے نمونہ بنایا، کہ رہتی دنیا تک انسان آپؐ کے نور سے روشنی حاصل کریں، آپؐ کی ہدایت سے تربیت حاصل کریں، اور آپؐ کی شخصیت کو قرآن کریم کی عملی تعبیر (Practical Interpretation) تصور کریں اور اس دین اسلام پر ایمان لا کر اس کو اپنی واقعی زندگی میں برپا کریں۔

یہ تدبیر الٰہی اس تدبیر کے مماثل ہے جو اللہ سبحانہٗ نے نزول قرآن میں اختیار فرمائی ہے۔

## مثالی افراد

اسلام نبوتؐ کے اس پیکر عمل اور مثالی نمونہ کو انسانیت کے سامنے اس لیے رکھتا ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں اس اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں، اس نور آفتاب سے روشنی حاصل کریں، اور اس کے بتائے ہوئے فرامین احکام اور ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کی تشکیل کریں۔

اسلام کی نظر میں نمونۂ عمل تربیت کا بہترین ذریعہ ہے اور اسلام اس اصول کو کہ تربیت دے کر جس قسم کے افراد تیار کرنے ہیں، ان کے سامنے اس کا مثالی نمونہ اور عملی پیکر رکھا جائے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ والدین بچوں کے لیے اسلامی اصولوں اور ہدایات کا عملی نمونہ بنیں تاکہ بچوں کی طبیعتوں میں یہ اصول رچ بس جائے

اور یہ ہدایات ان کے نفوس میں گھر کر جائیں اور اس روشنی اور نور میں رہتے ہوئے وہ تربیت پائیں۔ اور ضروری ہے کہ معاشرے میں بھی ایسے افراد موجود ہوں کہ ان کا پیکر اسلام کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو اور وہ اسلام کی پاکیزہ ہدایات کا عملی نمونہ ہوں تاکہ وہ اگلی نسلوں کی تربیت کر سکیں اور ان کو اس منہاج پر استوار کر سکیں اور ضروری ہے کہ معاشرے کا راہنما، حکومت کا سربراہ، قوم کا لیڈر، اور ملک کا حکمران بھی اسلام کے مطابق زندگی بسر کرتا ہو اور اس کا وجود مکمل طور پر پوری قوم اور نسل کے لیے عملی نمونہ ہو۔ اور ان سب کے لیے عملی نمونہ ذات اقدس ہے۔

اسلام میں تربیت ایک ایسی انفرادی سعی کا نام نہیں ہے جو کبھی کامیابی سے ہمکنار ہو جائے اور کبھی ناکام رہ جائے۔ بلکہ اسلام کا نظام تربیت ایک مکمل، جامع اور ہمہ گیر نظام ہے جو ایک سربراہ مملکت سے لے کر ایک شیر خوار بچے تک محیط ہے اور اس نظام تربیت کے بروئے کار آنے کے لیے اسلامی نظام، اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کا وجود ضروری اور ناگزیر ہے کیونکہ ہر نظام جو بھی منہاج متعین کرتا ہے وہ ان اساس پر متعین کرتا ہے جن پر وہ خود قائم ہو۔ یہی صورت بلکہ زیادہ جزرسی کے ساتھ اسلام کی بھی ہے کہ اسلام بھی اپنے منہاج کو بروئے کار لانے کے لیے اپنے ہی ذرائع کو کام میں لاتا ہے۔ اور جب اسلامی معاشرہ وجود میں آجاتا ہے تو وہ معاشرے میں موجود مثالی نمونوں سے بچوں کی اور ابھرنے والی نسلوں کی تربیت کرتا ہے۔ کیونکہ جس بچے کا باپ خود جھوٹ بولتا ہو اس کا بچہ سچ بولنا نہیں سیکھ سکتا، اور جو بچہ اپنے والدین کو دھوکہ دینے اور خیانت کاری کرتے دیکھتا ہو وہ امانت پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا اور جو بچہ اپنی ماں کو گرے ہوئے اخلاق کا حامل دیکھتا ہو وہ اخلاق فاضلہ نہیں اپنا سکتا۔ اور جو باپ بچوں پر سخت گیری کرتا ہو اس کے بچے رحم کرنا اور تعاون کرنا نہیں سیکھ سکتے۔

خاندان ہی وہ پہلی تربیت گاہ ہے جہاں بچے جذبات و میلانات کی اور عمل و سلوک کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے لازمی ہے کہ ایک مسلمان کا گھریلو ماحول

بڑا پاکیزہ، صاف ستھرا اور مہذب ہو تاکہ ابھرتی ہوئی نسل اسلامی اصولوں کے مطابق تربیت اسلام کے اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو اور سنت نبویؐ کی متبع ہو۔ بعد ازاں یہی سیرت اور یہی سنت گھر سے باہر معاشرے میں ہر طرف جاری وساری ہو جب بچہ اسکول جائے تو اس کو وہاں یہی تعلیم ملے، بچہ جب کتاب پڑھے تو اس کو یہی سکھایا جائے، جب اخبار پڑھے تو اس میں یہی درس ملے، اور جب ریڈیو کھولے تو یہی آواز کان میں پڑے تاکہ اسے اسلام کے عملی نمونے ہر طرف چلتے پھرتے نظر آئیں اور اسلام کو وہ عملی صورت میں جلوہ گر دیکھ سکے۔

## تربیت بذریعہ نصیحت

انسانی نفس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ کلام کا اثر قبول کرتا ہے مگر چونکہ اس کا اثر وقتی ہوتا ہے اس لیے اس میں تکرار لازمی ہے۔

پر تاثیر نصیحت وجدان کے راستے نفس انسانی پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے لیکن اگر تربیت کا مثالی نمونہ موجود نہ ہو اور مطلوبہ ماحول موجود نہ ہو تو نصیحت بے اثر ہو جاتی ہے، اس لیے کہ محسوس مثالی نمونہ احساسات پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس نمونے کی موجودگی میں نصیحت پر اثر ثابت ہوتی ہے اور تربیت نفس میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

بہرحال تربیت کے لیے نصیحت ایک لازمی اور ضروری عمل ہے اس لیے کہ نفس میں ایسے فطری میلانات موجود ہوتے ہیں جن کو مسلسل تہذیب اور راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لیے نصیحت ناگزیر ہے مزید برآں یہ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کے لیے تنہا مثالی نمونہ کافی نہیں ہوتا، مثلاً والدین چوری نہ کرتے ہوں مگر بچہ کسی بچپن کے میلان کے تحت چوری کر لیتا ہے، یا والدین جھوٹ نہیں بولتے مگر بچہ اپنی ذات کی یا اپنے ماحول کی یا اپنے والدین کی کسی کمی کو دور کرنے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، یا والدین سخت گیر نہیں ہوتے لیکن پھر بھی بچہ پرندے کو

پکڑ کر مار ڈالتا، یا بلی کی دم پکڑ کر کھینچتا ہے۔ اور اس مرحلے پر بچے کو نرم اور پُر اثر نصیحت ضروری ہوتی ہے تاکہ وہ اپنا رویہ درست کر کے مکارم اخلاق اپنا لے۔

بچے کی طرح بڑوں کو بھی مسلسل اور پیہم نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کے لیے بسا اوقات محض مثالی نمونہ کافی نہیں ہوتا، اور ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ حکمران عادل ہوتے ہیں لیکن ماتحت ظلم وستم پر کمر بستہ رہتے ہیں اور قائدین بلند کردار کے مالک ہوتے ہیں لیکن عوام اپنی خواہشات کی اتباع میں لگے رہتے اور پست کردار کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور ان حالات میں نصیحت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جا بجا نصیحتیں اور وعظ موجود ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ۔ (النساء: ۵۸)

"مسلمانو، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے۔"

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔ (النساء: ۳۶)

"اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے

قبضہ میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔"

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔ (لقمان: ۱۳-۱۹)

"یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا، تو اس نے کہا بیٹا، خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے، لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے

کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہر گز نہ مان ۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستہ کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے، پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے، اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو ۔ (اور لقمان نے کہا تھا کہ) کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ اسے نکال لائے گا وہ باریک بیں اور باخبر ہے ۔ بیٹا نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر ۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر نہ زمین میں اکڑ کر چل اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ سب آوازوں سے بری آواز گدھوں کی ہوتی ہے ۔"

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ

تَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا۔ (الاسراء: ۲۲-۳۸)

"تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا۔ تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان کے ساتھ احترام سے بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو، پروردگار ان پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے سب لوگوں کے لیے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کے

روّیے کی طرف پلٹ آئیں۔ رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق، فضول خرچی نہ کر۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر ان سے (یعنی حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے) تمہیں کترانا ہو، اس بناء پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو تلاش کر رہے ہو تو انہیں نرم جواب دے دو۔ نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشہ سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی، درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔ زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبہ کا حق عطا کیا ہے، پس چاہیے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، اس کی مدد کی جائے گی۔ مال یتیم کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقہ سے یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔ عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی یہی بہتر ہے۔ کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو، یقیناً آنکھ کان اور دل سب کی بازپرس ہونی ہے۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو ان امور میں سے ہر ایک کا برا پہلو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔"

قرآن کریم میں سے موعظت اور نصیحت کے یہ چند نمونے بطور مثال درج کیے

گئے ہیں ورنہ قرآن تو تمام کا تمام ہی وعظ اور نصیحت ہے۔

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (آل عمران: ۱۳۸)

"یہ لوگوں کے لیے ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں ان کے لیے ہدایت اور نصیحت"

# سزا بطور ذریعہ تربیت

اگر معاشرے کے بعض افراد پر نہ تو مثالی نمونہ اثر انداز ہوتا ہو اور نہ وہ وعظ و نصیحت سے درست ہوتے ہوں تو ان کے لیے ایک قطعی اور حتمی علاج ۔یعنی سزا۔ ضروری ہو جاتی ہے تاکہ یہ لوگ اپنی اصلاح کر سکیں اور معاشرے کے کار آمد افراد بن سکیں۔

دورِ جدید کے تربیت کے ماہرین سزا کے تصور پر بہت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں ۔۔ لیکن جو نئی امریکی نسل اس نظریۂ عدم سزا کے تصور کے مطابق تربیت پا کر سامنے آئی ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ وہ کس قدر اباحیت پسند، بے قید، آوارہ مزاج اور انتشار پسند ہے۔

بلاشبہ ہر شخص کے لیے سزا ضروری نہیں ہے اور بلاشبہ معاشرے کے بہت سے لوگ نے مثالی نمونے اور عملی پیکر کی پیروی کر کے اور موعظت اور نصیحت پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو تربیت کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیتے ہیں اور انہیں زندگی بھر سزا کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ تمام انسان یکساں نہیں ہوتے بلکہ انہیں بار بار سختی کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ مگر اس کے باوجود ایسا نہیں ہے کہ تربیت کرنے والا آغاز ہی سزا سے کر دے بلکہ پہلے وہ عملی نمونے سے اصلاح کی سعی کرتا ہے پھر وعظ و نصیحت سے اصلاح کی جد و جہد کرتا ہے بعد ازاں عمل خیر کی دعوت دیتا ہے اور بگاڑ اور فساد پر صبر کر کے ایک مناسب وقت تک اسے انگیز کرتا ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ۔ (فصلت: ۳۳-۳۴)

"اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اے نبی، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اس نیکی سے رفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔"

اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔

(النحل: ۱۲۵)

"اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔"

وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ۔ (المزمل: ۱۰)

"اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو۔"

مگر کچھ افراد ہوتے ہیں جن کی ان تمام ذرائع سے اصلاح نہیں ہوتی اور ان کی کجروی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جس قدر ان کو وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اتنا ہی ان کا انحراف بڑھتا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو نظر انداز کر دینا یا ان کی ساتھ ضرورت سے زیادہ نرم رویہ اختیار کرنا خلاف حکمت و مصلحت ہے۔ یہ لوگ بلاشبہ مریض ہیں اور منحرف (Perverted) ہیں اور ان کا نفسیاتی علاج بھی ضرور ہونا چاہیے، لیکن یہ نہ ہونا چاہیے کہ ان کے انحراف کے ساتھ ساتھ تربیت نفس کے اسالیب بھی طاق نسیاں بنا دیئے جائیں اور ان کے انحراف کے بہانے ڈھونڈ کر نکالے جائیں اور اس طرح معاشرے میں منحرف لوگوں میں کمی کرنے کے

بجائے ان میں اضافہ کرتے جائیں۔

بچوں کو اگر مستقل مزاجی برابری اور پاکیزگی کے ساتھ نرم و لطیف اور محبت آمیز تربیت دی جائے تو وہ بلاشبہ اکثر کامیاب ثابت ہوتی ہے مگر حد سے زیادہ نرمی اور ضرورت سے زیادہ محبت و پیار بچوں کو بگاڑ بھی دیتا ہے اور ان کے نفسیاتی وجود میں بے محکمی اور عدم ثبات پیدا کر دیتا ہے۔

نفس انسانی کی مثال جسم کی طرح ہے۔ اگر آپ جسم پر بہت زیادہ رحم کھائیں اور اس کے تکان کے ڈر سے بالکل مشقت نہ کریں اور اس ڈر سے کہ کہیں آپ کا جسم تھک نہ جائے آپ اس سے کوئی کام نہ لیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ جسم سے مشقت سہنے کی قوت ہی ختم ہو جائے گی اور جسمانی طاقت سلب ہو جائے گی اور جسم آرام طلب، کاہل اور سست ہو جائے گا اور جذبات و میلانات اور خواہشات پر کنٹرول جاتا رہے گا، اور عملی زندگی کے ٹکراؤ سے جسم بالکلیہ ناکارہ ہو کر رہ جائے گا، اس لیے کہ دنیا کی عملی زندگی میں ہر شخص کو اس کی خواہش کے مطابق میسر نہیں آتا۔ اس لیے بچے ہوں یا بڑے ان کی تربیت کے ضمن میں حزم و احتیاط لازمی ہے اور اسی حزم کا تقاضا سختی اور دھمکی اور سزا کا استعمال ہے۔

## تربیت کے لیے تخویف اور ترہیب کے وسائل

اسلام نے تربیت کے تمام ذرائع اور وسائل اختیار کیے ہیں اور جس طرح مثالی نمونہ، موعظت و نصیحت اور ترغیب اور ثواب کے بیان کے ذرائع اختیار کیے ہیں اسی طرح تخویف اور ترہیب کے وسائل کو بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ کہیں عدم رضائے الٰہی سے ڈرایا ہے جو اگرچہ بہت ہلکی سی تہدید ہے مگر مومنین کے لیے اس کی تاثیر بہت زیادہ اور گہری ہے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ

فَاسِقُوْنَ۔ (الحدید: ۱۶)

"کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں، جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔"

اور کبھی قرآن کریم نے واضح الفاظ میں خدا کے غضب سے ڈرایا ہے جیسا کہ واقعہ اُفک کے ضمن میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (النور: ۱۴-۱۷)

"اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آ لیتا (ذرا غور کرو اس وقت تم کیسی غلطی کر رہے تھے) جب کہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا، تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہم ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا سبحان اللہ یہ تو ایک بہتان عظیم ہے، اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔"

قرآن کریم کبھی اللہ اور رسولؐ سے جنگ کی دھمکی دیتا ہے۔

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِینَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ۔ (البقرہ: ۲۷۸، ۲۷۹)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم واقعی ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔“

اور کبھی قرآن کریم سزائے آخرت کا خوف دلاتا ہے۔

وَالَّذِینَ لَا یَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا یَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِی حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُونَ وَمَنْ یَفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ أَثَامًا یُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَیَخْلُدْ فِیهِ مُهَانًا۔ (الفرقان: ۶۸، ۶۹)

”جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا، قیامت کے روز اسے مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔“

اور قرآن کریم دنیا کی سزا سے بھی ڈراتا ہے۔

إِلَّا تَنْفِرُوا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِیمًا وَیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ

(التوبہ: ۳۹)

”تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا۔“

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِیمًا۔ (الفتح: ۱۶)

”اور اگر تم پھر اسی طرح منہ موڑ گئے جس طرح پہلے موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا۔“

وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

(التوبہ: ۷۴)

”اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ ان کو نہایت دردناک سزا دے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (التوبہ: ۵۵)

”اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے۔“

ان مراحل تہدید کے بعد پھر اصل سزا کا مرحلہ آتا ہے۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور: ۲)

”زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔“

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا۔

(المائدہ: ۳۸)

”اور چور خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے۔“

لوگوں کی طبیعتوں اور ان کے مزاج کے مدنظر سرزنش کے یہ مراحل بیان ہوئے ہیں، کیونکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اشارہ ہی سمجھ جاتے ہیں، اور اس غلط عمل سے باز آجاتے ہیں جس کی جانب محض ناپسندیدہ ہونے کا اشارہ کیا گیا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس وقت باز آتے ہیں جب ان کو واضح اور کھلے الفاظ میں جھڑک دیا جائے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں مستقبل کی سزا سے ڈرا دینا کافی ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کو جب سزا کا کوڑا دکھایا جائے تب باز آتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اس وقت باز آتے ہیں جب وہ اپنے جسم پر

سزا کا کوڑا برستا ہوا محسوس کرتے ہیں اور سزا کا ذائقہ عملاً چکھ لیتے ہیں۔

# قصص کے ذریعے تربیت

قصص میں ایک پر سحر تاثیر ہے جو انسانی نفوس پر اثر انداز ہوتی ہے اور جو ہمیشہ سے ہوتی آرہی ہے اور ہمیشہ ہوتی رہے گی، لیکن اس تاثیر کی اصل وجہ کیا ہے اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی قوت خیالیہ کہانی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور کہانی کے واقعات کو شعور کے اندر جگہ دے دیتی ہے یا کہانی کے اشخاص و واقعات میں انسان بطور وجدان شریک ہو جاتا ہے یا یہ نفس کا ایک انفعال (تاثر) ہے کہ وہ اپنے آپ کو قصہ کے واقعات میں شامل متصور کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے علیحدہ بیٹھ کر اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے۔ بہر حال خواہ کوئی بھی صورت ہو لیکن جب کوئی شخص کوئی قصہ پڑھتا ہے یا سنتا ہے وہ اس قصہ کے افراد اور واقعات سے جدا نہیں رہتا بلکہ شعوری طور پر یا غیر شعوری طور قصہ کے واقعات میں شریک ہو جاتا ہے، اسے یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ ان واقعات میں خود شریک ہے اور اپنے درمیان اور قصہ کے افراد کے درمیان موازنہ کر کے کچھ امور سے اتفاق اور کچھ سے اختلاف کرتا ہے اور کچھ پر تعجب کا اظہار کرتا ہے۔

قرآن کریم نے انسان کی اس فطرت کو جانتے ہوئے کہ وہ طبعاً قصص کی جانب مائل ہوتا ہے اور ان سے متأثر ہوتا ہے قصص کو بطور ذریعۂ تربیت اختیار کیا ہے اور قصص کی تمام قسمیں اختیار کی ہیں، چنانچہ میں نے وہ تاریخی قصص بھی بیان کیے ہیں، جن کے مقام، اشخاص اور واقعات مقصود ہیں، وہ قصص بھی بیان کیے ہیں جو محض انسان کی حالت کا ایک نمونہ ہیں، اور وہ تمثیلی قصص بھی بیان کیے ہیں جن سے مثال دینا مقصود ہے۔

پہلی قسم کے قصص میں انبیاء کے قصص ہیں اور نبوت کی تکذیب کرنے والوں کے واقعات اور اس کے نتیجہ میں ان پر نازل ہونے والے عذاب کا بیان ہے۔

ان قصص میں افراد واقعہ کے نام مقامات اور واقعات نام لے لے کر بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ، حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ، بنی اسرائیل کے واقعات، حضرت صالحؑ اور ثمود، حضرت ہودؑ اور قوم عاد، حضرت شعیبؑ اور شہر مدین، حضرت لوطؑ اور ان کی بستی، حضرت نوحؑ اور ان کی قوم اور حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے قصص ہیں۔

دوسری قسم کے قصص میں حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا واقعہ ہے جو اس طرح ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔ (المائدہ: ۲۷-۳۰)

"اور ذرا انہیں آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی، اس نے کہا، "میں تجھے مار ڈالوں گا۔" اس نے جواب دیا، اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔"

اور آخری قسم کی مثال یہ واقعہ ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ۝ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ۝ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ۝ لَٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۝ فَعَسَىٰ رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۝ أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۝ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۔ (الکہف: ۳۲-۴۳)

"اے نبیؐ، ان کے سامنے ایک مثال پیش کرو، دو شخص تھے۔ ان میں سے ہم نے ایک کو انگور کے دو باغ دیئے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی۔ دونوں باغ خوب پھلے پھولے اور بار آور ہونے میں انہوں نے ذرا سی کسر بھی نہ چھوڑی، ان باغوں کے اندر ہم نے ایک نہر جاری کر دی اور اسے خوب نفع حاصل ہوا۔ یہ کچھ پا کر وہ ایک دن اپنے ہمسایہ سے بات کرتے ہوئے بولا میں تجھ سے زیادہ مالدار

ہوں اور تجھ سے زیادہ طاقتور نفری رکھتا ہوں، پھر وہ اپنی جنت میں داخل ہوُا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا، مَیں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے گی اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔ اس کے ہمسایہ نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا، کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا، رہا مَیں تو میرا رب تو وہی اللہ ہے اور مَیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور جب تو اپنی جنت میں داخل ہو رہا تھا تو اس وقت تیری زبان سے یہ کیوں نہ نکلا کہ ماشاءاللہ لا قوۃ الا باللہ۔ اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر پا رہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرما دے اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے۔ یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے آخر کار یہ ہوُا کہ اس کا سارا ثمرہ مارا گیا اور وہ اپنے انگوروں کے باغ کو ٹٹیوں پر الٹا پڑا دیکھ کر اپنی لگائی ہوئی لاگت پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور کہنے لگا کہ کاش مَیں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہوتا ـــــ نہ ہوُا اس کے پاس اللہ کو چھوڑ کر کوئی جتھا کہ اس کی مدد کرتا اور نہ کر سکا وہ آپ ہی اس آفت کا مقابلہ۔"

قرآن کریم نے تربیت کی تمام اقسام اور راہنمائی کی جملہ انواع کے لیے قصص کو بیان کیا ہے اور ان قصص کے ذریعے روح، عقل اور جسم کی تربیت فرمائی ہے اور ان میں مثالی نمونہ پیش کرکے اور وعظ و نصیحت کے ذریعے تربیت کی ہے۔ اور کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی کو سمو دیا ہے اور فنی تعبیرات کی متنوع صورتوں کو ان قصص میں سمیٹ لیا ہے، کہیں رواں، اور سلیس انداز بیان ہے کہیں مکالمہ

اور گفتگو کی صورت ہے کہیں نغمگی کے حامل چھوٹے چھوٹے مربوط اور ہم وزن فقرے ہیں، کہیں جیتے جاگتے کردار ہیں، کہیں بڑی جزرسی کے ساتھ واقعہ کی باریکیوں کو کو اجاگر کیا گیا ہے کہیں قصے کے اس پہلو پر زور دیا گیا ہے جس میں قلب کے لیے عبرت کا سامان ہے اور کہیں پر ساز و نغمہ اور اسلوب و بیان کی دلکشی اور رعنائی ہے [1]

## قصہ آدم علیہ السلام

قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ درحقیقت انسانیت کے ہر دور کی تاریخ کا واقعہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

---

[1] ملاحظہ کیجیے: سید قطب: التصویر الفنی فی القرآن۔

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا
اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِينٍ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ
إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا
فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا
أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۔ (البقرۃ: ۳۰-۳۹)

"پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، انہوں نے عرض کیا، کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا، آپ کی حمد و ثناء کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں، فرمایا میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے، اس کے بعد اللہ نے آدمؑ کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ، انہوں نے عرض کیا، نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دیا ہے، حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں، پھر اللہ نے آدمؑ سے کہا تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ، جب اس نے ان کو ان سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں۔ پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا، وہ اپنی بڑائی

کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔ پھر ہم نے آدمؑ سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہو گے۔ آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔ اس وقت آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کر لیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے "

یہ اس "انسان" کا قصہ ہے جسے اس کے خالق نے مکرم بنایا اور رفیع قرار دیا، اسے روئے زمین کی خلافت عطا کی تاکہ وہ اپنا سردار خود ہی ہو، اور اسے بتایا کہ وہ صرف ایک اللہ کی بندگی کرے مگر اس پر کمزوری غالب آگئی اور اسے جنس، مال، قوت اور علم کی خواہشوں نے گھیر لیا، اور اس نے اپنی زمام اپنی خواہشوں کے ہاتھوں میں تھما دی اور شیطان اسے اپنے راستے پہ لے کر چل پڑا اور اس طرح انسان اپنے اہم فریضہ یعنی خلافت ارضی کو فراموش کر بیٹھا اور اپنا آسمانی تعلق بھول کر یہ سمجھ بیٹھا کہ یہی دنیا کی حیاتِ چند روزہ اور یہاں کی لذتیں اور یہاں کی لطف اندوزیاں ہی بس سب کچھ ہیں۔ مگر اللہ سبحانہٗ نے انسان کو اپنی رحمت سے دُور نہیں کیا، بلکہ اس کو اس روش کے چھوڑ دینے اور حقیقی کامرانی کا راستہ اختیار کرنے کی کلید۔ توبہ۔ بتا دی۔

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ۔ (البقرہ: ۳۷)

"اس وقت آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کر لیا۔"

اگر انسان گمراہی پر مصر نہ ہو اور اپنی لغزشوں کا احساس کر کے اللہ سبحانہٗ کی جانب رجوع کرے اور راہ ہدایت کو از سرِ نو اپنائے تو اللہ سبحانہٗ ہدایت سے بھی سرفراز فرماتا ہے اور خلافت کا اہل بھی بنا دیتا ہے اور اس طرح انسانی وجود کو کمال اور ارتقاء عطا فرماتا ہے۔

## قصص قرآنی کی فنی نوعیت

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں جو قصص بھی بیان ہوئے ہیں وہ دینی مقاصد کے تحت بیان ہوئے ہیں، اس لیے کہ قرآن کریم کتاب ہدایت اور ضابطۂ زندگی ہے، قصص کی اور کہانیوں کی کتاب نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود ابلاغ کی جز رسی اور فنی قواعد کے لحاظ نے ان قصص کو فنی لحاظ سے بھی خوب ترین بنا دیا ہے اور اس طرح پاکیزہ قصص تربیت اسلامی کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔

قرآن کریم قصہ کے ہیرو کا وہ بلند ترین، پاکیزہ اور صاف ترین لمحہ بیان کرتا ہے جو مثالی نمونہ بن سکے اور جو قارئین کو رفعت اختیار کرنے پر آمادہ کر سکے۔ اسی طرح مُنحرفین (Diverted People) کے نفوس کا وہ تاریک حصہ، ان کے قلوب کا وہ سیاہ گوشہ اور ان کے انحراف کی وہ برائی اجاگر کرتا ہے جس سے دوسروں کو ان کے بُرے افعال سے نفرت ہو اور وہ ان کے بُرے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ اور یہی اسلوب در حقیقت قرآن کے مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔

لیکن قرآن کریم بسا اوقات تجزیہ کی خاطر نفس انسانی کے کمزوری کے لمحات کو تفصیل سے بھی بیان کرتا ہے۔ مگر قرآن کا رویہ وہ نہیں ہوتا جو جدید فنون کا ہوتا ہے، جو انسان کی حیوانی تعبیر سے متاثر ہو کر انسان کے بے راہ روی کے لمحات کو بطولت (Hero ship) کے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن ان لمحات کو واقعی انداز میں بیان کرتا ہے مگر زیادہ دیر ان لمحات پر نہیں ٹھہرتا بلکہ جلد ہی انوار الٰہی کی روشنیاں

بکھیرنا شروع کر دیتا ہے اور انسان بے راہ روی کے گردابِ بلا سے نکل کر ہدایت کی شاہراہ پر مستقیم ہو جاتا ہے اور فی الحقیقت یہی وہ انسان ہے جسے اللہ سبحانہ نے مکرم بنایا اور جملہ مخلوقات پر فضیلت دی اور اسے زمین میں منصبِ خلافت عطا فرمایا۔

قرآن کریم اس فتنہ کو جس میں حضرت سلیمانؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ مبتلا ہوئے بلا کم و کاست بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ ضعف (انسانی کمزوری) جو فطری میلانات کی طرف التفات کی بنا پر واقع ہوئی، اور اس ضعف کی جانب توجہ اسی قدر مقصود ہے کہ انسان دوبارہ اللہ کی جانب رجوع کرے، اور اس لمحہ سے بلند ہو کر پاکیزہ ہو جائے۔

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ۔ (صٓ: ۲۱-۲۵)

"پھر تمہیں کچھ خبر پہنچی ہے ان مقدمے والوں کی جو دیوار پر چڑھ کر اس کے بالاخانے میں گھس آئے تھے؟ جب وہ داؤدؑ کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر گھبرا گیا، انہوں نے کہا، ڈریئے نہیں، ہم دو فریق مقدمہ ہیں، جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے۔ بے انصافی نہ کیجیے اور ہمیں راہِ راست

بتائیے۔ یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دُنبی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ ایک دنبی بھی میرے حوالے کر دے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبا لیا، داؤدؑ نے جواب دیا، اس شخص نے اپنی دُنبیوں کے ساتھ تیری دُنبی ملا لینے کا مطالبہ کر کے یقیناً تجھ پر ظلم کیا اور واقعہ یہ ہے کہ مل جل کر ساتھ رہنے والے لوگ اکثر ایک دوسرے پر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں، بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ کم ہی ہیں۔ (یہ بات کہتے کہتے) داؤد سمجھ گیا کہ یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کر لیا، تب ہم نے اس کا وہ قصور معاف کیا اور یقیناً ہمارے ہاں اس کے لیے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔"

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

(ص: ۳۰-۳۵)

"اور داؤد کو ہم نے سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا، بہترین بندہ کثرت سے اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا، قابل ذکر ہے وہ موقع جب شام کے وقت اس کے سامنے خوب سدھے ہوئے گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ میں نے اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو

گئے تو (اس نے حکم دیا کہ) انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر لگا ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے اور (دیکھو کہ) سلیمان کو بھی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی پر ایک جسد لاکر ڈال دیا، پھر اس نے رجوع کیا اور کہا کہ اے میرے رب مجھے معاف کر دے اور مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو بے شک تو ہی اصل داتا ہے۔"

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ
فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِن شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ
فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ
فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي
فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ
عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ
خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ
قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ
بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي
كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِن تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا
فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ وَجَاءَ
رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ
الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ
النَّاصِحِينَ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ
نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ
قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۔

(القصص: ۱۵-۲۲)

"(ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا کہ جب کہ اہل شہر غفلت میں تھے۔ وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اسے مدد کے لیے پکارا۔ موسیٰؑ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰؑ نے کہا "یہ شیطان کی کارفرمائی ہے۔" وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کن ہے پھر وہ کہنے لگا۔ اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، میری مغفرت فرما دے چنانچہ اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی، وہ غفور رحیم ہے۔ موسیٰؑ نے عہد کیا کہ اے میرے رب یہ احسان جو تو نے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ دوسرے روز وہ صبح سویرے اور ہر طرف سے خطرہ بھانپتا ہوا شہر میں جا رہا تھا کہ یکایک کیا دیکھتا ہے کہ وہی شخص جس نے کل اسے مدد کے لیے پکارا تھا آج پھر اسے پکار رہا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا تو تو بڑا ہی بہکا ہوا آدمی ہے، پھر جب موسیٰؑ نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے آدمی پر حملہ کرے تو وہ پکار اٹھا اے موسیٰ کیا آج تو مجھے اسی طرح قتل کرنے لگا جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے؟ تو اس ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتا ہے اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد ایک آدمی شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا موسیٰ، سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں، یہاں سے نکل جا، میں تیرا خیرخواہ ہوں، یہ خبر سنتے ہی موسیٰ ڈرتا اور سہمتا نکل کھڑا ہوا اور اس نے دعا کی کہ "اے میرے رب مجھے ظالموں سے بچا"، (مصر سے نکل کر) جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو اس نے کہا "امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستے پر ڈال دے گا۔"

قرآن کریم ضعف بشری کی ان مثالوں کو بیان تو کرتا ہے مگر انہیں ہیرو شپ کے لمحات نہیں بناتا اور ظاہر ہے کہ فی الحقیقت یہ لمحات ہیرو شپ کے نہیں ہیں اجہاں

تک حضرت آدمؑ کے قصے کا تعلق ہے تو اس میں قرآن کا منہاج بخوبی واضح اور اجاگر ہے جو مغرب کے اس جدید منہاج سے مختلف ہے جس میں انسان کمزوریوں کے کو وضیح بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یہی لمحات انسان کی ہیرو شپ کے لمحات ہیں۔

مگر قصہ آدمؑ میں جو لمحات بیان کیے۔ گئے ہیں وہ انسانی کمزوری کے وہ لمحات ہیں جن میں انسان اپنے مقصد وجود کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور پروردگار عالم سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو بھول جاتا ہے اور خلافت ارضی کے میثاق سے پہلوتہی کرنے لگتا ہے اور اس طرح کسی خواہش نفس کا شکار ہو کر شیطان کے راستے پر چل پڑتا ہے ــــ یہ قرآن کا تعبیر کا انداز ہے، اور فی الواقع بھی اسی طرح ہے، لیکن مغربی لٹریچر اپنے انحراف کی بنا پر انسان کے ان کمزوری کے لمحات کو اس کی جرأت لمحات بنا کر پیش کرتا ہے اور معصیت اور گناہ کو اس کی ذات کا اثبات اور اس کے وجود کی آزادی قرار دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس اثبات ذات۔ اور اس آزادی کے بدلے اگر جنت ہاتھ سے جاتی ہے تو جائے ــــ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مغربی لٹریچر ہدایت الٰہی سے منحرف اور اس قدیم یونانی دیومالا (Greek Mythology) سے متاثر ہے، جس کی رو سے خدا بندے میں ہمیشہ ایک کشمکش جاری رہتی ہے اور بندہ ہمیشہ جابر دیوتا پر کامیابی اور فتح حاصل کرنے کا متمنی رہتا ہے۔

## مغربی ادبیات کا انحراف

مغربی لٹریچر بڑا بدترین لٹریچر ہے۔ اس کی تاثیر یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی نافرمانی پر اکساتا اور خواہشات کی بے قید تکمیل کی راہ پر لگاتا ہے اور بتاتا ہے کہ تکمیل ذات کا یہی طریقہ ہے ... یہ ایک فرسودہ اور مرض آلود اور انحراف پر مبنی نقطۂ نظر ہے اور یہ وہ مرحلہ ہے جس میں بچے زندگی گزارتے ہیں، بچہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ بڑوں کا کہنا نہ مان کر اپنے وجود کا اثبات کرتا ہے اور بڑوں کے احکام کی اطاعت کر کے اپنے وجود کو مٹاتا ہے۔ لیکن بڑے ہونے کے بعد اور زندگی کی

حقیقتوں سے نا آشنا ہو جانے کے بعد اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اثبات ذات (Self Assertion) کے دو طریقے ہیں، ایک نافرمانی گمراہی اور ضلالت کا طریقہ ہے اور دوسرا اطاعت کیشی اور ہدایت کا طریقہ ہے اور انسان کا منحرف ہو کر اور حق سے بے گانہ ہو کر اثبات ذات حالت مرض کی صورت ہے جب کہ ایک صحت مند اور مستقیم انسان اپنی خواہشات پر ضبط قائم کر کے اور ہدایت و خیر اور صعود و رفعت کے دواعی اختیار کر کے ہی اپنی ذات کا اثبات کرتا ہے۔ — یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب قصۂ آدم میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم میں جہاں برے کاموں اور جنس کا ذکر آیا ہے تو اس کا انداز بیان یہ نہیں ہے کہ اس سے لذت حاصل کی جائے — درحقیقت جنس انسان کی پوری زندگی نہیں ہے بلکہ ایک لمحۂ زندگی ہے جو آتا ہے اور گزر جاتا ہے اور اس لیے گزر جاتا ہے تاکہ اس کی جگہ دیگر مقاصد حیات لے لیں اور کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں ایمانی تصور ذہن میں جگہ پا جائے اور نفس انسانی عملی زندگی میں جدوجہد کے لیے آزاد ہو جائے اور انسان ایک صاف ستھرا پاکیزہ معاشرہ برپا کرے جس میں ابھرتی ہوئی نسلوں کی تربیت ہو، جس میں حق اور عدل ہو، جس میں لوگوں کو ان کے حقوق میسر آئیں اور لوگ بغیر کسی فتنہ اور بغیر کسی انحراف کے عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گزاریں۔

یہ تمام وہ عظیم مقاصد ہیں جن کا حصول انسانیت کے لیے ناگزیر ہیں اور انسان کو اپنی بیشتر صلاحیتوں کو انہی امور کے حصول میں کھپانا چاہیے! اور ان مقاصد کے حصول کی کوشش اور سعی کے درمیان لمحۂ جنس بہت مختصر سا ہونا چاہیے، کیونکہ جنس میں انسانی صلاحیتوں کا کھپانا ان کا اسراف بے جا ہے اور وسیلۂ حیات کو مقصد حیات بنا دینا ہے — اور یہ بھی اس صورت میں جب کہ یہ لمحۂ جنس پاکیزہ اور قانونی حدود میں ہو اور اگر یہ لمحۂ جنس انحراف ہو اور قانونی حدود کو توڑ کر ہو پھر تو یہ قابل نفرت ہے اور اس سے اجتناب بہر صورت لازم ہے۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی برائی کے واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں یہی مندرجہ بالا قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور اسی طرح تمام اسلامی قصص میں ملحوظ رکھا جانا چاہیئے، کیونکہ اسلام کی نظر میں فن ممنوع نہیں ہے اور نہ اسلام میں جنسی جذبات کا بیان کرنا حرام ہے اور نہ ہی پستی اور کمزوری کا لمحہ ممنوع قرار دیا گیا ہے، لیکن مناسب یہی ہے کہ یہ ایک لمحے کی صورت میں آئے اور گزر جائے مستقل مقصد نہ بن جائے اور ان لمحات کو ہیرو شپ کے لمحات نہ تصور کر لیا جائے اور یہی وہ صورت ہے جس میں مقاصد فن میں اور مطلوبات ایمانی میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ بہرحال اسلام قصہ سے تربیت کا مقصد اس طرح حاصل کرتا ہے کہ اس سے ایمان کے اصل مطالبات سے گریز نہ ہو اور فن محض سطحی تاثیر کا حامل وعظ نہ بن جائے۔

## تربیت بذریعہ عادت

عادت انسانی زندگی میں بڑا اہم کارنامہ انجام دیتی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کی بے حد جد وجہد میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور عادت سے مشکل امور آسان ہو جاتے ہیں، اور انسان از سر نو عمل پیداوار اور تخلیق کے نئے آفاق کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔ اگر انسانی فطرت میں اللہ سبحانہ نے یہ عادت ہو جانے کا وظیفہ نہ پیدا کیا ہوتا تو انسان اپنی زندگی چلنا سیکھنے، بات کرنا سیکھنے اور معمولی حساب سیکھنے میں گزار دیتا۔

لیکن جہاں عادت کا اس قدر عظیم فائدہ ہے وہاں یہ عادت بسا اوقات ایک رکاوٹ بھی بن جاتی ہے یعنی جب انسانی اعمال کا شعور ختم ہو جائے، اور بغیر کسی قلبی تاثر کے وہ ایک مشینی انداز میں انجام دیئے جانے لگیں۔

اسلام عادت کو تربیت کے ایک ذریعہ کے طور پر کام میں لاتا ہے اور خیر کے کاموں کو انسان کی عادت بنا دیتا ہے تاکہ اس کی انجام دہی میں نفس کو صعوبت،

مشقت اور تکلیف نہ ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام اس امر کا سدِ باب بھی کرتا ہے کہ عادت محض مشینی اور غیر شعوری حرکت بن کر نہ رہ جائے، اس لیے اسلام پیہم اس مقصد کی یاد دہانی بھی کراتا رہتا ہے جس کے حصول کے لیے وہ عمل مقرر کیا گیا ہے اور انسانی قلب اور اللہ جل شانہ میں ایسا تعلق قائم کر دیتا ہے جس کی روشنی سے دل منور ہو جاتا ہے اور اس پر زنگ نہیں چڑھ پاتا۔

عرب کی گمبھیر جاہلیت میں جب اسلام طلوع ہوا تو اسلام نے عرب کے معاشرے میں پھیلی ہوئی بری عادتوں کے تدارک کے لیے دو ذریعے اختیار کیے۔ کہیں تو فی الفور اس عادت کو ختم کر دیا، اور کہیں کسی عادت کو ختم کرنے کے لیے تدریج کا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ جن بری عادتوں کا تعلق اصل عقیدہ سے اور اللہ کی ذات سے تھا، انہیں تو اسی وقت ختم کر دیا اور فوری طور پر مٹا دیا، جیسے جسم کے پھوڑے کا اپریشن کر کے اسے کاٹ دیا جائے! شرک کی ہر صورت کو اور بت پرستی کی ہر نوع کو اسلام نے پوری قوت سے اور فوراً ختم کر دیا، کیونکہ جب تک شرک کا خاتمہ نہ ہو توحید کا عقیدہ نہیں پنپ سکتا، اور ایک ہی مقام پر ایک ہی وقت میں اللہ کی عبادت اور غیر اللہ کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ جب کوئی شخص ایمان لاتا تھا تو اسے ذہنی طور پر عربی ماحول سے رشتہ توڑ کر اس نئے فکری ماحول سے اپنا تعلق قائم کرنا پڑتا تھا، اور توحید کے اس حلقہ سے وابستہ ہونا پڑتا تھا جو اللہ کی وحدانیت کی اساس اور کائنات اور مخلوقات میں اس کی قدرت کاملہ کے تصور کی بنیاد پر قائم تھا۔

## زندہ درگور کرنے کی رسم بد اور دیگر معاشرتی برائیاں

عرب میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی بری رسم بھی تھی، جو یقیناً انسانیت سوز بھی تھی اور عقیدہ ایمانی کے خلاف بھی، کیونکہ اس کی اصل وجہ خوف فقر تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ خوف اس مومن کے دل میں جگہ نہیں پا سکتا جو اللہ کی رازقیت پر کامل ایمان رکھتا ہو اور اس پر مطمئن ہو، مزید یہ کہ یہ اتنا بڑا ظلم اور اتنی بڑی ناانصافی ہے کہ یہ اس "حق" کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتی جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ۔ (التکویر: ۸، ۹)

"اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی"۔

یہ بھی ایک لازمی امر تھا کہ جھوٹ، غیبت، چغلخوری، طعن و تشنیع اور تکبر جیسی نفسیاتی بیماریوں کا بھی فوری اور مؤثر علاج کیا جاتا، اور اس کا ذریعہ لوگوں کے قلوب کو اللہ سبحانہٗ کی جانب متوجہ کرنا اور پوشیدگی میں بھی اور علانیہ بھی اسی کی ذات سے تعلق قائم رکھنا تھا، اور یہ ممکن تھا کہ ان عادتوں کو فوری طور پر بدل دیا جائے۔ کیونکہ ان کا تعلق ایک فرد کے احساس و شعور کے بدل دینے سے تھا، جسے اسلام نے بدل دیا۔

لیکن وہ اجتماعی بری عادتیں جن کا تعلق تنہا افراد کے مشاعر سے نہیں ہوتا بلکہ وہ تمام اجتماعی اور اقتصادی ماحول سے مربوط ہوتی ہیں، ان تبدیلی کے لیے لامحالہ تدریجی اصلاح کی ضرورت تھی کہ مسلسل وعظ و تلقین کی جاتی رہے اور قلوب کو بیدار کیا جاتا رہے۔ چنانچہ شراب زنا سود اور غلامی انفرادی عادتیں نہیں تھیں بلکہ سارے معاشرے میں پھیلی ہوئی اجتماعی برائیاں تھیں اور ان کو انفرادی طور پر ایک ایک فرد نفس سے فوری طور پر نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ اسی لیے اسلام نے ان برائیوں کے استیصال کے لیے تدریجی طریقہ اختیار کیا اور ان کو اسلامی معاشرے کی تکمیل کے مرحلے پر جا کر حرام اور ممنوع قرار دیا۔

مثلاً قرآن کریم نے سب سے پہلے شراب کے بارے میں یہ اشارہ فرمایا۔

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا۔ (النحل: ۶۷)

"جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی"۔

اس ارشاد میں اللہ سبحانہٗ نے سُکر اور رزقِ حسن میں فرق کیا ہے اور ایک باریک سا اشارہ کیا ہے جس سے مسلمانوں میں بعض ارباب دانش نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ آئندہ اللہ شراب کو حرام فرمانے والا ہے۔

اس کے بعد دوسرے مرحلے میں عقلی اور وجدانی طور پر یہ احساس دلایا گیا کہ شراب کوئی اچھی شے نہیں ہے اور یہ کہ یہ ایک گناہ کا کام ہے، اس ارشاد سے

منشاء یہ تھا کہ نفس میں اس کی اُلفت کم ہو جائے، اور وہ عادت کی تبدیلی کی جانب مائل ہو جائے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (البقرہ: ۲۱۹)

"پوچھتے ہیں، شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے، کہو، ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے، اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔"

بعد ازاں مسلمانوں کو نصیحت فرمائی گئی کہ اوقات نماز میں نشہ سے پرہیز کریں، یہ دراصل شراب کے پیہم استعمال کی ممانعت تھی اس لیے کہ یہ ممکن نہیں کہ نماز کے تمام درمیانی اوقات میں آدمی شراب پیتا رہے اور پھر نماز کے وقت اسے نشہ کی کیفیت باقی نہ رہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی۔

(النساء: ۴۳)

"اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔"

اور بالآخر تحریم خمر کا حتمی اور قطعی فیصلہ کر دیا گیا۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (المائدہ: ۹۰)

"یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔"

زنا کے ممنوع قرار دینے کے لیے بھی تدریجی طریقہ اختیار کیا گیا کہ پہلے نصیحت کی گئی بعد ازاں، سزا کی دھمکی کی گئی اور اس کے بعد مجمل الفاظ میں سزا بیان کی گئی اور پھر وضاحت اور تفصیل سے سزا کو بیان کر دیا گیا۔ اسی طرح پہلے یہ حکم فرمایا کہ جو عورتیں پاکباز رہنا چاہیں انہیں برائی پر مجبور نہ کیا جائے، مگر ساتھ ہی متعہ کو بھی جائز رکھا گیا،

اور پھر جسم فروشی اور متعہ دونوں کو ایک ساتھ ممنوع قرار دے دیا گیا اور ایسے نکاح کے علاوہ جو تاحیات باقی رکھنے کی نیت سے اور اللہ کے نام کے ساتھ کیا گیا ہو کے علاوہ ہر تعلق مرد و زن کو حرام قرار دے دیا۔

سود کی حرمت کا اعلان سنہ ۹ھ میں اس وقت ہوا جب مسلم معاشرہ مکمل نشوونما پا چکا اور مسلمانوں کی اجتماعی تربیت کی تکمیل ہو گئی۔

غلامی کے استیصال کے لیے بھی اسلام نے تدریجی طریقہ اختیار کیا اور ایسے وسائل اختیار کیے جو بالآخر غلامی کے اختتام پر منتج ہوئے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ غلامی کے خاتمہ کے لیے تدریج ناگزیر تھی تاکہ اسلام غلاموں کے اجسام کو آزاد کرانے سے پہلے ان کے دلوں کو آزاد کرا دے، چنانچہ اسلام نے ان کو احساس دلایا کہ وہ بھی انسان ہیں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک ناگزیر ہے، اور اسلام نے ان کا تعلق اللہ سے قائم کر کے ان کو ذائقہ آزادی چکھایا، اور انہیں تربیت دے کر آزادی کے لیے تیار کیا تاکہ وہ یکلخت آزادی مل جانے سے زندگی کی ذمے داریوں کو برداشت کرنے کے نااہل ثابت نہ ہوں[1]۔

## عاداتِ صالحہ کا نشوونما

اسلام نے بنی نوع انسان میں عاداتِ صالحہ کو نشوونما دینے کے لیے بھی کئی مرحلے وار طریقے اختیار کیے۔

ایمان کے لیے اسلام ایک وجدانی جذبے کو استعمال کرتا، جس کے زیر اثر کافر ایمان لے آئے اور ان کے نفس کے تصورات اور ان کے دلوں کے شعور یکسر بدل جاتے! اور جب یہ لوگ ایمان لے آتے تو اسلام ان کے ایمان کو سرد نہ ہونے دیتا، بلکہ اسے ایک عادت بنا دیتا، ایک ایسی عادت جو مقام و اشخاص اور زمانے سے مربوط ہوتی اور وہ مسلمان کافرانہ ماحول سے نکل کر مومنانہ ماحول سے آکر متعلق ہو جاتا اور اس کا دوسرے مومنین سے تعلق وارتباط پیدا ہو جاتا اور ان کے ساتھ ایسی اخوت قائم ہو جاتی جو خون کے رشتہ سے بھی بڑھ کر ہوتی، اور اس کو عادت ہو جاتی کہ

جب بھی مومنین سے ملاقات کرے تو ایمان کی بات اور مومنانہ افعال کا تذکرہ کرے۔ مومنین نماز پڑھتے تو نماز ان کی عادت بن جاتی، قرآن سنتے تو قرآن کا سننا ان کی عادت بن جاتی، ایک دوسرے سے محبت کرتے اور ایک دوسرے کی تکالیف میں حصہ بٹاتے اور یہ ان کی عادت بن جاتا، اور تمام مومنین کفار سے مل کر جہاد کرتے تو کافروں سے جہاد ان کی عادت بن جاتا۔ غرض اسلام نے ایک ایسا معاشرہ پیدا کر دیا تھا، جس میں اس کے اصول و نظریات عملاً کار فرما تھے اور اسلامی فضائل واقعتاً جلوہ گر تھے، جس کے نتیجہ میں ہر عادت ایک انفرادی عمل اور ایک اجتماعی ارتباط بن گئی تھی اور اسے اس طرح دوام و بقا حاصل ہو گیا تھا اور اس طرح ایک مضبوط، محکم اور پیوست بنیادوں والا نظام استوار ہو گیا تھا۔

دیگر نفسیاتی عادتوں، مثلاً صدق گوئی، ایمانداری، محبت و نرمی اور ایثار و قربانی کے لیے بھی اسلام اولاً وجدان ہی کو ابھارنا اور پھر اس کے مطابق رغبتِ عمل پیدا کرنا، اور اس رغبت کو ایک واقعی اور عملی صورت میں اجاگر کر دینا، جس سے فرد کے ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا ہو جاتی اور خیر اپنی علامتوں کے ساتھ واضح ہو کر سامنے آجاتی اور نیکی ایک اجتماعی ارتباط و تعلق بن جاتی۔

مثلاً نماز اولاً تو اللہ سے تعلق و ربط کی ایک خواہش اور اس سے دعا و طلب کی ایک انفرادی سعی ہے لیکن اسلام نے نماز کے اوقات منضبط کر کے اور جماعت کے فضائل بیان کر کے اسے ایک اجتماعی عمل کی صورت دے دی۔

زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کا نفس بخل اور لالچ سے پاک ہو جائے اور وہ ضرورت مند پر مہربانی کرنے اور معاشرے سے تعاون کرے، لیکن جب یہی زکوٰۃ ایک نظام کی صورت میں سامنے آتی ہے اور اس کی ادائیگی کے اوقات کا تعین، اس کی شرح نصاب اور اس کی وصولی کا طریقہ متعین ہو جاتا ہے تو یہ انفرادی عمل ایک ایسا اجتماعی عمل بن جاتا ہے جو ریاست کی اور معاشرے کی اساس قرار پاتا ہے۔

غرض اسلام میں ہر عادت کی تربیت اس طریقے پر ہوئی ہے کہ پہلے ایک جذبہ پیدا کیا گیا جو بعد ازاں ایک زندہ اور متحرک عمل میں تبدیل ہو گیا جس کی ادائیگی بلا مشقت ہو سکے اور جو ایک شعوری جذبہ کے تحت انجام دی جائے۔

# قوّت کا استعمال

انسان کی تربیت کے ضمن میں اسلام ایک طریقہ یہ اختیار کرتا ہے کہ نفس انسانی میں جمع شدہ قوتوں کو بروئے کار لاتا اور ان سے کام لیتا ہے تاکہ یہ قوتیں نفس میں جمع نہ ہوتی رہیں۔ اس لیے کہ نفس انسانی اور جسم انسانی میں قوتوں کا ذخیرہ ہوتا رہتا ہے، اور ان قوتوں کو مفید اور تعمیری کاموں میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور غیر مفید اور تخریبی سرگرمیوں میں بھی کھپایا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قوتیں کہیں بھی استعمال نہ ہوں اور زنگ خوردہ ہو کر رائگاں ہو جائیں ــ اسلام ان قوتوں کو تعمیری امور اور مفید کاموں کی جانب متوجہ کر کے انہیں صحیح تعمیری رخ پر لگا دیتا ہے، اور ان قوتوں کو برائی کی قوتوں کے خلاف ایک دیوار بنا دیتا ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ ان قوتوں کا غیر ضروری ذخیرہ نہ ہوتا رہے کیونکہ کسی جسمانی یا نفسانی قوت کا ایک طویل عرصے تک ذخیرہ رہنا اور ان کا استعمال میں نہ آنا انسانی وجود کے لیے سخت نقصان دہ ہے اور اس سے متعدد نفسیاتی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ یہ قوتیں بلا وجہ نفس میں مرتکز اور جمع ہوتی رہیں اور ان کے استعمال کی نوبت نہیں اور ان کو نکاسی کا صحیح راستہ نہیں ملا اس لیے اسلام چاہتا ہے کہ یہ قوتیں جمع نہ ہوں اور نفس انسانی ان بہت سے انحرافات سے محفوظ رہے جو نفسیات میں متعارف ہیں اور جن سے بہت سے اضطراب اور تباہ کن الجھنیں پیدا ہوتی ہیں ــ اور ان اضطرابات اور نفسیاتی الجھنوں کا اس سے بہتر کوئی علاج نہیں ہے کہ انسان کے اندر جمع شدہ صلاحیتیں کسی ایسے مثبت عمل میں صرف ہوتی رہیں، جن سے انسان کو اپنی ذات کے اثبات کا احساس ہوتا رہے۔

مثلاً جذبۂ نفرت ایک فطری اور طبعی قوت ہے، اسلام اس قوت کو شیطان اور متبعین شیطان اور روئے زمین پر ان کے پھیلائے ہوئے شر کی جانب متوجہ کر دیتا ہے، اور اس طرح اس قوت کو انسان کے وجود کے لیے خطرناک بن جانے سے باز رکھتا ہے۔ اور ساتھ ہی جب انسان شر سے نبرد آزما ہوتا ہے تو اس کا انفرادی اور ذاتی وجود نکھرتا ہے اور سنورتا ہے اور اس کے وجود کو اس مقابلے اور جہاد سے توانائی اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور معاشرے کے شر اور فساد اور بگاڑ سے پاک ہونے کا ایک اعلیٰ ترین مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور تخلیق انسان کی اور اس کو شرافت و فضیلت عطا ہونے کی اور اسے روئے زمین کی خلافت عطا کرنے کی غایت پوری ہو جاتی ہے۔

اور اسی طرح جذبۂ محبت کو اسلام اللہ سبحانہٗ کی محبت کائنات اور انسانیت سے محبت اور ہر امر خیر سے محبت میں لگا دیتا ہے اور اس سے وہی مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں ـــــ اس لیے کہ محبت کی قوت بھی اگر طبعی طور پر صرف نہ ہوتی رہے تو وہ فاسد ہو کر انسان کے وجود کے لیے تباہ کن بن جاتی ہے اور کبھی کبھی اس محبت کا مرکز خود انسان کی اپنی ذات بن جاتی ہے اور انسان اپنی ذات کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یا محبت کا رخ طعام و شراب اور جنس کی لذتوں کی جانب ہو جاتا ہے اور یا لوگوں کے اشیاء اور نظریات کی غلط محبت ذہن پر چھا جاتی ہے۔

مگر اسلام اس امر کی ضمانت فراہم کرتا ہے کہ جذبۂ محبت خیر کے راستوں کی طرف متوجہ ہو کر انسان کو مثبت قوت عطا کرے اور انسان اس قوت کے سہارے اپنے مقصد تخلیق کو بروئے کار لا سکے۔

اور اسلام اسی طرح انسان کی جسمانی قوتوں کو جہاد کی طرف متوجہ کر دیتا اور انہیں تعمیری کاموں مثلاً زراعت و پیداوار وغیرہ میں لگا دیتا ہے، اور اس کام میں استعمال کرتا ہے کہ انسان باطل کی مزاحمت کرے اور باطل کی عمارت کو منہدم کر کے حق اور عدل کی عمارت استوار کرے۔ اور اس عمل سے نفس انسانی بھی مستقیم رہے اور منحرف نہ ہونے پائے۔

# مشغولیت

اسلام عدم مشغولیت اور بے کاری کو ناپسند کرتا ہے۔ اس لیے کہ بیکاری سے نفس کی جمع شدہ قوتوں میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور سب سے بڑا فساد یہ ہوتا ہے کہ اس فرصت کو مشغولیت میں بدلنے کے لیے انسان اپنی جسمانی قوتوں کو تباہ کرنا شروع کر دیتا ہے، اور بے کاری کے مشاغل کے طور پر ضرر رساں عادتیں اپنا لیتا ہے۔

بہر حال اسلام چاہتا ہے کہ انسان بیداری کے اولین لمحے رات کو سونے تک مصروف رہے اور اس کو ایسی کوئی فرصت نہ ہو جس کے خلا کو بھرنے کے لیے وہ اپنی جسمانی قوتوں کو ضائع کرے اور جسم کو اصل منہاج سے منحرف کر دے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسانی وجود ضائع اور ہلاک ہو جائے، اس لیے کہ ایسا ہونا اسلام کے مقاصد کے بر خلاف ہے کیونکہ اسلام تو انسان کو طیبات ارض سے مستفید ہونے کی دعوت دیتا ہے اور دنیاوی زندگی میں اس کا حصہ یاد دلاتا ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسان مسلسل جدوجہد اور کدوکاوش ہی میں لگا رہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسانی زندگی میں بے کاری باقی نہ رہے اور ایسی فرصت باقی نہ رہے جسے وہ شر، فساد اور غلط کاموں میں صرف کرے۔ اس لیے کہ اسلام نے جدوجہد حیات کے ساتھ لمحاتِ عبادت، آرام و خواب کی گھڑیاں، اہل خانہ سے ہلکی پھلکی گفتگو، میل ملاقات اور ہلکے پھلکے مزاح کی گنجائش بھی رکھی ہے۔

اسلام نے جس وقت جاہلی عادتوں، رسموں اور میلوں اور ان کے زندگی کے طور طریقے بدلے تو انہیں اسلام کی زندگی میں بے کار نہیں چھوڑا بلکہ ان کے لیے نئی عادت نئی رسمیں نئی عیدیں اور زندگی کے نئے اسالیب متعین کر دیئے۔ مثلاً جاہلیت میں عرب مے نوشی، جوئے اور بت پرستی کے لیے اور بے مقصد شعر سننے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ اسلام نے انہیں باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے، باہم مل کر قرآن یاد کرنے کے لیے جمع کیا۔ اہل عرب اپنے میلوں اور عیدوں میں بلا وجہ شور

شر مچاتے تھے اسلام نے اس کی جگہ پاکیزہ معانی پاکیزہ مقاصد اور اعلیٰ ترین اہداف کی حامل عیدیں مقرر کیں۔

اور جب مسلمانوں کا ان کافروں سے تعلق منقطع ہو گیا جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے تو اسلام نے پرانی رشتہ داریوں اور قرابت داریوں کے بدلے نئی اخوت قائم کی نیا بھائی چارہ بنایا اور نئی قرابت داری استوار کی۔ اور اس نئی اخوت کا یہ عالم تھا کہ انصار صحابہ نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی ہر شئے میں شریک کر لیا تھا اور اپنی ہر ملکیت تقسیم کر کے اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دی تھی، حتیٰ یہ کہ انصار نے مہاجرین کو اپنی میراث میں بھی شریک کر لیا تھا۔

وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ (الحشر : ۹)

"اور جو کچھ ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔"

غرض مشغولیت نفس کی تربیت کا ایک عمدہ اور بہترین وسیلہ ہے بالخصوص اس وقت جب کہ نفس کو اس کی دلچسپی سے روک دیا گیا ہو۔ اس وقت عمدہ طریقہ یہ ہے کہ اس خلا کو کسی اور دلچسپی سے پُر کر دیا جائے تاکہ نفس اس جانب متوجہ ہو جائے۔ کیونکہ نفس انسانی اپنے تمام پہلوؤں میں داخلی طور پر باہم پیوست اور مربوط ہوتا ہے۔

## واقعات ذریعۂ تربیت

انسانی زندگی جد و جہد اور کد و کاوش سے عبارت ہے اور انسانی زندگی واقعات و حادثات سے لبریز ہوتی ہے اور یہ واقعات و حادثات ایسے اسباب کے تحت وجود میں آتے ہیں جو انسان کے ارادے سے ماوراء ہوتے ہیں۔ اور

ایک ماہر تربیت کنندہ ان حادثات و واقعات کو نفس انسانی کی تربیت کرنے اور اس کی صلاحیتوں کو صیقل کرنے میں لگاتا ہے۔

تربیت کے وسائل میں احادث و واقعات ایک ذریعۂ تربیت کے طور پر زیادہ مؤثر کردار ادا کرتے ہیں اس لیے کہ حادثات سے انسان کی طبیعت میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور نفس مکمل طور پر تیار ہو جاتا ہے اور اس میں سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نفس کی سرگرمی اور تیاری کی یہ کیفیت ہر وقت نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کیفیت آرام و آسائش اور اطمینان و سکون کی حالت میں پیدا نہیں ہوتی۔

اگرچہ شدید جذباتی کیفیت اور عبادت کے نتیجے میں روحانی وجدان کے نتیجے میں کبھی کبھی نفس میں تیاری اور سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے اور زیادہ تر یہ کیفیت کسی حادثاتی واقعہ ہی سے پیدا ہوتی ہے اور ہر قسم کے لوگوں میں پیدا ہوتی ہے اور سب میں شدید انفعال تاثر پذیری اور سرگرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی وہ موقعہ ہوتا ہے جس کے لیے نفس انسانی پوری طرح تیار ہوتا ہے اور اس حالت میں نفس کو متعدد پُراثر راہنمائی اور ہدایات دی جا سکتی ہیں اور ان ہدایات کے گہرے اور دیرپا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم نے واقعات و حادثات کو نفس انسانی کی مؤثر تربیت کے لیے استعمال کیا اور تاریخ انسانیت کی سب سے منفرد اور یکتا امت برپا کر دی اور اور اسے یہ فریضہ سونپا کہ۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

”اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

## مکہ مکرمہ میں پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں ہدایات

مکہ مکرمہ میں امت مسلمہ کو جو واقعات اور حادثات پیش آئے ان کے بارے میں قرآن کریم کی راہنمائی اس راہنمائی سے بالکل مختلف ہے جو قرآن کریم نے مدینہ منورہ میں پیش آمدہ واقعات وحالات کے بالمقابل دی، چنانچہ مکی دور میں مصائب پر صبر کرنے اور شدائد کو برداشت کرنے اور نفس میں ناگوار امور کو انگیز کرنے کی قدرت پیدا کرنے پر زور دیا گیا جب کہ مدنی دور میں زیادتی اور ناانصافی کا بدلہ اتارنے، زیادتی کرنے والوں کا قوت سے مقابلہ کرنے اور ذلت ورسوائی کو برداشت نہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ اور ان دونوں قسم کی ہدایات کا ایک ہی مقصد تھا کہ نفس کے اندر توازن اور اعتدال پیدا ہو جائے، اور انسان کا اللہ سے ایسا مضبوط تعلق پیدا ہو جائے کہ وہ ہر معاملے میں اللہ ہی کی ذات کو مدنظر رکھے، اور اسی کی جانب متوجہ رہے!

اسلام سے پہلے کے جاہلیت کے دور میں عربوں میں سخت انانیت اور اپنی ذات کا شدید احساس پایا جاتا تھا، اور اس معاملے میں ان کی نظر میں حق و باطل کا کوئی فرق نہیں تھا اور ان کی ذات کا یہ احساس کسی اخلاقی قدر (Ethical Value) کے لیے نہیں تھا بلکہ عشق ذات کی بنا پر تھا، یعنی کوئی بھی یہ نہیں پسند کرتا تھا کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے خواہ وہ درست اور برمحل کیوں نہ ہو، بات بات پر وہ تلوار تو سونت لیتے مگر یہ کبھی نہ دیکھتے کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں ہر روز خون خرابہ ہوتا رہتا اور آئے دن انقلابات آتے رہتے اور مظالم ہوتے رہتے۔ اور کبھی امن وسلامتی کا دور دورہ نہ ہوتا کبھی سچائی اور حق کی بنیاد پر قبائل کے تعلقات استوار نہ ہوتے اور کبھی انسانی قدروں کو کوئی اہمیت نہ دیتے۔ بلاشبہ ان میں کچھ اخلاق کریمانہ بھی تھے۔ مثلاً وہ مہمان نواز تھے، کرم نواز تھے، پابند عہد تھے اور ذلت سے ان کی طبیعتیں گریزاں اور رسوائی سے ان کے نفس برگشتہ تھے۔ اور قبیلوں کو لاحق عار کو دور کرنے اور مفاخر کے حصول ہی کے لیے ان کے قافلے حرکت میں آتے تھے ـــــ یہ سب کچھ تھا، مگر ان اخلاق کریمانہ پر ان کے دل کا ایمان نہیں تھا، اور اس کی

سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف تو عرب مہمانوں کی ضیافت کے لیے اپنے جانور ذبح کر ڈالتے، اور یہ اس لیے کرتے تاکہ لوگ ان کی مہمان نوازی کے قصّے بیان کریں، اور دوسری طرف وہ ضعیفوں، مسکینوں اور محروموں کو ایک لقمہ دینے کے روادار نہ ہوتے، اس لیے کہ ان بھوکوں کو کھلانے سے انہیں کوئی شہرت نہ ملتی تھی، — حد یہ ہے کہ محروموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی قرآن کریم کو خوب تاکید کے ساتھ نصیحت کرنا پڑی اور اس انسانی ضرورت کی تکمیل کا قرآن نے بار بار اور پُر زور الفاظ میں احساس دلایا، اور اس خیر کی جانب متوجہ کیا!

سوائے حلف الفضول کے کہ اس میں ضرور عربوں کا انسانی ضمیر بیدار ہو گیا تھا، ان کے یہاں عہد کے کوئی انسانی اور اخلاقی معنی نہ تھے۔ بلکہ ان کا ہر معاہدہ حق و باطل کے فرق سے بے گانہ اور ایک فریق کو ظلم سے روکنے کے لیے دوسرے فریق کا ظلم ہوا کرتا تھا، اور سوائے اپنے شخصی اور قبائلی مفادات کے اس میں اور کوئی اخلاقی پہلو پنہاں نہ ہوتا۔

اہل عرب جب چاہتے حرام مہینوں میں ردو بدل کر لیتے اور مقصد یہی ہوتا کہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی مدافعت کریں یا دوسروں پر ظلم توڑیں۔ جب ان کی جنگیں جاری ہوتیں اور حرام مہینے آجاتے تو ان مہینوں کو دوسرے مہینوں سے بدل ڈالتے یا پھر کہہ دیتے کہ اب حرام مہینے اگلے سال آئیں گے اور اگلے سال بھی یہی دشواری پیش آجاتی اور پھر حرام مہینے اور اگلے سال پر مؤخر کر دیئے جاتے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا۔ (التوبہ ۳۷)

قرآن کریم کی دور میں ان عربوں کی واقعات اور حوادث سے اسطرح تربیت کی کہ ان کے اعمال و اطوار کا ان کی ذات کے محور سے جدا کر کے انہیں اس امر کا عادی بنا دیا کہ وہ اپنی ذات کے تشخص اور اپنے قبیلے کے تشخص سے بالا تر ہو کر محض حق کی خاطر عمل کریں، صرف رضائے الٰہی کے لیے عمل کریں، اور اپنے تمام جذبات

کا رخ اللہ کی ذات کی طرف موڑ دیں اور اپنے تمام مشاعر حق کی فکر میں کھپا دیں، ـــ اسی لیے مکی دَور میں مسلمانوں کی آزمائش بھی اسی معاملے میں ہوئی کہ وہ کس قدر اللہ کی راہ میں تکالیف برداشت کرتے ہیں ؟ کس طرح اس نئی اٹھنے والی دعوت کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں اور کس طرح ظلم و ناانصافی کا بدلہ لیے بغیر اس پر صبر کرتے ہیں ؟

## شدائد اور مصیبتوں پر صبر

عہد اول کے مسلمانوں کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ شدائد پر صبر نہ کرتے مصیبتوں کو برداشت نہ کرتے اور تکلیفیں، اور اذیتیں نہ سہتے بلکہ ان کا جواب دیتے، بدلہ لیتے، خواہ خود ہی ختم ہو جاتے، اس لیے کہ دَور جاہلیت میں عرب انتقام لیتے وقت یہ نہیں سوچا کرتے تھے کہ کون باقی رہا اور کون ختم ہوا ؟ مگر مسلمانوں نے انتقام نہیں لیا اس لیے کہ اگر وہ انتقام کے درپے ہو جاتے تو نئی تحریک پروان نہ چڑھتی اور دین جدید کو سربلندی نہ حاصل ہوتی ـــ بلکہ بدستور جاہلیت کا ہی چلن رہتا، اور لوگ انسانیت پر مبنی حق و انصاف پر مبنی اور تعلق باللہ پر مبنی قدروں کو فروغ دینے والے بننے کے بجائے وہی ذات پر اور قبیلے پر مرمٹنے والے جاہلی عرب باقی رہتے۔ لیکن قرآن کی تربیت کے زیر اثر وہ بدلہ لینے سے باز رہے، انہوں نے تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کیا اور ہر طرح کے ظلم و ستم برداشت کیے ـــ اور اس صبر و شکیبائی نے ان کے دل مضبوط کر دیئے ان کے قلوب چٹان بنا دیئے اور ان کے نفوس کو ایسی عزت اور ایسی کرامت سے آشنا کر دیا کہ کبھی انسانیت ایسی عزت اور ایسی کرامت سے آشنا نہ ہوئی تھی، اس لیے کہ یہ نفوس قدسیہ حامل ایمان تھے، خدا پر بھروسہ رکھتے تھے اور خدائی قدروں پر ایمان رکھتے تھے اور اس ایمان کی بدولت وہ ہر مادی اور دنیاوی قدر سے بلند اور رفیع ہو گئے تھے۔

تربیت کے اس عرصے میں ان کو یہ تعلیم دی گئی تھی۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ (المزمل: ۱۰)

"اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔"

انہیں یہ تعلیم دی گئی۔

قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ (المزمل: ۲-۵)

"رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔"

اور مصائب پر صبر کرنے اور رات کو عبادتِ الٰہی میں مصروف رہنے کی ہدایت اس لیے کی گئی تاکہ نفس اللہ کے لیے خالص ہو جائے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْئًا وَّاَقْوَمُ قِیْلًا۔

(المزمل: ۶)

"درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ صحابہ کرام رات کو عبادت میں اور تہجد میں مصروف رہتے اور پورا سال خلوص کے ساتھ ساری ساری رات عبادت میں لگے رہے یہاں تک کہ قدم مبارک پر ورم آگیا اور پیر پھیٹ گئے تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ

يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ
مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا
اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (المزمل: ۲۰)

"اے نبی، تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے، اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی۔ اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے۔ کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ اور لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس جتنا قرآن بآسانی پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے اللہ سے مغفرت مانگتے رہو بے شک اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔"

## مدینہ منورہ میں پیش آنے والے واقعات پر ہدایات

جب مومنین اولین کے نفوس میں صبر پیدا ہو گیا، ان کے نفوس اللہ کے لیے خالص ہو گئے، ان کی اطاعتِ الٰہی پر تربیت ہو گئی، وہ رضائے الٰہی پر راضی ہو گئے اور ان کو یہ یقین کامل حاصل ہو گیا کہ اللہ ہی انسان کے بلند اور رفیع پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ تو اللہ نے مومنین کو ہجرت کا حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ میں اللہ سے تقویٰ اور اللہ کی شریعت کی اساس پر نئی ریاست قائم کریں اور جو بھی انہیں قوت فراہم ہو اس سے اپنا دفاع کریں۔

یہ بات صرف اتنی نہیں ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان کمزور تھے اور مدینہ منورہ میں انہیں طاقت حاصل ہوگئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر مسلمان چاہتے تو اہل عرب کی روش کے مطابق مکہ ہی میں اپنا بدلہ لے سکتے تھے لیکن اس وقت ان کو صبر کی تعلیم دی گئی اور مدینہ منورہ میں قوت کے استعمال میں ان کی راہنمائی کی گئی اور مدینہ منورہ میں بھی مؤمنون کو یہ تربیت دی گئی کہ وہ قوت کا استعمال حصول مقاصد کے لیے کریں اور اپنے نفوس کو آلودگیوں سے پاک رکھیں اپنے قلوب کی نیتیں خالص رکھیں اور محض رضائے الٰہی کے لیے ہی ہر عمل و اقدام کریں۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۔ (التوبہ: ۲۵)

"ابھی غزوہ حنین کے روز (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا، مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔"

مسلمان اپنی قوت اور شوکت پر خوش ہوگئے اور اس پر بھروسہ کرنے لگے تو ان کو سخت تنبیہہ کی گئی اور بتایا گیا کہ اصل قوت تو اللہ ہی کی ہے، اسی سے مدد حاصل کرنی چاہیے، وہی جسے چاہتا ہے معرکہ میں کامیاب کرا دیتا ہے اور اسی کے ہاتھ دنیا کے ہر معاملے کا اختیار ہے۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو صبر و شکیبائی کی تلقین کی گئی اور انہیں بتایا گیا کہ دعوت کی کامیابی کا دارومدار مادی قوت پر نہیں ہے بلکہ اللہ کی منشا پر ہے، اس لیے مسلمان ہمہ تن اللہ سبحانہ کی جانب متوجہ رہیں اور اسی کی قوت سے قوت حاصل کریں مگر جب مدینہ منورہ میں انہیں مادی قوت مل گئی تو انہیں یہ تربیت دی گئی کہ مادی قوت کسی کو اللہ سے مستغنی نہیں کرتی اور نہ ہی انجام دعوت مادی قوت سے طے ہو سکتا ہے بلکہ اصل انجام کار تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ

جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ ۲۶:۔۲۷)

"پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مؤمنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔ پھر (تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ) اس طرح سزا دینے کے بعد اللہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق بھی بخش دیتا ہے اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

## معرکۂ اُحد

معرکۂ اُحد میں جب جنگ کا اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور مسلمان غنیمت کی جانب متوجہ ہو گئے تو اس وقت بھی ان کو یہی تربیت دی گئی۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران: ۱۵۲)

"اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا ابتداء میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے، مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے ـــــ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے ـــــ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے۔"

## معرکۂ بدر

اسی طرح معرکۂ بدر کے موقع پر ہدایت کی گئی۔

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (الانفال: ۱۰،۷)

"یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا، تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو اور وہ موقع جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لیے بتا دی کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے۔"

## واقعۂ تبوک

اور واقعۂ تبوک کے سلسلے میں ارشاد ہوا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا

يَفْقَهُوْنَ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ۔

(التوبہ: ۸۱-۸۳)

"جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو۔ ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے، کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔ اب چاہیے کہ یہ لوگ ہنسنا کم کریں اور روئیں زیادہ اس لیے کہ جو بدی یہ کماتے رہے ہیں اس کی جزا ایسی ہی ہے (کہ انہیں اس پر رونا چاہیے) اگر اللہ ان کے درمیان تمہیں واپس لے جائے اور آئندہ ان میں سے کوئی گروہ جہاد کے لیے نکلنے کی تم سے اجازت مانگے تو صاف کہہ دینا، اب تم میرے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے اور نہ میری معیت میں کسی دشمن سے لڑ سکتے ہو تم نے پہلے بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا تو اب گھر بیٹھنے والوں ہی کے ساتھ بیٹھے رہو۔"

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (التوبہ: ۹۱-۹۳)

"ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکت جہاد کے لیے زادِ راہ نہیں پاتے اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں، جب کہ وہ خلوص دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے وفادار ہوں۔ ایسے محسنین پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی اعتراض کا کوئی موقع نہیں ہے جنہوں نے خود آکر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائی جائیں، اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔ البتہ اعتراض ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں اور پھر بھی تم سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں شرکت جہاد سے معاف رکھا جائے، انہوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل ہونا پسند کیا اور اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا، اس لیے اب یہ کچھ نہیں جانتے (کہ اللہ کے یہاں ان کی اس روش کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے)۔"

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

(التوبہ: ۱۰۲-۱۰۳)

"کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کا عمل مخلوط ہے کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں ہے کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے نبیؐ، تم ان کے

اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو۔ کیوں کہ تمہاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہوگی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (التوبہ: ۱۰۶)

"کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ ابھی خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے چاہے انہیں سزا دے اور چاہے ان پر از سر نو مہربان ہو جائے اللہ سب کچھ جانتا اور حکیم و دانا ہے۔"

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (التوبہ: ۱۱۱-۱۱۲)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ، اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے، اس کی بندگی بجا لانے والے اس کی تعریف کے گن گانے والے، اس کی خاطر زمین

میں گردش کرنے والے اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے بدی سے روکنے والے اور اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے (اس شان کے ہوتے ہیں وہ مومن جو اللہ سے بیع کا یہ معاملہ طے کرتے ہیں) اور اے نبی، ان مومنوں کو خوشخبری دے دو۔"

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔

(التوبہ: ۱۱۷-۱۲۱)

"اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرین و انصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبیؐ کا ساتھ دیا تو) اللہ نے انہیں معاف کر دیا، بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ

شفقت و مہربانی کا ہے۔ اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ اے لوگو، جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو، مدینہ کے باشندوں اور گرد و نواح کے بدویوں کو یہ ہرگز زیبا نہ تھا کہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہتے اور اس کی طرف سے بے پروا ہو کر اپنے اپنے نفس کی فکر میں لگ جاتے، اس لیے کہ ایسا کبھی نہ ہو گا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں اور منکرین حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں۔ اور کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) کوئی انتقام وہ لیں، اور اس کے بدلے اس کے حق میں ایک عمل صالح نہ لکھا جائے۔ یقیناً اللہ کے ہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کبھی نہ ہو گا کہ وہ (راہِ خدا میں) تھوڑا یا بہت کوئی خرچ اٹھائیں اور (سعی جہاد میں) کوئی وادی وہ پار کریں اور ان کے حق میں اسے لکھ نہ لیا جائے تاکہ اللہ ان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ انہیں عطا کرے۔"

## مذکورہ تنبیہات کا مقصد

یہ سخت تنبیہات اس لیے کی گئیں کہ مومنین اللہ کے راستے میں جہاد سے پیچھے نہ رہیں۔ اور عملاً پھر کوئی مومن جہاد سے پیچھے نہیں رہا۔

بہر حال ان تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان حرص و مفاد مصلحت اور ذاتی رجحانات سے بالاتر ہو کر صرف ایک ہی مقصد کے لیے جد و جہد کریں اور ان کا ہر عمل محض رضائے الٰہی کے لیے ہو جائے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاۗؤُکُمْ وَاَبْنَاۗؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِيْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَاۗ اَحَبَّ اِلَيْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔ (التوبہ : ۲۴)

"اے نبیؐ، کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کیا کرتا۔"

نفس کی پہنائیوں میں جب یہ بات جاگزیں ہو جاتی ہے تو وہ مضبوط اور ثابت ہو جاتا ہے اور اس کا اختلال، کمزوری اور ضعف اور جھکاؤ ختم ہو جاتا اور پیش قدمی کے وقت پیچھے نہیں ہٹتا اور انتظار کے موقع پر آگے نہیں بڑھتا، اللہ کی اطاعت پر اس کی تربیت ہو جاتی ہے وہ شفاف اور نورانی ہو جاتا ہے اور وہ آفاق سے نور حاصل کرنے لگتا ہے۔ اور قرآن کی بیان کردہ اس وصف میں ڈھل جاتا ہے۔

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران : ۱۱۰)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اسلام کے نظام تربیت کے اجراء کے دوران ضروری نہیں ہے کہ نزول قرآن

ی ترتیب کے لحاظ سے وہ واقعات بھی پیش آئے جو اولین اسلامی جماعت کو پیش آئے تھے۔ بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ مختلف پیش آمدہ واقعات میں قرآنی حکمت عملی اختیار کیا جائے اور حادثات کے موقعے پر نفوس میں جو قبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اور حادثہ اور واقعہ کے موقعے پر دل اللہ سے متعلق رہے اور مومن پورے ادراک اور شعور کے ساتھ آگے بڑھے اور راہنمائی اور ہدایت حاصل کرتا رہے۔

---

# اسلامی معاشرہ

اسلام کے نظام تربیت کا ایک بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ اسلامی معاشرہ موجود ہو۔ اس لیے کہ اگر اسلامی معاشرہ موجود نہیں ہوگا، یا اسلام کے برخلاف کوئی معاشرہ موجود ہوگا تو تربیت کے لیے کی گئی کوششیں رائگاں ہو جائیں گی۔

بلاشبہ اسلامی معاشرہ کا وجود اسلامی تربیت کا اصل مقصود ہے مگر ساتھ ہی یہ اسلامی تعلیمات کے ذہنوں میں راسخ ہونے کا اور ابتداءً ہی اسلامی تربیت کے حامل افرادِ کار تیار ہونے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ مقصود اور وسیلہ کی یہ پیوستگی ویسی ہی پیوستگی ہے جیسی خود فرد اور معاشرہ کے مابین ہے اور جیسی ایک نسل اور مسلسل آنے والی نسلوں کے درمیان ہے کہ کسی بھی مقام پر ایک نسل اور دوسری نسل کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں کھینچی جا سکتی اور کسی بھی مرحلے پر فرد اور معاشرے کے درمیان خط امتیاز نہیں قائم کیا جا سکتا۔ بالکل اسی طرح اس مقصود اور اس وسیلے کے درمیان خط فاصل نہیں بنایا جا سکتا۔

اسلامی معاشرہ کے برپا کرنے کا طبعی طریقۂ کار یہ ہے کہ ہم اپنے کام کا آغاز افراد سے کریں خود رسول اللہ ؐ نے یہی طریقۂ کار اختیار فرمایا کہ جب آپ نبوت و رسالت سے سرفراز ہو گئے تو آپ عملی زندگی میں بھی متحرک ہو گئے۔ تمام نبوتوں

اور رسالتوں کی یہی خصوصیت رہی ہے اور ان میں سے سب سے اہم یہ دین اسلام ہے جس میں اللہ نے تمام ادیان کا خلاصہ اور تمام رسالتوں کی خصوصیات ودیعت فرمادی ہیں اور اس دین اسلام کو اس قدر توانائی اور تحریک بخشی ہے کہ اس نے ایک خشک شور اور بنجر زمین میں جڑیں پکڑلیں اور جب ایک مرتبہ اس کی جڑیں مرتکز ہوگئیں تو اس کا تنا ور درخت تمام دنیا پر سایہ فگن ہوگیا اور اقوام عالم کے مکر و فریب اپنوں کی غداریوں اور تاتاری اور صلیبی جنگوں سے بھی اس اسلام کو ختم نہ کیا جاسکا ... اور آج پھر اسلام ایک نئی نشأۃ ثانیہ کے لیے کروٹیں لے رہا ہے۔

قلب محمدؐ میں اسلام سے جو حرکت اور زندگی پیدا ہوئی وہ آپؐ کی تعلیم سے دوسرے افراد کے نفوس میں بھی پیدا ہوگئی اور یہ افراد ایک مسلم معاشرہ کے برپا کرنے کی عملی جدوجہد میں لگ گئے پھر یہ عمل آگے بڑھا اور مسلم معاشرہ نے ایسے افراد تیار کرنے شروع کیے جو اپنے اخلاق و روایات اپنے طرزِ عمل اور اپنی فکر و شعور کی روش میں مکمل طور پر مسلمان ہوں، اور اس اسلامی معاشرہ کی پرورش گاہ میں نئی نسلیں اٹھتی رہیں اور وہ از سر نو اسلامی معاشرہ کے قیام اور استحکام کے لیے جدوجہد کرتے رہیں تاکہ خود اصل مقصود بھی مقصود کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ بن جائے اور نسل در نسل یہ عمل تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتا رہے۔

اسلامی معاشرہ وجود میں آکر یکساں مستقیم حالت میں رواں دواں نہیں رہا بلکہ اس میں اختلال بھی پیدا ہوتا رہا ـ اور سب سے بڑا اختلال صلیبی جنگوں میں شکست کے نتیجے میں پیدا ہوا، کہ یہ شکست اسلامی معاشرے کی رگ جاں میں پیوست ہوتی گئی اور مسلمان اپنے قلعوں اور اپنے مورچوں کو تو بچاتے رہے مگر اپنی فکری اور روحانی اقدار سے اور اپنے وجود کے مقدمات سے دست بردار ہوتے گئے ــــ یہاں تک کہ اسلامی معاشرہ انحطاط سے دوچار ہوگیا اور از نو اس کی تعمیر جدید کی ضرورت پیش آگئی۔

جب اولین اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تھا تو وہ ایک سخت بدترین

سرکش اور معاند جاہلیت کے درمیان برپا ہوا تھا، اور آج بھی جب اسلامی معاشرہ برپا ہوگا تو وہ اسی بیسویں صدی کی بدترین جاہلیت کے قلب میں برپا ہوگا۔

## اسلامی معاشرہ : اسلامی تربیت کا لازمہ

اسلامی معاشرہ بہرصورت تربیت اسلامی کی ایک لازمی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اگر اسلامی معاشرہ موجود نہ ہو یا ایسا معاشرہ ہو جو اسلام کا معاند اور اس سے متضاد ہو تو اسلامی تربیت کے ضمن میں کی گئی کوششیں بار آور نہیں ہو سکتیں اور ساری جدوجہد رائگاں چلی جائے گی۔ اس کی مثال اس طرح سمجھیے کہ آپ اپنے بیٹے اور بیٹی کی کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں تربیت کر رہے اور ان کو ان عادات واطوار کی تلقین کرتے رہتے ہیں جو ایک مسلم معاشرے میں رہنے والے مسلم افراد کے لیے ضروری ہیں۔ اب ان بچوں کو معاشرے سے جدا گھر کے قید خانے میں محبوس نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا کرنا ناممکن بھی ہے اور اسلامی تربیت کے تقاضوں کے بھی برخلاف ہے۔ اس لیے کہ اسلام زندگی سے کنارہ کشی اور عزلت نشینی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسلام تو بھرپور اور دائمی عملی زندگی کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی روش کی تعلیم دیتا ہے جو واضح اور نظر آنے والی ہو۔

لامحالہ آپ یہی کریں گے کہ اپنے بچوں کو اس آفت زدہ معاشرے میں جانے کی اجازت دے دیں گے۔ اور جوں ہی وہ گھر سے باہر قدم رکھیں گے انہیں ایسے بچے ملیں گے جو دامن حیا کو تار تار کر دینے والی گالیاں دے رہے ہوں گے۔ اور انہیں معاشرے کے ایسے افراد ملیں گے جو دھوکہ دے رہے ہوں گے فریب کر رہے ہوں گے اور منافقانہ روش اختیار کیے ہوئے ہوں گے اور ان کو ایسے استاد اور استانیاں ملیں گے کہ جب انہیں کسی نگران کے دیکھ لینے کا خوف ہوگا وہ خوب دل لگا کر پڑھائیں گے ورنہ گپ شپ میں ہی تعلیم کا وقت نکال دیں گے۔ اور جب وہ بازار میں پہنچیں گے تو دھوکہ دہی، فریب دہی، ملاوٹ اور مکر وحیلے کے سوا انہیں کچھ نظر نہ آئے گا! ہر طرف غلامی ہے، بڑا چھوٹے کو دبا رہا ہے، طاقتور

کمزور کا گلا گھونٹ رہا ہے اور دولتمند اکڑ کر چل رہا ہے اور مفلوک الحال پستی کے ساتھ گردن جھکائے جا رہا ہے! ہر پیرہن میں برائی موجود ہے ہر لباس میں بے حیائی چھپی ہوئی ہے۔ تعلیمی اداروں میں لڑکے اور لڑکیاں جذبات انگیز رومانی کہانیاں سُنا رہے ہیں، عورتیں آرائش و زیبائش کے ساتھ اپنے حسن کی نمائش میں مصروف ہیں۔ پکچروں کے حیا سوز اشتہار جا بجا آویزاں ہیں، اخبارات کے صفحے بے حیائیوں سے سیاہ ہوئے ہیں۔ نوجوان عبث اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں اور آوارہ گردی کر رہے ہیں۔ ان کی روش جانوروں سے بدتر اور ان کے اطوار حیوانات سے گئے گزرے ہیں۔

غرض معاشرے کی ہر قدر الٹی ہے۔ فضائل اخلاق مٹی میں مل گئے ہیں اور رذیلِ اخلاق کامیابی کا زینہ بنے ہوئے ہیں۔ بدکار و بدکردار اور بدقماش لوگوں کے اوپر چڑھ رہے ہیں اور شرافت و کرامت اور دین و اخلاق کی پاسبانی کرنے والے دھتکارے ہوئے کس مپرسی کے عالم میں پڑے ہیں۔ پارسا اور پاکباز لڑکی کو رشتہ میسر نہیں اور نیکوکار لڑکے زندگی کے ہر میدان میں پسپا ہیں۔

سماج کی ہر روش پرفریب، ہر پہلو دھوکہ فتنے اور بے غیرتی سے بھرپور، برہنگی کی دلفریبیاں، ایمان و یقین پر بجلیاں گرانے والی بے حیائی کی پتلیاں، اخلاق سوز افسانے، دریدہ دہن صحافت، حیا سوز گانے اختلاط مرد و زن کی گندگی اور وبائی ماحول ......

اور اس ماحول میں جاتے ہیں آپ کے بچے اور بچیاں ... بھلا بتائیے وہ کیوں کر مسلمان رہ سکتے ہیں اور کس طرح مسلمان بن سکتے ہیں۔

## اصلاحِ احوال کا منطقی طریقہ

اصلاح کا ایک ہی منطقی طریقہ ہے — اور یہی سنت اللہ بھی ہے — کہ اسی معاشرے سے چند افراد کی ایک جماعت اٹھتی ہے اور وہ معاشرے کے اس سیلاب کے ساتھ بہہ جانے سے انکار کر دیتے ہیں وہ اس گندگی میں اپنے دامن کو بچا کر رکھتے ہیں اور معاشرے کی فکری قیادت اور راہنمائی کے فرائض انجام دینا شروع کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ معاشرے کے ستھرے اور پاکیزہ فطرت لوگ ان کے گرد اکٹھے ہوتے

جاتے ہیں اور بالآخر ان افراد کی کوششوں سے اور قربانیوں سے اسلامی معاشرہ برپا ہو جاتا ہے۔

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ۔ (الانبیاء: ۱۰۴)

"جس طرح ہم نے پہلے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح پھر اس کا اعادہ کرینگے۔"

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ (الاحزاب: ۶۲)

"یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

عام افراد کی اسلامی منہاج کے مطابق تربیت میں خواہ کتنی ہی سعی و کاوش کی جائے مگر اس کے نفس میں مبادیات ایمان اور فضائل اخلاق راسخ کرنے کے لیے اسلامی معاشرہ کا وجود ناگزیر ہے تاکہ وہ اس اسلامی معاشرہ میں اسلامی تربیت کے عملی نمونے دیکھے اور ان کی اتباع اس کے فکر و عمل کو درست کرتی چلی جائے۔ عام افراد ہیروز (ابطال) نہیں ہوتے کہ وہ معاشرے کی روش سے ہٹ کر چلیں اور ایک گندے معاشرے میں پاکیزہ زندگی گزاریں اور لوگوں کو پاکیزگی کی تلقین کریں ان میں یہ شعور اور احساس اجاگر کریں کہ جس معاشرے میں وہ سانس لے رہے ہیں اسے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلامی معاشرے کی اولین علامت یہ ہے کہ وہ پاکیزہ ہونے کے ساتھ ایک آزاد معاشرہ ہوتا ہے۔ اس میں فرد یا جماعت کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اس میں نکمی اور فرسودہ روایات کی جکڑ بندیاں نہیں ہوتیں اور اس میں انسانی رفعت (Sublimation) کی راہ میں رکاوٹیں نہیں ہوتیں۔ اس میں انسان حیوان نہیں بنتا بلکہ "انسان" بن کر رہتا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں "انسان" ہر بندگی سے آزاد ہو جاتا ہے سوائے اللہ کی بندگی کے ــــ اور اللہ سے تعلق اور غیر اللہ سے لاتعلقی اس میں اس قدر قوت اور فعالیت

پیدا کردیتی ہے کہ وہ حق کے سوا کسی شئے کے سامنے نہیں جھکتا، اور وہ ایک ایسے معاشرے کا فرد بن جاتا ہے جس کا ہر فرد اللہ ہی کا تابع فرمان ہوتا ہے اور اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں کرتا۔

اسلامی معاشرہ میں انسانوں کے درمیان تمام باہمی تعلقات اللہ سے تعلق سے پیوست ہوتے ہیں اس معاشرے کے تمام افراد بھلائیوں کے فروغ اور نیکیوں کے پھیلانے میں باہم تعاون کرتے ہیں اور گناہ اور برائی کو مٹانے میں تعاون کرتے ہیں اور باہم مل جُل کر ایسی فضا اور ایسا ماحول تیار کرتے ہیں جس میں آنے والی نسلیں گندگیوں اور آلودگیوں سے پاک زندگی کی تربیت حاصل کریں۔

اسلامی معاشرہ میں حکمران اور رعایا سب اللہ کے نظام کے قیام میں باہمی تعاون کرتے ہیں اور اس منہاج کو برپا کرتے ہیں جو تمام انسانوں، فرد ہوں یا اجتماع سب کو مشتمل اور ان کے جملہ اقتصادی اجتماعی، سیاسی، حربی اور قانونی پہلوؤں کو حاوی ہے۔

اسلامی معاشرہ کا ہر فرد صالح معاشرہ کے برپا کرنے کی جدوجہد اور ہر مرد و زن نئی نسل کی نشوونما اور تربیت میں مصروف ہوتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ میں ہر شئے مسلمان ہوتی ہے، اسلامی حکومت ہوتی ہے مسلم رعایا ہوتی ہے، اسلامی اقتصادیات اسلامی اجتماعیات، خاندان اسلامی، درسگاہیں اسلامی، نشر و اشاعت کے ادارے اسلامی اور فن و ادب اور لٹریچر اسلامی — اور لازماً معاشرے کے تمام افراد مسلم![1]

اسلامی معاشرے پر اسلامی اقدار اور اسلامی قوانین کی بالادستی ہوتی ہے اور اس معاشرے کے تمام افراد میں باہمی اقتصادی، اجتماعی، فکری اور روحانی کفالت اور تعاون موجود ہوتا ہے[2]

---

[1] دیکھیے: معرکۃ التقالید۔ کا باب "جب ہم مسلمان ہوں گے"

[2] دیکھیے العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام۔

یہ معاشرہ پاکیزگی پر استوار ہوتا ہے پاک وصاف اور پاکیزہ نوجوان نسل نشوونما پاتی ہے، میاں بیوی اور بچوں کے درمیان طہارت اور پاکیزگی کے تعلقات ابھرتے ہیں، آقا اور غلام، مالک اور کارکن اور حکمران اور محکوم سب کے درمیان تعلقات میں پاکیزگی، نظافت اور فکر وعمل کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔

یہ معاشرہ حق پر استوار ہوتا ہے اس میں کوئی ظلم، کوئی زیادتی، کوئی ناانصافی نہیں ہوتی، اس میں باطل مرجھاتا اور حق لہلاتا ہے، اس میں انسانی اقدار پنپتی اور افزائش پاتی ہیں، اس میں روحانیت پھلتی اور پھولتی ہے، اس میں مادی ترقی حاصل ہوتی ہے اور روحانی ترقی نفس کے ارتفاع کا سبب بنتی ہے یہ معاشرہ انسان کی توانائیوں کو تعمیر ترقی اور خیر کے کاموں میں لگاتا ہے اور ان قوتوں کو برائی، شر اور فساد کے امور میں ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ یہ معاشرہ شر، برائی اور فساد کی جڑ مار کر رکھ دیتا ہے۔ اس معاشرے میں جدوجہد کے سارے پیمانے انصاف اور عدل پر قائم ہوتے ہیں کیونکہ معاشرے کے تمام افراد اللہ پر ایمان اور عمل خیر کی کامیابی پر یقین رکھتے ہیں۔ اور یہ سارا معاشرہ ایمان باللہ پر استوار ہوتا ہے اور اس میں پوری طرح منہاج الٰہی کارفرما ہوتا ہے[1]

اس معاشرے میں "انسان صالح" پیدا ہوتا ہے اور جب یہ اسلامی معاشرہ وجود میں آجائے تو معمولی کوششوں سے زیادہ صالح افراد تیار ہوتے چلے جاتے ہیں۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی معاشرہ قائم ہو جانے کے بعد ہم اس بھروسے پر بیٹھ جائیں کہ ہمارے بچوں کی تربیت معاشرہ سرانجام دے لے گا۔ بلکہ ہر فرد کو ہمیں جدا جدا تربیت دینی ہوگی اور معاشرہ اس تربیت سے ہم آہنگ فضا مہیا کریگا۔

اسلامی معاشرہ خاندان، اور والدین کی جانب بہت توجہ دیتا ہے۔ کیونکہ ایک اخلاق فاضلہ کا حامل خاندان ہی مسلم معاشرے کی بنیاد ہے۔

غرض جس وقت اسلامی معاشرہ، مسلم خاندان اور مسلم فرد وجود میں آجائے گا، اسلام کا نظام تربیت اپنے جملہ فوائد کے ساتھ بروئے کار آجائے گا۔

---

[1] اس کتاب کے آخر میں دیکھیے "واقعیت اور مثال کے درمیان"

# تربیت کے فوائد

اسلام کے منہاج تربیت کے تحت ہم جن انسانوں کو تربیت دیں گے اور جن کی روح عقل اور جسم کو سنواریں گے اور جن کو ہم مثالی نمونہ، نصیحت، قصص، عادات اور واقعات کی مدد سے تربیت دیں گے وہ کس قسم کے انسان ہوں گے اور ان کی کیا علامات ہوں گی، کیا خصوصیات ہوں گی، کیا کیفیات ہوں گی اور ہم اس کو کس طرح ایک مثالی نمونہ بنا کر پیش کریں گے؟ ... سب سے پہلی جو بات ہم کہہ سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اسلام کے نظامِ تربیت کے تحت ایک "انسانِ صالح" ظاہر ہوگا جو ایک عابد انسان ہوگا — عبادت کے اس معنی کے ساتھ جو ہم اس کتاب کے ابواب میں بیان کر چکے ہیں، یعنی یہ کہ اس کا ہر عمل ہر اقدام ہر سوچ اور ہر فکر اللہ کی ہدایت کے تابع ہو۔

## انسان صالح کی خصوصیات

لیکن صرف اس بات سے کہ اسلام کے نظامِ تربیت سے ایک "صالح اور عابد انسان" تیار ہوتا ہے اس انسان کی پوری خصوصیات واضح نہیں ہوتیں، بلکہ اس سلسلے میں مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس انسان میں تقویٰ، خشوع اور حیا ہوگی۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (الحجرات: ۱۳)

"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ (الفتح: ۲۹)

"سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں۔"

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ

وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ
وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِيْنَ
فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ۔

(الاحزاب : ۳۵)

"بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں۔"

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ
ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ
يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ - (النور : ۳۰-۳۱)

"اے نبیؐ مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے اور اے نبیؐ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

"حیاء ایمان کا حصہ ہے۔" (حدیث نبویؐ)

اب ہمارے سامنے ایک شخص آتا ہے جس کے چہرے سے تقویٰ اور خشوع ظاہر ہوتا ہے اور جس کی حرکات سے نرمی، سکون اور حیا ظاہر ہوتی ہے، مگر اس کا سکون دھوکہ دینے والا نہیں ہے اور اس کی حیا کمزوری کی علامت نہیں ہے۔ وہ اپنا سر صرف خدائے واحد کے سامنے جھکاتا ہے اور صرف خدا سے ڈرتا ہے، جب کہ غیر اللہ کے سامنے وہ قوی، مضبوط اور پرعزم ہے اور اپنے دین کے معاملے میں بڑا سخت اور شدید ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ ۔ (الفتح : ۲۹)

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔"

نہ تو اس کی رحم دلی سخت گیری میں حارج ہے اور نہ اس کی سخت گیری اس کی رحم دلی میں رکاوٹ ہے اس کی ہر خوبی اپنی جگہ اور اپنے مقام پر درست ہے اور اس میں اس قدر لچک ہے کہ وہ ہر موقعے کے لحاظ سے موقف اختیار کر لیتا ہے اور قوت وطاقت کو اور رحم دلی اور سخت گیری کو اپنے اپنے مقام پر استعمال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافروں اور منافقوں کے بارے میں رسول اللہؐ کو فرمایا گیا کہ

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ۔

(التوبہ : ۷۳)

"اے نبیؐ، کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔"

اور مؤمنین کے بارے میں یہ ارشاد ہوا۔ کہ

فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ ۔ (آل عمران : ۱۵۹)

"یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔"

کفار کے بارے میں سخت رویہ اختیار کرنے کی وجہ طبیعت کی سخت گیری اور درشتگی نہیں ہے کہ یہ صفات پسندیدہ نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ کا رسولؐ اس قسم کی صفات سے بلند ہے بلکہ کفار کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کی وجہ شر کے مقابلے میں قوت استعمال کرنا ہے جو خیر کے حصول کے لیے ناگزیر ہے۔ اور مومن کا اصل مقصد ہی خیر کا حصول ہے اور وہ ہر ممکن طریقے سے خیر کے

مقصد کو حاصل کرتا اور شر کو دفع کرتا ہے کبھی وہ محض کلمہ طیبہ (اچھی بات) سے شر کو دفع کرتا ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ (فصلت: ۳۴)

"تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔"

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ۔ (المومنون: ۹۶)

"برائی کو اس طریقے سے دفع کرو جو بہترین ہو۔"

کبھی نصیحت سے شر کی مدافعت کی جاتی ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (النحل: ۱۲۵)

"اے نبیؐ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔"

اور کبھی یہ وسائل کامیاب نہیں ہوتے تو سختی اور درشتگی ضروری ہو جاتی ہے اور اس وقت سخت روش اختیار کرنا ہی درست اور موزوں ہوتا ہے۔

مومن تمام حالات میں قوی اور تمام کیفیات میں بلند ہوتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران: ۱۳۹)

"دل شکستہ نہ ہو غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔"

مومن خوشی اور مسرت کے لمحات میں جھوٹی خوشی سے سرشار اور تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا، کیونکہ اسلام تکبر اور غرور کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ۔ (لقمان: ۱۸-۱۹)

"اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، زمین میں اکڑ کر نہ چل اللہ کسی خود پسند

اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا، اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز ذرا پست رکھ سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔"

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا۔ (الاسراء: ۳۷)

"زمین میں اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔"

ان آیات میں تواضع، اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا کہ درحقیقت اصل عزت اللہ پر ایمان اور اپنے نفس کو غیر اللہ کے سامنے جھکنے کی ذلت سے بچانا ہے اور اپنے نفس کو ہر برائی گندگی اور آلودگی سے محفوظ رکھنا ہے۔ مومنین کی یہ عزت اور یہ رفعت سربلندی اور فتح و کامرانی کے موقعے ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر وقت اور ہر موقعہ پر ہے چنانچہ مومنین کو انتم الاعلون جنگ میں شکست و رغلبۂ کفار کے بعد کہا گیا۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ (آل عمران: ۱۴۰-۱۳۹)

"دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو، اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔"

بہرحال یہ سربلندی یہ رفعت اور یہ عزت اس انسانِ صالح کی اور اس مومن انسان کی زیادہ نمایاں خصوصیت اور علامت ہے جو زندگی کے ہر مرحلے میں نمایاں رہتی ہے۔ مومن شکست اور ہزیمت کے وقت بھی اس لیے سربلند رہتا ہے کہ اس کی سربلندی

کا تعلق دنیاوی فتح و نصرت سے نہیں ہوتا کہ شکست و ہزیمت اس کو سرنگوں کر دے بلکہ اس کی سربلندی کا تعلق ایمان باللہ سے اور اللہ سے ربط و تعلق سے ہوتا ہے جو اس کی دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوتا ہے اور شکست و ہزیمت اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

دنیا کی دلکشیوں اور دلفریبیوں کے بالمقابل بھی مومن سربلند رہتا ہے کیونکہ مومن کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے اور وہ دنیا کے کسب کی خاطر، خواہ وہ اہلِ دنیا کی نظر میں کتنا ہی بڑا مفاد ہو، راہِ حق سے نہیں ہٹتا اور صرف اللہ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ۔ (طٰہٰ: ۱۳۱)

"اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے، وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے اور تیرے رب کا دیا ہوا رزقِ حلال بہتر اور پائندہ تر ہے۔"

شہوتوں اور خواہشوں کے بالمقابل بھی مومن سربلند رہتا ہے، اس لیے کہ مومن اللہ کی نظر میں اور خود اپنی نظر میں مکرم ہوتا ہے اور اس کے لیے یہ موزوں نہیں ہوتا کہ وہ کسی خواہش کے حصول میں اپنے مقام سے گر جائے اور گندگی اور آلودگی میں لتھڑ جائے، حالانکہ اس دنیا کی لذتوں سے زیادہ پاکیزہ، نفیس اور عمدہ اس کے لیے اللہ کے پاس موجود ہیں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ۔ (النور: ۳۳)

"اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں، انہیں چاہیے کہ عفت مآبی اختیار کریں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔"

مومن کھوٹی قدروں اور نکمی روایتوں سے سربلند ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ان قدروں اور روایتوں پر قائم ہوتا ہے جو منہاجِ الٰہی سے مستفاد ہوتی ہیں۔ اور اسے انسانوں کی

بنائی ہوئی قدریں متزلزل نہیں کرتیں اور اس پر غالب نہیں آتیں، کیونکہ اس کی نظر میں یہ مادی قدریں اور یہ انسانی رتبیں بے حقیقت اور بے وزن ہیں اور ان سے اشیاء کی حقیقتوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکهف: ۲۸-۲۹)

"اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلبگار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔ صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔"

مومن جو اس طرح سربلند ہوتا ہے وہ اپنا چہرہ لوگوں کے سامنے ذلیل نہیں کرتا اور زمین پر اکڑ کر نہیں چلتا۔ بلکہ وہ اپنے انسان بھائیوں کا احترام کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس کا احترام کرتے ہیں کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے نفس میں ٹھوس حقیقت موجود ہوتی ہے اور وہ خالی اور کھوکھلا نہیں ہوتا۔

مومن انسان اور صالح انسان اپنی سربلندی اور رفعت میں دوسروں کو حقیر نہیں جانتا، لیکن جب لوگ اسے تکلیف اور ایذاء پہنچاتے ہیں تو وہ ان کو اپنے سے دور کر دیتا ہے اور ان کے کمتر ہونے کا اظہار کر دیتا ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ نے مظلوم کو سوءِ قول کے اظہار کی اجازت دی ہے حالانکہ عام حالات میں بری بات

کہنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔

(النساء: ۱۴۸)

"اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔"

اسی طرح مومن کمتر لوگوں کی زیادتی کو ان کی حقارت اور اپنی سربلندی سے دفع کرتا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (الفرقان: ۶۳)

"رحمٰن کے اصلی بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ کو آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔"

انسان صالح انسانی جذبات کا حامل ہوتا ہے وہ بنی نوع انسان پر نرمی اور مہربانی کرتا ہے اور یہ باور کرتا ہے کہ تمام انسان کی تخلیق ایک ہی طرح ہوئی ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ۔ (الاعراف: ۱۸۹)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔"

اسے معلوم ہے کہ تمام بنی نوع انسان اس وحدتِ تخلیق کی بناء پر آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس لیے وہ انسانوں سے شفقت مہربانی اور محبت کا سلوک کرتا ہے اور ان غلط باتوں پر انہیں معاف کر دیتا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ (آلِ عمران: ۱۳۳، ۱۳۴)

"دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ ان خدا ترس

لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصّے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔"

وہ انسانوں کے لیے بھلائی اور خیر کا خواہاں ہوتا ہے وہ ان تمام انسانوں کے لیے رحم دل ہوتا ہے خواہ انہیں جانتا تک نہ ہو، وہ خوگر عمل ہوتا ہے انسانیت کے فائدے کے لیے عمل کرتا اور اکثر انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

"نفس ابن آدم پر ہر روز صدقہ واجب ہے، پوچھا گیا یا رسول اللہ ہم روز کس طرح صدقہ کریں، آپ نے فرمایا، خیر کے دروازے بہت سے ہیں، سبحان اللہ کہنا ہے، الحمدللہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہنا ہے، اچھائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔ راستے سے تکلیف دہ شئے کو ہٹا دینا، بہرے کو سمجھا دینا، اندھے کو راستہ بتا دینا، کسی کی ضرورت پوری کر دینا، اور اپنی ٹانگوں کی پوری قوت سے مدد کے لیے چیخ و پکار کرنے والے کی مدد کو دوڑنا اور اپنے بازوؤں کی قوت سے کمزور گرے ہوئے شخص کو اٹھا لینا۔"

(ابن حبان، بیہقی)

بلکہ مومن تو قتل و خونریزی اور جنگ و جدل کے موقعے پر بھی انسانی جذبات سے عاری نہیں ہوتا۔

"اللہ سبحانہ نے ہر شئے کے بارے میں حسن کاری کی تعلیم فرمائی ہے۔ اس لیے جب تم قتل کرنے لگو تو اچھے طریقے پر قتل کرو، اور جب جانور ذبح کرنے لگو تو اچھی طرح ذبح کرو اور دھار تیز کر کے جلد جانور کو آرام پہنچا دو۔" (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

محبت کرنا اور محبت کرنے پر قدرت رکھنا اور بے غرض، بے مفاد اور بے لوث محبت رکھنا انسان صالح کی ایک اور خصوصیت ہے اور جس قدر اس کے

جذبۂ حب میں اضافہ ہوتا جائے گا اتنا ہی اس کی انسانیت میں رفعت پیدا ہوتی جائے گی۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں کے لیے وہی کچھ پسند کرنے لگے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" (بخاری)

یہ ہے وہ نفسیاتی عظمت اور طبیعت کا استغنا، جو لوگوں پر محبت اور عطا نچھاور کراتا ہے کیونکہ اس محبت کا حقیقی منبع کبھی نہ ختم ہونے والا حب الٰہی کا فیاضانہ اور موج در موج چشمہ نبع ہوتا ہے۔ چونکہ مومن لوگوں سے محبت کرتا ہے اس لیے ان کے حق میں خیر پسند کرتا ہے، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی لیے کرتا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے ہدایت اور خیر کا خواہاں ہے۔ یہ نہیں کہ وہ لوگوں پر اپنی سربراہی اور قیادت مسلط کرنا چاہتا ہے۔

مومن — انسان صالح — کریم النفس اور صاحب مروت ہوتا وہ لوگوں کو تکلیف اور مشکل میں دیکھ کر ان کی مدد کے لیے دوڑتا ہے اور ان کی اپنی جان و مال سے مدد کرتا ہے۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ۔ (البقرۃ: ۱۷۷)

"اور اللہ کی محبت میں اپنا دلپسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر مسکینوں اور مسافروں پر مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔"

انسان صالح — مؤمن — اپنے فکر و عمل اور شعور میں متوازن اور معتدل ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کی قوت باعمل اور شریک زندگی ہوتی ہے۔ وہ کسی اچانک واقعے پر جذباتی نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی عقل اسے جذباتی ہونے سے باز رکھتی ہے۔ وہ سوچ کے گنبد اور فکر کی محراب ہی میں بند نہیں رہتا

بلکہ اس کی قوت حیات اسے آمادۂ عمل رکھتی ہے۔ وہ مادی زندگی اور دنیا کی لذتوں میں غرق نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روحانی قوت اس کو اس گراوٹ سے بچائے رکھتی ہے اور وہ زندگی کی طیبات سے اس طرح مستفید ہوتا ہے کہ ان میں پھنس کر نہیں رہ جاتا بلکہ وہ ہر وقت انہیں چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکل سکتا ہے۔ وہ کسی خبر کو سن کر اس کی تحقیق اور تیقن کرتا ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔ (الحجرات: ۶)

"اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پریشان ہو"

وہ ہر جدید نظریہ پر نہیں لپکتا بلکہ اس کو اپنے اوزان سے دیکھتا ہے اور معلوم کرتا ہے کہ اس میں کتنا حق ہے۔ اس لیے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْــٴًـا۔ (النجم: ۲۸)

"وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا"

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا۔ (الاسراء: ۳۶)

"کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو، یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے"

مگر وہ قدیم پر جمود نہیں اختیار کرتا، بلکہ نعمت الٰہی کا اعتراف کرتے ہوئے

اپنی فکر کو تدبر اور معرفت میں لگاتا ہے اور جہاں کہیں بھی حق پاتا ہے تو اس کی اتباع کرتا ہے۔ اس لیے کہ "دانائی مومن ہی کی متاع گم گشتہ ہے" (ترمذی) اور جہاں بھی وہ ملے وہی اس کا حقیقی وارث ہے۔

وہ معتدل اور متوازن ہوتا ہے اور وہ اللہ کے منہاج اور اس کے دستور سے ہدایت پاتا ہے، اور اسی کے اوامر پر عمل کرتا اور اس کے ممنوعات سے باز رہتا ہے۔

مؤمن — انسان صالح — دراصل روئے زمین کی ایک مؤثر اور فعال قوت ہوتا ہے اور اس میں حیرت انگیز قوت اور فاعلیت موجود ہوتی ہے اور اس میں اس قدر متحرک ایمانی قوت موجود ہوتی ہے جو دنیائے محسوس میں بروئے کار آتی ہے۔

اس کے تقاضائے ایمان کے تحت اللہ کا دستور اور اللہ کا منہاج اس کی احقیت اس کی افضلیت اور اس کی اہمیت دنیائے شعور اور عمل میں بروئے کار لاتی رہتی ہے۔

## مومن کی قوتِ کردار کا سرچشمہ

قوت خالقہ کی حقیقت کے بارے میں اس کا تصور، حقیقت ایمان، حقیقت کائنات، حقیقت انسان اور ان حقائق کے درمیان ارتباط ہر معاملے اور ہر پیش آمدہ مسئلے میں اس کی رائے متعین کرتا ہے جو اس کے منہاج زندگی سے مستفاد ہوتی ہے۔ اسی لیے کسی حادثے، کسی موقعے پر، اور کسی رائے یا اقدام میں اس کی رائے سلبی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ وہ اپنے مخصوص تصور کے تحت مثبت رائے اختیار کرتا ہے۔

اس کی عملی قوت اللہ سبحانہ کی مرضی کے مطابق روئے زمین کی ترقی اور تعمیر میں لگی ہوتی ہے اور وہ سست و کاہل بنا ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھتا!

اس کی فعال ایجابیت شر کے راستے میں مزاحمت کرتی اور حتی الوسع شر کے خلاف جہاد کرتا ہے اور اسے ختم کر کے رہتا ہے۔ اور اگر شر کے مقابلے میں وہ مغلوب بھی ہو جائے تو بھی اس کا قلب شر سے مغلوب نہیں ہوتا بلکہ دل سے وہ ہمیشہ شر کو برا ہی سمجھتا رہتا ہے جو ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

وہ اپنی ایجابیت اور فعالیت کے تقاضوں کے تحت مستقل مزاج ہوتا ہے۔
وہ اپنے وجود کی اہمیت سے واقف ہوتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کتنی قیمتی ہے۔ اور وہ اپنی اس قیمت کا اندازہ اپنے حسب ونسب اور اپنے مال و دولت سے نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنی قیمت کا اندازہ اس امر سے کرتا ہے کہ وہ مومن ہے اور اس حقیقی قوت سے ہدایت یافتہ ہے جو تمام کائنات کی روح اور اصل قوت ہے۔ یہی ہدایت اس میں فعال کائناتی قوت پیدا کر دیتی ہے اور اسے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اسے اللہ سبحانہ کی جانب سے ہدایت اور قوت حاصل ہے۔

مومن ___ انسان صالح ___ اپنے اس انفرادی شخص کے باوجود ایک اجتماعی وجود بھی ہوتا ہے اور اس کی انفرادیت اور مستقل مزاجی اس کے اور لوگوں کے درمیان حاجز نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور کائنات کے درمیان ربط قائم رہتا ہے اور یہ وہ ارتباط ہوتا ہے جو اس کا اپنے خالق سے ہوتا ہے اور خالق کے تعلق سے تمام مخلوقات سے ہوتا ہے۔

ایمان کی سب سے بڑی قوت ۔ یعنی محبت ۔ ارتباط اور تعلق قائم کرنے والی اور حواجز اور رکاوٹیں دور کرنے والی ہے۔ اور نیکی اور تقویٰ کے امور میں ایک دوسرے سے تعاون بھی مومن کو افراد سے ارتباط کی متقاضی ہے۔ بہر حال مومن محبت کرنے والا، ارتباط رکھنے والا اور اجتماعی تعلقات استوار کرنے والا ہوتا ہے' اس لیے کہ اسلام طبعاً عزلت نشینی کو پسند نہیں کرتا، اور اسی لیے یہ ارشاد ہوا ہے کہ

"جو مومن لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے زیادہ اجر پائے گا جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں ہے اور ان کی ایذا رسانی پر اسے صبر نہیں کرنا پڑتا۔" (بخاری، احمد)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مومن جب دوسرے لوگوں سے ملتا جلتا اور ان سے محبت سے پیش آتا ہے تو وہ خود لوگوں کی تکلیف کا باعث بن جاتا ہے، بلا اجازت بے موقع اور ناوقت ان کے گھروں پر جاتا ہے اور ان کی راحت و آرام میں خلل ڈالتا ہے۔

بلکہ اسلام نے اس باب میں بھی ہدایت دی ہیں اور اس کے طرز عمل کی اصلاح کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (النور: ۲۷)

"اے لوگو، جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں نہ داخل ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔"

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ (الحجرات: ۴-۵)

"اے نبی، جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اگر وہ تمہارے بر آمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر ہوتا۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ۔ (النور: ۵۸)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، لازم ہے کہ تمہارے لونڈی غلام اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں، صبح کی نماز سے پہلے، اور دوپہر جبکہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ۔

(الاحزاب : ۵۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو، ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر جب کھانا کھا لو تو منتشر ہو جاؤ باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔"

اس تہذیب اور اس تعلیم و تربیت نے مومن کو ایک حساس اور صاحب ذوق شخص بنا دیا ہے وہ اپنی محبت کو لوگوں کو تنگ کرنے اور ان کو بے راحت کرنے کا ذریعہ نہیں بناتا، بلکہ اس محبت سے ان کے ساتھ ایثار اور قربانی سے پیش آتا ہے اور خود اپنے بھائیوں کی محبت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور ان کو اپنے جذبۂ محبت کے چشمۂ صافی سے سیراب کرتا ہے۔ اور ملاقات کی اجازت طلب کرنے اور وقت اور موقعہ اور محل کو مدنظر رکھ کر ملاقات کے حکم سے اس مؤدب باہمی، اس ایثار و قربانی اور اس تعلق و محبت میں اضافہ ہی ہوتا ہے کمی نہیں آتی۔

## نظافت اور پاکیزگی کی تعلیم

مومن۔ انسان صالح۔ نظیف پاکیزہ اور پاکباز ہوتا ہے، اس کا لباس پاک و صاف ہوتا ہے اس کے اعمال پاک و صاف ہوتے ہیں اور وہ لوگوں سے معاملات میں صاف اور پاکیزہ ہوتا ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ (المدثر : ۴)

"اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔"

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ۔ (البقرۃ : ۲۲۲)

"اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بدی سے باز رہیں اور پاکیزگی اختیار کریں۔"

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔

(النساء : ۵۸)

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کر دو۔"

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ

فَاعِلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ

وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ

وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ

فِيهَا خَالِدُونَ۔ (المؤمنون : ۱-۱۱)

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے دُور رہتے ہیں زکوٰۃ کے طریقے پر عامل کرتے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملکِ یمین میں ہوں کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابلِ ملامت نہیں ہے البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

غرض اسلام نے مومن کو ہر باب میں نظافت اور پاکیزگی کی تعلیم دی ہے۔ نماز کی پابندی اور اس میں خشوع اختیار کرنا اللہ کے ساتھ بندے کے معاملے میں پاکی اور نظافت ہے۔ بے کار باتوں اور بے فائدہ امور سے بچنا فکر ضمیر اور زبان کی پاکی ہے اور زبان کو یاوہ گوئی سے اور فکر کو انحراف (Perversion) سے محفوظ

رکھنا ہے۔ زکوٰۃ سے نفس بخل سے پاک ہوتا ہے، شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم فرد اور معاشرے کو آلودگی اور گندگی سے پاک رکھنے کے لیے ہے۔ اور امانت کی حفاظت اور وعدے کی پابندی کا حکم لوگوں سے معاملات کی پاکی اور صفائی اور طبیعت کی استقامت اور صدق و اخلاص کے لیے ہے۔ اور یہ تمام کی تمام مومن ـــ انسان صالح ـــ کی خصوصیات اور اس کے کردار کی علامات ہیں۔

مومن حساس اور نظافت اور اعتدال کے ساتھ جمالیت پسند ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا قرآن کی فضا میں وقت گزارنا اس میں بصیرت پیدا کر دیتا ہے اور اور جمال کائنات کا شعور ابھار دیتا ہے اور اس میں ہر زندہ اور خوبصورت شئے کے بارے میں حساسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ شب و روز کی گردش نجوم و کواکب کا حُسن اور کائنات میں بکھرا ہُوا جمال اس کی نگہ بصیرت کو جلا بخشتا ہے۔ مگر وہ دلکش چہروں کے فتنے میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں رہتا ہے۔

مومن دنیا میں اپنے فرائض ادا کرتا ہے اور اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے، برائیوں سے بلند رہتا ہے، کھوکھلی قوتوں پر تکیہ نہیں کرتا، باطل سے بلند رہتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے، وہ اپنے دست و بازو کی قوت سے رزق تلاش کرتا ہے اور انجام کے لیے اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے بعد ازاں اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتا ہے اور اللہ کی مقررہ کردہ تقدیر پر یقین رکھتا ہے کہ مومن پر جو کوئی تکلیف آتی ہے وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اور اللہ کے راستے میں شدائد پر صبر کرنا اور اللہ سے خیر کا جُویا ہوتا ہے۔

بہرحال مومن ـــ انسان صالح ـــ دنیا میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کے اظہار کے ساتھ زندگی گزارتا، وقت کو مفید کاموں میں استعمال کرتا اور مادی دنیا اور روحانی عالم میں ہم آہنگی برقرار رکھتا ہے۔

# واقعیت اور مثال

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دنیا کے تمام نظامِ تربیت اور خود اسلام کا نظامِ تربیت ایسے مثالی اور تصوراتی نمونے پیش کرتے ہیں جن کا واقعاتی اور عملی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ بات کسی حد تک درست ہے مگر پوری طرح صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ نظام ہائے تربیت کا اصل کام یہی ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی صحیح صورت انسانوں کے سامنے رکھیں، جن کی جانب ہر موقعے پر رجوع کیا جا سکے اور مختلف حالات کے انضباط کے لیے ان کو مدِ نظر رکھا جائے، کیونکہ جب تک اس قسم کی مکمل صورت سامنے موجود نہ ہو ہمیں نہیں معلوم ہو سکتا کہ ہم نے کس قدر مسافت طے کی ہے اور کتنا فاصلہ باقی رہ گیا ہے؟ اور مقصود کے حصول میں کتنی کاوش کی ہے اور کس قدر جد و جہد کرنا باقی ہے؟

البتہ یہ لازمی ہے کہ کسی نظامِ تربیت کی پیش کردہ یہ مثالی صورت ایسی نہ ہو جو انسان کی حدودِ قدرت سے ماورا ہو اور جس کا مادی زندگی میں بروئے کار آنا ممکن نہ ہو اور انسان اس کے حصول کی کوششوں میں ضائع اور گم ہو کر رہ جائے!

نیز اس کی متعین صورت کا مخصوص قالب نہ ہو جس کا اپنانا ہر انسان پر لازم ہو!

مگر اسلام کا نظامِ تربیت ان دونوں خامیوں سے پاک ہے۔ یعنی اسلام کے نظامِ تربیت نے جو مثالی نمونہ سامنے رکھا ہے اس کو عملی صورت میں متحقق کرنا نہ تو ناممکن ہے، اور نہ اس کا کوئی مخصوص قالب ہے جس کا اختیار کرنا فرض اور لازم ہو۔

اسلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو مثالی نمونہ اور اسوہ حسنہ بنا کر پیش کیا، حالانکہ آپؐ انسان تھے اور آپؐ انسانیت کی جس بلندی اور رفعت کے مقام پر فائز ہوئے اس پر کبھی کوئی انسان فائز نہیں ہوا۔ لیکن بہر حال لوگ آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرتے رہے اور اس اسوہ کے بعض پہلوؤں میں کمال

حاصل کرتے رہے اور صحابہ کرام، تابعین کرام اور اسلامی تاریخ کی بے شمار شخصیات نے اس اسوۂ حسنہ کی ممکنہ حد تک تقلید کی اور رفعت و سربلندی اور سرفرازی حاصل کی اور انسانوں کی نظروں میں بھی وقیع مقام کے حامل ہوئے اور خدا کے یہاں بھی فلاح و کامرانی کے مستحق قرار پائے!

کسی نے راہِ حق میں قربانیاں دیں، کوئی صدق امانت اور اخلاص کا پیکر بن گیا، کوئی رحمت و محبت و مودت کا مجسمہ بن گیا اور کسی نے عملِ خیر میں قدم بڑھائے۔ اور اسلامی تربیت کے ہزاروں نمونے سامنے آئے۔ اور تاریخ عالم میں ان انسانوں کو عظمتیں حاصل ہوئیں![1]

اسلامی تاریخ کا وہ دور انتہائی تابناک اور بے مثال تھا جب امت مسلمہ اللہ اور رسول ؐ کی ہدایات کی روشنی میں تربیت پاکر ہر میدان میں پیش قدمی کر رہی تھی اور تاریخ میں سنہری حرفوں سے عظمتوں کے باب رقم کر رہی تھی۔ اگرچہ بعد میں اس قدر عظیم مثالی نمونوں میں کمی ضرور آگئی مگر بالکل ختم نہیں ہوئے، اور جو مثالیں دورِ اول میں قائم ہوئی تھیں بعد کے ادوار میں لوگ انہیں اجاگر کرتے رہے اور اس کے عملی نمونے پیش کرتے رہے۔

اسلام نے جو تربیت کا مثالی نمونہ مقرر کیا وہ خیالی، تصوراتی اور غیر حقیقی نہیں تھا، بلکہ اسلام کا نمونہ، مثالی بالکل حقیقی اور واقعی تھا، اور اسلام کے نظام تربیت نے اپنی تاریخ کے ہر دور میں اس کے بے شمار شواہد پیش کیے۔ اس لیے کہ اسلام انسان کی قدرت اور قوت کے مطابق اس سے مخاطب ہوتا ہے اور جس قدر اللہ سبحانہٗ نے انسان کو قدرتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں انہی کے مطابق اس کی رفعت اور ارتقاء کے مراحل متعین کیے ہیں۔ اسلام یہی کہتا ہے کہ انسان اپنی فطرت میں ودیعت

---

[1] الانسان بین المادیۃ والاسلام کا باب "اسلامی نقطۂ نظر ملاحظہ کیجیے"۔ اس کتاب کا راقم الحروف کا اردو ترجمہ اسلام اور جدید مادی افکار کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (س۔ صدیقی)

ان صلاحیتوں اور قوتوں کو بھرپور طریقے پر استعمال کرے اور انہیں بروئے کار لائے اور اپنی استعداد کے مطابق رفعت حاصل کرے۔

اسلام سب لوگوں سے بلندی اور رفعت کے اعلیٰ معیار کے حصول کا مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ اس کو لوگوں کی استعداد اور ان کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیتا ہے کہ مختلف لوگ رفعت کے مختلف درجات طے کریں، مگر جو لوگ بالکل رفعت حاصل نہ کر سکیں ان کی تعداد کم ہو اور انہیں تربیت کے حصول کے ہر وقت مواقع حاصل رہیں ۔۔۔ اس سے بڑھ کر اس مثالی نظریے کی اور کیا واقعیت ہو سکتی ہے!

اسلام انسان کی طبیعت اور اس میں پنہاں صلاحیتوں اور ان کے متنوع معیاروں کو بھی نظر انداز نہیں کرتا ۔۔۔ اسی لیے اسلام کوئی مخصوص و متعین قالب بھی انسانوں پر لازم نہیں کرتا کہ ہر انسان پر یہ قالب اختیار کرنا لازم ہو، بلکہ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کی حدود میں رہتے ہوئے تربیت کے کمال کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔

اسلام بلاشبہ "واقعیت" کا حامل ہے مگر اس کی واقعیت دورِ جدید کی واقعیت کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اسلام انسانی فطرت کی ہمہ گیری پر مشتمل ہے اور اسلام انسانی فطرت کی ارتقاء کی استعداد اور اس کی تنزل کی استعداد دونوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔

اسلام کی واقعیت، ڈارون فرائڈ اور مارکس کی واقعیت نہیں ہے جو انسان کو حیوان اور مادی ضرورتوں کا تابع قرار دیتی ہے [۱] اور کہتی ہے کہ چونکہ انسان میں تنزل اور ہبوط کی صلاحیت موجود ہے، اس لیے انسان کو ہبوط اور تنزل کی راہ پر چھوڑ دینا چاہیے، تاکہ وہ اس قدر گر جائے کہ حیوان بھی اس سے پناہ مانگے اور انسان، انسان باقی نہ رہے بلکہ ڈارون کا حیوان، مارکس کا بندۂ اقتصاد اور فرائڈ کا غلام جنس بن جائے!

---

[۱] دیکھیے: معرکۃ التقالید میں باب حقائق و اباطیل۔

اسلام کی واقعیت یہ ہے کہ اسلام انسان، کی مجموعی صلاحیتوں، قوتوں اور استعدادات کو مدنظر رکھتا ہے، اس کو مسلسل رفعت کی جانب لے کر چلتا ہے اور اس کی کوشش، صلاحیت اور قوت کے مطابق اسے کمال تک پہنچنے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور اس نمونہ کی کمال کو اس کا مقصود اور مطمح نظر بناتا ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان نہ تو فرشتہ ہے کہ وہ فرشتوں کی سی پاکیزگی حاصل کرے اور نہ وہ شیطان ہے کہ بالکل گندگیوں میں لتھڑ جائے اور شیطان بن جائے۔

بہر حال اسلام کی نظر میں انسان کی تربیت کا واقعی اور عملی طریقہ یہی ہے کہ اس کے سامنے ایک مکمل مثالی نمونہ رکھا جائے اور ہر ممکن طریقے پر اور پوری سعی بلیغ کے ساتھ مسلسل اور پیہم اس کی تربیت کا عمل جاری رکھا جائے!